

will be charged.

Reference Book

Not for circulation



RG

UNIVERSITY OF HYDERABAD
L I B R A R Y
HYDERABAD (A. P.)

1. Books / Journals should be returned on the due date.
2. Borrowers are responsible for every book / journal taken by them and will be expected to pay for any book / journal damaged, defaced or lost.

Help to keep the book fresh and clean

گلشن سخن

تذکرہ شعراءِ اردو

مصنفہ مروان علی خاں مستمل لکھنوی

سال تصنیف ۱۹۲۷ء

مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

۱۷۷، ڈی جی روڈ، لاہور

فہرست عنوانات

۴	۱	مقدمے کے ناخذ
۵	۲	فہرست شعرا
۱۵	۳	مقدمہ
۴۳	۴	ضمیمہ مقدمہ
۴۹	۵	متذکرہ شعرا
۲۷۷	۶	اشاریہ (۱) اشخاص کے نام
۲۸۰	۷	اشاریہ (۲) مقاموں کے نام
۲۸۲	۸	اشاریہ (۳) کتابوں کے نام
۲۸۳	۹	اشاریہ (۴) شعرا جن کا ذکر ایک جگہ سے
		زیادہ آیا ہے۔

نکاح کل ————— ایک ہزار

قیمت ————— ۵۵/۰۰ ~~۵۵/۰۰~~

کاتب ————— ظہور احمد

نظامی پریس لکھنؤ

۱۹۶۵ء

فہرست شعرا

نمبر شمار	تخلص و نام	صفحہ	نمبر شمار	تخلص و نام	صفحہ
	الف				
۱	آبرو شیخ نجم الدین	۵۱	۱۱	آزاد خواجہ زین العابدین	۵۷
۲	آخر .	۶۲	۱۲	آزاد میر ظفر علی	۵۸
۳	آٹمی خواجہ آٹمی	۵۹	۱۳	آزاد .	۵۸
۴	اجل محمد اجل	۶۴	۱۴	آشتیاق ولی اللہ	۵۷
۵	احتشام حسین	۶۷	۱۵	اشرف محمد اشرف	۶۲
۶	احسان میر شمس الدین	۶۶	۱۶	آشفہ مرزا رضا علی	۶۷
۷	احسن احسن اللہ	۵۳	۱۷	آشنا میوزین العابدین	۵۹
۸	احسن مرزا احسن علی	۶۵	۱۸	آشنا غلام بدیع اللہ	۵۸
۹	احمدی شیخ احمد	۶۴	۱۹	آشنا .	۶۶
۱۰	آرزو سلوک الدین علی خاں	۵۵	۲۰	آصف زبیر علی خاں	۵۱
			۲۱	اکبر میر غلام علی	۶۵

مقدمے کے ماخذ

(حروف تہجی کی ترتیب سے)

- بزم سخن - سید علی حسن خاں سلیم مطبوعہ ۱۹۷۹ء
- تذکرہ شورش - غلام حسین خاں شورش عظیم آبادی امرتیکرم الدین احمد لیل لیتو پریس، پٹنہ۔
- تذکرہ عشقی - شیخ رحیمہ الدین عشقی عظیم آبادی (جلد اول) ۱۹۷۹ء (جلد دوم) ۱۹۷۳ء
- روز روشن - مظفر حسین صبا - مطبع شاہ جہانی بھوپال، ۱۹۹۷ء
- سفر شہرا - عبدالغفور خاں نساخ - مطبع ذل کشور، لکھنؤ ۱۹۷۳ء
- سیرِ با سخن - سید محسن علی محسن - مطبع ذل کشور، لکھنؤ ۱۹۷۹ء
- شیخ انجن - ذاب صدیقی حسن خاں - رئیس المطابع، بھوپال، ۱۹۷۳ء
- طبقات سخن - غلام محی الدین عشق و مبتلا میرٹھی - قلمی - کتب خانہ گاندھی فیض عالم کالج، شاہ جہاں پور۔
- طبقات الشعراء ہند - کریم الدین - مطبع العلوم، دہلی، ۱۹۴۸ء
- فہرست کتب خانہ شاہ امدد - ڈاکٹر اختر نگر بیٹسٹ مشن پریس، ممبئی، ۱۹۷۵ء
- گلشن بے خار - مصطفیٰ خاں شہباز - مطبع ذل کشور، لکھنؤ، ۱۹۷۴ء
- گلشن سخن - مردان علی خاں مبتلا - قلمی - رضالا ٹبریری، رام پور و کتب خانہ سید مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنؤ۔
- منتخب الاشعار - مردان علی خاں مبتلا - قلمی - پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔
- نیل نعل لافکر - قدرت اللہ خاں قدرت - مطبع سلطانی، بمبئی، ۱۹۷۷ء
- نشر عشق حسین علی خاں عاشقی عظیم آبادی - قلمی - رضالا ٹبریری، رام پور۔
- نیل نعل لافکر کے دو نام لکھے ہیں ایک گلدستہ سانی امدد دوسرا غلام سانی جو اس کا تازہ نسخہ نام ہے۔

۵۷	بینوا .	۶۹	۷۲	شاقب شجاعت اللہ خاں	۸۷
	پ		۷۳	شاقب شہاب الدین	۸۷
۵۸	پاکباز میر صلاح الدین	۷۰		ج	
۵۹	پاکباز شاہ کھو	۷۲	۷۴	جرات میر شیر علی	۹۷
۶۰	پردانہ سید پودانہ علی	۷۰	۷۵	جرات بکلی امان	۹۲
۶۱	پردانہ راجہ جیوت سنگھ	۷۰	۷۶	جگن .	۹۷
۶۲	پیام شرف الدین علی خاں	۷۱	۷۷	جنون .	۹۸
	ت		۷۸	جنون شیخ غلام مرتضیٰ	۹۷
۶۳	تاباں میر عبدالحی	۸۱	۷۹	جوان کاظم علی	۹۶
۶۴	تائید خواجہ محمد علی	۸۶	۸۰	جودت رائے ہرے نام	۹۷
۶۵	تجدد میر عبد اللہ	۸۲	۸۱	جوش محمد روشن	۸۷
۶۶	تصویر شاہ جواد علی	۸۳	۸۲	جولال میر رمضان علی	۹۷
۶۷	تقی برتقی پٹوئیر گھاسی	۸۴	۸۳	جوہر مرزا احمد علی	۹۶
۶۸	تکین صلاح الدین	۸۴	۸۴	جوہری مولوی سائیت اللہ	۹۸
۶۹	تمشا .	۸۶	۸۵	جواندار مرزا بلال اختر جلال شاہ	۹۲
۷۰	تمشا مرزا علی رضا	۸۴		ح	
	ث		۸۶	حاتم شیخ محمد حاتم	۱۳۳
۷۱	غائب اصالت خاں	۸۶	۸۷	حامد میر حامد	۱۲۰

۶۲	انشاء الله تعالی	۴۰	۶۰	محمد اعظم	۲۲
۶۴	انصاف محمد نجفی	۴۱	۶۰	میر علی علی	۲۳
۵۹	آواره میر کاظم	۴۲	۵۰	آفتاب شاه عالم پادشاه	۲۴
۶۲	اولا میر اولاد علی	۴۳	۶۴	افسوس میر شیر علی	۲۵
۶۴	اولیا میر اولیا	۴۴	۵۸	افصح شاه فصیح	۲۶
۶۶	آه میر مهدی	۴۵	۵۹	آگاه محمد صلاح	۲۷
	ب		۶۲	آگاه نور خان	۲۸
۸۱	بسل	۴۶	۶۳	الم پسر خواجہ میر درد	۲۹
۷۱	بسل میر جبار علی	۴۷	۶۶	الهام شیخ شرف الدین	۳۰
۶۹	بقا بقا والد	۴۸	۵۸	امامی خواجه امام بخش	۳۱
۶۹	بکھاری دل	۴۹	۶۰	امانی میر لانی	۳۲
۷۰	بهار طمیک چند	۵۰	۶۲	امجد	۳۳
۶۸	بیان احسن الله	۵۱	۶۲	امید میرانی	۳۴
۶۹	بتاب سنو کدرای	۵۲	۵۹	خواجه امیر الله	۳۵
۷۴	بتاب محمد علیم	۵۳	۵۶	ایمنی خواجه امین الدین	۳۶
۷۴	بتاب میردن بهادر	۵۴	۶۱	انتظار علی نقی خاں	۳۷
۷۵	بیدار میر محمدی	۵۵	۵۱	انجام بیغل محمد ملک	۳۸
۸۰	بیکل سید عبدالوہاب	۵۶	۶۸	انسان امید یار خان	۳۹

ف	ز
۱۲۲ ذاکر میر حسین دوست	۱۳۸ زار مغل بیگ
۱۲۳ ذابن میر ستمد	۱۳۹ زار میر منظر
ر	۱۴۰ زکی جعفر علی خاں
۱۲۴ راغب محمد جعفر خاں	س
۱۲۵ راقم بندہ ابن	۱۴۱ ساقی میر حسین علی
۱۲۶ خنشاں محمد چاند	۱۴۲ سجاد میر سجاد
۱۲۷ نخست میر قدرت اللہ	۱۴۳ سراج میر سراج الدین
۱۲۸ بیانی	۱۴۴ سرت مفتی غلام محمد دم
۱۲۹ رستم رستم علی خاں	۱۴۵ سولات میر سولات اللہ
۱۳۰ رسوا متاب راے	۱۴۶ سعادت میر سعادت علی
۱۳۱ رشید	۱۴۷ سکندر
۱۳۲ رضا میر محمد رضا	۱۴۸ سلام نجم الدین علی خاں
۱۳۳ رضا	۱۴۹ سلیمان
۱۳۴ رفعت شیخ محمد رفیع	۱۵۰ سلیمان سلیمان خاں
۱۳۵ رند ہرانی خاں	۱۵۱ سلیم میر محمد
۱۳۶ رند میر ہمزہ (۹) علی	۱۵۲ سودا مرزا محمد رفیع
۱۳۷ رنگین	۱۵۳ سوز میر سید محمد

	خ	۱۰۳	حبیب الله	۸۸
۱۳۸	خلام خادم حسین	۱۰۶ ۹۹	حزین میر محمد باقر	۸۹
۱۱۷	خاکسار محمد بار	۱۰۷ ۱۱۳	حسرت جعفر علی	۹۰
۱۱۷	خاکسار میر سیمائی علی	۱۰۸ ۱۳۴	حسرت رحمت الله	۹۱
۱۱۷	خلیق میرزا ظهیر علی	۱۰۹ ۱۰۰	حسرت میر محمد حیات	۹۲
۱۱۸	خوب میر منظر علی	۱۱۰ ۱۰۳	حسرت مراد علی	۹۳
۱۱۷	خیالی راجہ خیالی رام	۱۱۱ ۱۱۵	حسن میر محمد حسن	۹۴
	و	۱۱۵	حسن خواجہ حسن	۹۵
۱۲۹	داما شیخ فضل علی	۱۱۲ ۱۱۵	حسن میر غلام حسن	۹۶
۱۳۱	داؤد داؤد بیگ	۱۱۳ ۹۸	حشمت سید تقی علی خاں	۹۷
۱۳۱	دخشان مکو بیگ	۱۱۴ ۹۸	حشمت محمد علی	۹۸
۱۱۸	درد خواجہ میر درد	۱۱۵ ۱۱۴	حضور	۹۹
۱۳۰	درد کرم الله خاں	۱۱۶ ۱۱۰	حضور شیخ غلام یحییٰ	۱۰۰
۱۳۰	در دند فقیمہ	۱۱۷ ۱۰۰	حیدری غلام حیدر	۱۰۱
۱۳۱	دل فتح محمد	۱۱۸ ۱۱۳	حیدری شیخ غلام علی	۱۰۲
۱۲۶	دل محمد باد	۱۱۹ ۱۱۰	جبران میر حیدر علی	۱۰۳
۱۳۰	دوست غلام محمد	۱۲۰ ۱۱۲	جبران میر منو	۱۰۴
۱۳۵	دیوانہ سرب مسک	۱۲۱ ۱۱۶	حیف سہتی دل	۱۰۵

۱۸۳	ظهور خبوستگه	۱۴۲	۱۱	غ	۱۴۸
۱۸۵	عاجز عادت علی خاں	۱۴۶	۲۰۱	غالب ذوالابراہیم خانیہ	۱۴۸
۱۸۶	عادت محمد عادت	۱۴۳	۲۰۲	غریب میر تقی	۱۴۸
۱۸۷	مرزا عباس علی	۱۴۳	۲۰۳	غواص	۱۴۸
۱۸۸	عاشق میر برهان الدین	۱۴۸	۲۰۴	فارغ	۱۴۷
۱۸۹	عاشق علی عظیم خاں	۱۴۷	۲۰۵	فخر میر فخر الدین	۱۹۱
۱۹۰	عاشق میر محمد طایب عادت علی	۱۴۷	۲۰۶	فدا سید امام الدین	۱۸۸
۱۹۱	عاصمی نور محمد	۱۴۶	۲۰۷	فدوی	۱۹۰
۱۹۲	عزت عبدالوہابی	۱۴۲	۲۰۸	فدوی مرزا محمد علی مشہور	۱۸۹
۱۹۳	عزیز بکاری داس	۱۴۷	۲۰۹	فراق مرتضیٰ خاں	۱۸۸
۱۹۴	عشق شاہ رکن الدین	۱۴۳	۲۱۰	فرحت فرحت اللہ	۱۸۳
۱۹۵	عشقی سید ابوالحسن تانا شاہ	۱۴۶	۲۱۱	فرخ فرخ علی	۱۸۷
۱۹۶	عطا محمد عطا	۱۴۳	۲۱۲	فرست میرزا الف بیگ	۱۸۸
۱۹۷	عظیم محمد عظیم	۱۴۷	۲۱۳	فروغ میر علی اکبر	۱۹۱
۱۹۸	عمدہ سیتارام	۱۴۵	۲۱۴	فریاد صاحب راے	۱۹۱
۱۹۹	عمر معتبر خاں	۱۴۶	۲۱۵	فضل شاہ فضل علی	۱۸۷
۲۰۰	عیش مرزا محمد عسکری	۱۴۶	۲۱۶	فغان اختر علی خاں	۱۴۹

۱۵۳	سوزاں احمد علی خاں	۱۵۳	ص	
۱۵۵	سید میر امام الدین	۱۵۷	صادق میر جعفر خاں	۱۶۷
۱۵۶	سید میر یاد علی	۱۵۷	صانع .	۱۶۷
	شش	۱۶۲	صبر میر محمد علی	۱۶۷
۱۵۷	قلاؤاب دلا خوش وقت رے	۱۶۵	صفدی .	۱۶۷
۱۵۸	شاعر میر کھو	۱۶۲	صمام الدلا خواجہ مہم	۱۶۶
۱۵۹	شانی ابن الدین	۱۶۵	صفت منل خاں	۱۶۶
۱۶۰	شاکر محمد شاگر	۱۵۹	ض	
۱۶۱	میر شاہ علی خاں	۱۵۹	ضالک میر غلام حسین	۱۶۹
۱۶۲	شاہی شاہ قلی خاں	۱۵۹	ضیا میر ضیہ الدین	۱۶۷
۱۶۳	شفا حکیم یار علی	۱۶۲	ضیا مرزا ضیا بیگ	۱۶۹
۱۶۴	شفیع میر محمد شفیع	۱۶۶	ط	
۱۶۵	شورش میر غلام حسین	۱۶۰	طالع میر شمس الدین	۱۷۰
۱۶۶	شوق میر حسن علی	۱۶۲	طپش .	۱۷۰
۱۶۷	شہرت مرزا محمد علی	۱۶۵	طارگر گریہاری لال	۱۷۰
۱۶۸	شہید مولوی غلام حسین	۱۶۶	ظ	
۱۶۹	شیدا میر فتح علی	۱۶۲	ظاہر خواجہ محمد خاں	۱۷۱
		۱۸۳	ظہور میر محمد باقر	۱۷۰

۲۴۸	نخلص نیر محمد باقر	۲۲۲	۲۴۹	منظر مرزا جان جان	۲۴۸
۲۴۹	نخلص اندرام	۲۲۳	۲۴۶	مغز فطرت .	۲۳۱
۲۵۰	نخلص دریغ لایاں خاں	۲۲۵	۲۴۸	معین شیخ معین الدین	۲۲۶
۲۵۱	نیر مدائش	۲۲۳	۲۴۹	مغوم رام جس	۲۳۸
۲۵۲	مدعا نیر عوض علی	۲۲۸	۲۶۰	لال .	۲۲۸
۲۵۳	مدلوش نیر نبی جان	۲۲۹	۲۶۱	ممتاز حافظ فضل علی ؟	۲۲۹
۲۵۴	مرزا محمد حسن خاں	۲۲۶	۲۶۲	منبت نیر قمر الدین	۲۳۰
۲۵۵	مرزا مرزا علی رضا	۲۳۱	۲۶۳	منظر منظر بخت علی	۲۳۲
۲۵۶	مروت .	۲۳۶	۲۶۴	منشی غلام محمد	۲۲۶
۲۵۷	مزل محمد مزل	۲۳۲	۲۶۵	منعم .	۲۲۳
۲۵۸	مستند یار علی خاں	۲۳۳	۲۶۶	موزوں خواجہ محمد علی خاں	۲۳۴
۲۵۹	مسکین خواجہ بخش اشہ	۲۳۴	۲۶۷	موزوں راجا ایم زارن	۲۳۳
۲۶۰	مشاق میر حسن	۲۲۹	۲۶۸	میر میر محمد فی	۲۰۵
۲۶۱	مشاق محمد قلی خاں	۲۲۹	۲۶۸	میر خواجہ محمد میر	۲۳۴
۲۶۲	مصطفی .	۲۲۵	۲۶۹	میر مدائش	۲۳۳
۲۶۳	مصیبت غلام نظام قطب الدین	۲۲۹	۲۸۰	نالاں میر دولت علی	۲۳۴
۲۶۴	مضمون شیخ شرف الدین	۲۳۱	۲۸۱	نالاں میر احمد علی	۲۳۳
۲۶۵	مضمون سید امام الدین	۲۳۵	۲۸۲	نبی میر غلام نبی	۲۳۴

۲۰۳	گمان نظر علی خاں	۲۳۳	۱۴۸	فقیر میرزا بدین	۲۱۷
	ل		۱۹۱	فیض فیض علی	۲۱۸
۲۰۳	لسان میر کلیم الله	۲۳۳		ق	
۲۰۳	لطیف	۲۳۳	۱۹۸	قائم شیخ محمد قائم	۲۱۹
	م		۱۹۷	قدر محمد قدر	۲۲۰
۲۱۳	ایل محمدی	۲۳۵	۱۹۲	قدرت شاه قدرت الله	۲۲۱
۲۳۱	بستلا مولان علی خاں	۲۳۴	۱۹۸	قربان میر جون	۲۲۲
	متین	۲۳۷	۲۰۱	قرین شیخ برکت الله	۲۲۳
۲۲۸	مجنوب غلام حیدر	۲۳۸	۱۹۶	قلندر غلام قلندر	۲۲۴
۲۳۶	مخروح کشن چند	۲۳۹	۱۹۷	قلندر لاله بدیع سنگه	۲۲۵
۲۱۹	مجنول میر سائیت علی	۲۴۰	۱۹۸	قناعت مرزا محمد بیگ	۲۲۶
۲۳۷	مجنول شاه مجنول	۲۴۱		ک	
۲۲۶	محبت مرزا حسن علی بیگ	۲۴۱	۲۰۳	کافر میر علی نقی مرزا بیگ	۲۲۷
۲۲۵	محب شیخ ولی الله	۲۴۲		کاکل شاه کاکل	۲۲۸
۲۳۶	محبت محبت خاں	۲۴۳	۲۰۳	کلیم شیخ محمد حسین	۲۲۹
۲۳۳	مخروول سید محمد حسین	۲۴۴	۲۰۱	ک	
۲۲۳	محسن (السا باه کا)	۲۴۵			
۲۲۵	مختر	۲۴۶	۲۰۳	کرزار	۲۳۰
۲۳۲	محقق	۲۴۷	۲۰۳	کرپان میر علی محمد	۲۳۱

مقدمہ

از سید مسعود حسن رضوی ادیب

اُردو و شہر و ادب کی تاریخ میں بارہویں صدی، ہجری کا نصف آخر
تذکرہ نویسی کی ہلکے کا موسم ہے، مقصد تذکرے اس زمانے میں لکھے گئے، جن میں
سے کچھ چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، بعض کے قلمی نسخے کہیں کہیں موجود ہیں
اور بعض کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ مثلاً کا تذکرہ گلشن سخن بھی اسی فصل کی
پیداوار ہے۔ اس حمد کے دوسرے تذکروں کی طرح اس کی زبان بھی فارسی ہے
اور اس میں بھی شاعروں کے حالات کم اور ان کے کلام کا انتخاب زیادہ ہے۔
مثلاً اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں :-

”چنان بن خاطر سید کہ از کلام زخمتہ گویان سابق و حال کہ بریں زمان
کمال شہدہ ظہر و ہندوستان دارند.... منتخب نمودہ صحیفہ جمع
عمید تلامذہ ان خیمستان محبوبان معنی حفظ وافر بردارند الحمد للہ
الخطایا کہ عائدک زہن کہ باب گردیدہ بہ مقصد رسید۔ چون مقدمہ نظر
بر تاج جن انجم الیغ کشود سنی بہ بخش سخن نمود“

یعنی مجھے خیال آیا کہ سابق و حال کے زخمتہ گو جو اس زمانے میں ہندوستان میں
بہت شہرت رکھتے ہیں، ان کے کام کا انتخاب کر کے ایک کتاب تالیف کروں
تاکہ ”محبوبان معنی“ کے عاشق اس کے مطالعے سے بہت لطف اٹھائیں۔ خدا کا

۲۵۲	دلایت میر ولایت اللہ	۳۰۱	۲۳۳	نثار میر عبدالرسول	۲۸۳
۲۴۷	دلی شاہ ولی اللہ	۳۰۲	۲۳۴	نثار سدا سکھ	۲۸۴
۲۵۳	ولی مرزا محمد ولی	۳۰۳	۲۳۵	نجات شیخ حسن رضا	۲۸۵
۲۵۹	وہم میر محمد علی	۳۰۴	۲۳۶	نجف .	۲۸۶
۵			۲۳۷	ندیم شیخ علی تلی	۲۸۷
۲۶۲	باقف مؤرخ ہاتف	۳۰۵	۲۳۸	نزار خواجہ محمد اکرم	۲۸۸
۲۶۱	بادی .	۳۰۶	۲۳۹	نظام خٹا بلدین خاں	۲۸۹
۲۵۹	ہدایت شیخ ہدایت اللہ	۳۰۷	۲۴۰	نعیم فیض اللہ	۲۹۰
۲۶۸	ہدایت ہدایت علی	۳۰۸	۲۴۱	نیاز میر افضل علی	۲۹۱
۲۶۱	ہدم .	۳۰۹	۲۴۲	نیرنگ دلا در خاں	۲۹۲
۲۶۱	ہویدا میر محمد اعظم	۳۱۰		و	
۲۶۲	میر ہینگا	۳۱۱	۲۵۳	دارث محمد وارث	۲۹۳
ی			۲۵۷	واصل محمد بن محمد	۲۹۴
۲۷۵	یار میر احمد	۳۱۲	۲۵۴	واقعہ میں ساجدوری	۲۹۵
۲۷۵	یاس حسن علی خاں	۳۱۳	۲۵۶	والہ میر مبارک علی	۲۹۶
۲۶۴	یقین انعام اللہ خاں	۳۱۴	۲۵۷	خشت میر ابوالحسن	۲۹۷
۲۶۲	یک رنگ مصطفیٰ قلی خاں	۳۱۵	۲۵۸	خشت میر بہادر علی	۲۹۸
۲۷۵	یکرو عبدالوہاب	۳۱۶	۲۵۹	محل مولا اسحاق	۲۹۹
۲۷۸	یونس .	۳۱۷	۲۶۰	دفا لکھنؤ داک	۳۰۰

کے بعد اس کو مرتب کرنا ایک سال کے اندر ممکن ہے۔ گمان غالب ہے کہ ۱۹۲۳ء
مواد کی فراہمی کا نہیں، اس کی ترتیب کا سال ہے۔ اس تذکرے میں ایک واقعہ ایسا
بھی لٹا ہے جو ۱۹۲۳ء کے اختتام سے دس دن بعد پیش آیا یعنی مرزا مظہر کی وفات
جو ۱۰ محرم ۱۳۴۵ھ کو واقع ہوئی۔

تذکرے بالعموم غزل گو شعرا کے حالات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جن شاعروں نے
غزل کے ساتھ ساتھ کسی دوسری صنف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہو، ان کے حال
میں اس دوسری صنف کا بھی مضمنا ذکر آ جاتا ہے۔ گلشن سخن میں جن شاعروں کی نظمیں
قصیدوں، مساتی ناموں اور مرثیوں کا ذکر آتا ہے، ان کے نام اور کام حسب ذیل ہیں:-
مثنوی:

جعفر علی خاں ذکی: ”مثنوی ریختہ او مشہور (است)“
میر غلام حسین شورش: ”دیوانش چار ہزار بیت از قصیدہ و مثنوی و غزل است“
محمد قایم قایم: ”مثنویات متعددہ در سنگ نظم کشیدہ“
فدوی لاہوری: ”گویند یوسف وز لیلیا بزبان ریختہ نظم کردہ“

قصیدہ:

سودا: ”در جمیع فنون نظم خاصہ در قصائد دقت بسیار بہ کار بردہ“
شورش: ”دیوانش چار ہزار بیت از قصیدہ و مثنوی و غزل است“
مرزا جعفر علی حسرت: ”صاحب قصائد و غزلیات“

ساقی نامہ:

فقیہہ درو مند: ”ساقی نامہ ریختہ از زبان زدا نام است“
حمایت علی مجنون: ”ساقی نامہ حکم ذاب مبارک الدولہ ابن ذابا میر محمد جعفر
خان مرحوم کا افضل نامہ بنگالہ است در سنگ نظم کشیدہ“

شکر ہے کہ تھوڑے سے وقت میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور جب یہ
تالیف بخوبی انجام پاگئی تو اس کا نام ^{۱۶}گلشن سخن رکھا۔

اس مقام پر مولف تذکرہ نے ایک قطعہ تاریخ لکھا ہے، جو حسب ذیل ہے۔

اب وزنگیں کاہی جو باغِ ارم نہیں اس کے مقابل گلشن

سالِ تالیف میں پوچھا ان سے جو تھیں فن کے سخنِ سنج کمن

سب گئے کہنے کہ کمر کے جد آج بھوٹا ہے سخن کا گلشن

اس قطعے کا آخری مصرع مادہ تاریخ ہے، جس سے اس تذکرے کا سال تالیف ۱۱۱۹ھ

نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ پوری کتاب میں جہاں جہاں دورانِ تالیف کا کوئی واقعہ

بیان کیا گیا ہے وہاں تقریباً ہر جگہ الحال، الحال، تا این زمان، کے ساتھ گیارہ

سوچو رانے، ہجری لفظوں یا ہندسوں میں ضرور لکھا گیا ہے۔ اس سے بظاہر

یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ اسی سال میں شروع ہوا اسی میں ختم ہوا۔ جناب مرثی

اس سلسلے میں کہتے ہیں:-

”یہ خیال کرنا ہے ہمارا ہو گا کہ اسی سال کے اندہ تالیف سے متعلق تاریخ

ہو گیا تھا“

یہ تذکرہ تین سو لکھ شاعروں کے حالات اور ان کے منتخب اشعار پر مشتمل ہے۔ اتنے

شاعروں کے حالات، وہ مختصر ہی سہی، فراہم کرنے اور ان کے کئی ہزار اشعار منتخب

کرنے میں ایک سال سے بہت زیادہ وقت صرف ہوا ہو گا۔ کل مواد فراہم کرنے

لئے سخنِ شہزادہ بزمِ سخن میں امداد شاعرانہ کے ہاں تذکرے کا ذکر ہے، مگر اس کا نام نہیں ہے۔ سربراہ سخن

یہ امر کا صحیح نام گلشنِ سخن تھا یا گلستانِ سخن بلکہ اصل میں اس کا نام گلستانِ سخن لکھا گیا ہے، جو قطعاً غلط ہے۔

گلستانِ سخن مرزا فاضل بخش مآثر کے تذکرے کا نام ہے۔

ملک دیباچہ دستورالخط ص ۳۰

۷۱
اسی حالت میں بے ہوش ہو کر انتقال کر گئے۔

مرزا ظہور علی خلیق دہلوی کے والد مرزا ہوشیار اپنے عہد کے نامی مرثیہ گو تھے۔
ظہور علی بھی مرثیہ کہتے تھے اور مرثیے میں ظہور تخلص کرتے تھے۔ لیکن مجتہد نے ان کی
مرثیہ گوئی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ان کے بارے میں صرف یہ لکھا ہے:

”مرزا ظہور علی خلیق دہلوی خلیفہ مرزا ہوشیار در علم موسیقی و مرثیہ خوانی

و شگاہ تام داند“

میر بجلی مخاطب بہ عاشق علی خاں عاشق متوطن دکن کا صرف ایک شعر نقل
کیا ہے اور لکھا ہے: ”این بیت او خون از گد دل می چکاند“۔ وہ شعر یہ ہے
ہیں شہید کربلا سب سرخ پوش مسطی کی آل کا کیا رنگ ہے
یہ مرثیہ کا شعر معلوم ہوتا ہے۔

مبتلا نے ذیل کے شاعروں کی نثر نگاری اور انشا پردازی کی بھی تعریف
کی ہے:

میر جبار علی بسمل: ”در شریعتہ دارد“

محمد روشن جو ششش: ”در نظم و نثر صاحب استعداد“

نوش وقت رائے شاد آب: ”انشا خوب می نوشت“

میر عوش علی مدعا: ”در طبابت و انشا پردازی قدرت داشتہ“

واضح ہو کہ مولف تذکرہ جب ”انشا“ کا لفظ ”رہختہ“ کے ساتھ لیتا ہے تو ”رہختہ“ کے
معنی اُردو غزل اور ”انشا“ کا مفہوم لکھنا یا کہنا یعنی تصنیف کرنا ہوتا ہے۔ چند مثالیں
ملاحظہ ہوں:

نیک چہد بہار: ”گا ہے رہختہ ہم انشا نمود“

مرثیہ:

خواجہ امام بخش ہمامی عظیم آبادی: ”در مرثیہ گوئی سید الشہداء کے وفات بسر

می برد“

خواجہ برہان الدین آشتی دہلوی: ”مرثیہ ہندی خوب می گفت“
 خلیفہ سکندر: ”در مرثیہ گوئی سلیقہ درست دارد“
 محمد علی قسبر: ”اکثر مرثیہ حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام انشائی کند“
 میرنول حیران عظیم آبادی: ”در مرثیہ گوئی مہارت خوب داشت و مظلوم غفلت

می کرد“

شیخ حسن رضا نجات دہلوی: ”مرثیہ سید الشہداء علیہ السلام بیشتر می گوید“
 شیخ علی قلی بدیع دہلوی: ”اکثر مرثیہ سلام حضرت سید الشہداء زبان رنختہ می گفت“
 مرزا اسحاق وصل لکھنوی: ”اکثر مرثیہ سید الشہداء اقصیت می نماید“
 میر محمد اعظم ہویا دہلوی: ”اکثر مرثیہ امام ہمام علیہ السلام می گوید“
 مصطفیٰ قلی خاں یک رنگ دہلوی: ”در مرثیہ سید الشہداء علیہ السلام گفتہ
 زخمی بزد گسل بن شہیدان کر بلا گلزار کی منظر ہی بیابان کر بلا
 کھانے چلائے تیغ ستم ظالموں کے ہاتھ دھو ہاتھ زندگی سنی سہان کر بلا
 اندھیر ہو جہاں میں کاشا میوں کے ہاتھ ہی سر بریدہ شمع شبستان کر بلا“
 خواجہ آشتی کے فرزند میرامامی دہلوی مرثیہ گو تھے، مگر ان کے متعلق مبتلانے
 مرت یہ لکھا ہے۔

”در مرشد آباد بہ تعزیرہ داری سید الشہداء علیہ السلام منتغال داشت۔

مشہور است کہ شبے دین تعزیرہ بے ہوش گردیدہ بہ بہشت خرامید“

یعنی مرشد آباد میں سید الشہداء کی عزاداری میں مشغول رہتے تھے۔ مشہور ہو کہ ایک رات کو

کو ایک خط لکھا۔ ۲۴ مارچ ۱۹۴۲ء کو ایک خط کے ذریعے سے یاد دہانی کی اور ۲۴ فروری ۱۹۴۳ء کو تذکرے کی نقل ان کو وصول ہو گئی۔ اس نقل کو مرحوم نے میرے پاس بھیج دیا۔ اس طرح اب اس تذکرے کے تین نسخے موجود ہو گئے، ایک کھنوی، دوسرا رام پوری اور تیسرا رام پوری نسخے کی نقل۔ ہم اختصار کی غرض سے ان نسخوں کا ذکر علی الترتیب نسخہ ۱، نسخہ ۲ اور نسخہ ۳ کے نام سے کریں گے۔

نسخہ ۱ بہت کچھ صحیح ہے اور کاتب کی دست برد سے بالکل محفوظ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ دونوں طرف سے کم ہے۔ اس میں کل ۲۰۹ شاعروں کا حال ہے۔ پہلا شاعر آملہ دہلوی خلف خواجہ میر درد اور آخری شاعر حمایت علی مجنوں ہے۔ نسخہ ۲ کے بارے میں عرضی صاحب لکھتے ہیں:

”کتاب خانہ عالیہ رام پور میں اس تذکرے کا ایک علی نسخہ پایا جاتا ہے، جسے نہایت بے خط اور غلط نویس کاتب نے نقل کیا ہے۔“

اس نسخے میں آلم سے پہلے اٹھائیس شاعر اور مجنوں کے بعد اسی شاعر اور میں یہ نسخہ بظاہر مکمل، مگر حقیقت بہت ناقص ہے۔ اس نسخے کا مقابلہ نسخہ ۱ سے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مرزا الف بیگ فرحت الہ آبادی کے احوال و اشعار تک دونوں نسخے تقریباً یکساں ہیں۔ قابل لحاظ فرق صرف اتنا ہے کہ جنوں دہلوی اور محمد علی خشت کا ذکر نسخہ ۱ میں ہے۔ پورے میں نہیں ہے۔ لیکن فدوی دہلوی اور فدوی لاہوری سے نسخہ ۱ میں شاعروں کے حالات مختصر کر دیے گئے ہیں اور ان کے بہت بہت سے شعر چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اس حذف و اختصار کی سب سے نمایاں مثال میر کے ذکر میں ملتی ہے۔ میر کا حال نسخہ ۱ میں حسب ذیل ہے:-

۱۔ مولوی عبدالحق کے یہ تین خط ۱۵ مارچ ۱۹۴۲ء، ۵ اپریل ۱۹۴۲ء اور ۱۵ مئی ۱۹۴۲ء میں شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ دیباچہ دستور انصاف ص ۱۵

مفتی علی حسنت: ”تختہ ہم گاہ ہے..... انشائی لکرو“

محمد علی حسنت: ”در انشائے تختہ سلیقہ و نیکو داشت“

سبارک علی والہ: ”انشائے تختہ می نماید“

محمد اعظم ہویدا: ”گاہ ہے انشائے تختہ می پردازد“

انشا کا لفظ اسی معنی میں غزل اور مرثیہ کے لیے بھی آیا ہے۔ مثلاً مرزا

علی رضا تنہا: ”گاہ گاہ غزلے انشائی کند“

محمد علی صبر: ”اکثر مرثیہ..... انشائی کند“

گلشن سخن سے پہلے اردو شاعروں کے کئی تذکرے لکھے جا چکے تھے، لیکن مبتلا نے نقطہ میر تقی میر کے تذکرے کا صرف دو جگہ ذکر کیا ہے۔ میر کے حال میں لکھا ہے: ”تذکرہ مختصرے نسل بر احوال و اشعار تختہ گو یاں تالیف نمودہ“۔ جنون دہلوی کے اشعار نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے: ”ابیات کہ از تذکرہ میر محمد تقی میر نقل نمودہ بہ تحریری آرد“۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبتلا نے میر کا تذکرہ دیکھا تھا اور گلشن سخن کی تالیف کے وقت وہ ان کے پیش نظر تھا۔ کسی اور تذکرے کا ذکر نہیں ہے، البتہ مرزا اسودا کے شاگرد میر فخر الدین فخر کے والد اشرف علی خاں کو تذکرہ نویس لکھا ہے، لیکن معلوم نہیں کہ یہاں تذکرے سے تذکرہ شعر مراد ہے یا کچھ اور۔

گلشن سخن کا ایک قدیم قلمی نسخہ کھنڈو میں حکیم سید علی آشفق سے مجھ کو ملا اور میں نے اس پر ایک مفہون شعر لکھا۔ اردو کا ایک قدیم تذکرہ کے عنوان سے لکھا تھا جو اب سے تیس برس پہلے دسمبر ۱۹۳۳ء میں رسالہ ہمایوں لاہور میں شائع ہوا۔ اس کے چند سال بعد مولوی عبدالحق مرحوم نے مجھ سے اس تذکرے کو مرتب کرنے کی فرمائش کی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ضالہ بٹری، رام پور میں بھی تھا۔ اس کی نقل کے لیے مولوی عبدالحق نے ”دسمبر ۱۹۳۳ء کو لاہور بٹری کے ناظم مولوی امتیاز علی خاں عرشی

۲۳
و خلافت سخن دران معاصرین خویش است“

میرحایت علی مجنوں کا حال نسخہ ۷ میں یہ ہے :-

”میرحایت علی مجنوں ہلش دہلی و بالفعل از مدے مقیم مرشد آباد و شاگرد

شاہ قدرت اللہ است حراتی نانہ بہ حکم نواب مبارک الدولہ ابن نواب

میر محمد جعفر خان مرحوم کہ بالفعل ناظم بنگالہ است، درسلک نظم کشیدہ۔

میر مسعود در فن سخن پردازی نیسے دانا و ہوشیار است از دوست“

اور نسخہ ۷ میں صرف یہ ہے :- ”میرحایت علی مجنوں ہلش از دہلی و بالفعل از مدے

مقیم مرشد آباد است“ مرزا منظر کا حال نسخہ ۷ میں آٹھ نو سطروں میں ہے اور نسخہ

۷ میں صرف ان کا نام لکھ دیا گیا ہے :- ”منظر دہلوی آتش مرزا جان جال“

نسخہ ۷ میں اسی طرح بہت سے شاعروں کے حال میں نسخہ ۷ کا صرف پہلا

جملہ نقل کر دیا گیا ہے۔ بعض شاعروں کا صرف نام لکھ دیا گیا ہے اور شعراے ذیل کا

ذکر بالکل نہیں کیا گیا ہے :-

میر فیض علی فیض، میر علی امجد گریاں، اگر قنار،

حایت علی مجنوں نسخہ ۷ کا آخری شاعر ہے۔ نسخہ ۷ میں مجنوں کے بعد اسی شاعر اور ہیں۔

قرینے ایسے موجود ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان شاعروں کے حالات اور اشعار

میں کمی ضرور کی گئی ہے۔ لیکن اس کمی کو پورا کرنے کا کوئی ذریعہ فی الحال موجود نہیں ہے۔

ابھی جن فریوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی کچھ تفصیل لکھی جاتی ہے۔ مولف تذکرہ

کے بار در نسبتی بدیع الزماں خاں مخلص ایک خوش حال آدمی تھے۔ میر حسن ان کے حال

میں لکھتے ہیں :-

”بدیع الزماں خاں مخلص بخلص جوانے ست حسین عمدہ روزگار۔

اصل او از شاہ جہان آباد است۔ مدتے در خدمت فراش خانہ سرکار

”میر محمد تقی تخلص بہ میر شاگرد سراج الدین علی خان آرزو مست۔ موش

اکبر کلامد و نشو و نما در دار الحکومت شاہ جهان آباد یافتہ۔ زکا، ذہن و علو
فطرت و درستی نظم و صفائے فکر از کلام دل نشینش سبب ہیں و ہویا۔
الحی دین زبان سرآمد۔ نکتہ گوئی می توں شمر دہ۔ از اقسام فنون سخن گسری
در غزل گوئی بے مثل، واحدے را بجال نسبت کہ دم اتہ ہم سری او تو اندزد۔
ہر فرد غزلش کہ دہن و خی در غنائی برجستہ تر از غزلان سخن است، محراب
دلہائے شکار بایں بچہ معانی راجہ گاہ خود ساختہ۔ مسموع شدہ کہ در شاہ
جهان آباد تا حالت تحریر این گلشن سخن کہ نہ یک ہزار و یک صد و نو دو
چار ہجرت سلامت استقامت دارد۔ تذکرہ مختصر مثل براحوال
و انتخاب اشعار نکتہ گوئی تا لیف نودہ۔ دیوان فصاحت بنیانش
چار پنج ہزار بیت و این ابیات زبدہ آنست :

اور نسخہ ۲ میں اس عبارت کا مرثیہ ہلا فقرہ ہی یعنی ”میر محمد تقی میر شاگرد سراج الدین
علی خان آرزو مست“ نسخہ ۱ میں میر کے دو سو چوتھے شعر ہیں اور نسخہ ۲ میں صرف
تیس شعر ہیں۔ قدرت کا حال نسخہ ۱ میں حسب ذیل ہے۔

”قدرت دہلوی کاش شاہ قدرت اللہ زبدہ نکتہ سخاں و خلاصہ
سخنوران معاصرین خویش است۔ تنظیم و نکتہ معنی بندی و فصاحت کند
نہ می دہد غرض سخن و صاحب اقتدار بلاغت شعار است از دہلی بہ
مرشد آباد رسیدہ توطن اختیار نمود۔ تاحال همان جا بہ امداد ناظم آن دیار
بسی رہا۔ اشارش از ہزار بیت تجاوز دیدہ شد۔ از سخن ہائے لطیف
و پاکیزہ دوست“

اور نسخہ ۲ میں صرف اتنا ہے : ”قدرت دہلوی کاش شاہ قدرت اللہ زبدہ نکتہ سخاں

یہ کو نکر ہو سکتا تھا کہ مبتلا غلص کے استاد اور ان کے گھر کے ایک پروردہ
کا حال اس تفصیل سے لکھیں اور غلص کا صرت نام بتانے پر اکتفا کریں۔ اُن سے اپنی
قرابت تک کا ذکر نہ کریں۔

معصی کا مرتبہ شاعری گلشن سخن کی تالیف کے وقت مسلم ہو چکا تھا میر حسن
اُن کا ذکر یوں کرتے ہیں :-

”بہارستان باغ سخن دانی و چہستان گلزار معانی شیخ ہمدانی المتخلص بہ معصی
مجمع روانش جدول کتاب فصاحت و فکر بیانش سطر بیاض بلاغت
زنجینی نقش سرخی باب گلستان و بچیدگی الفاظ چون سنبل بوستان
..... از دیوان او دوسہ جزو بہ نظر آمدہ - قصیدہ و غزل و ثنوی
بہ خوب، کلامش بیشتر شاعرانہ“

لیکن گلشن سخن کے نسخہ ۱۷ میں معصی کے لیے صرت یہ لفظ ملتے ہیں ”معصی از شرف
امروہ است در دہلی“ اور ان کے صرت چار شعر نقل کیے گئے ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود مولف تذکرہ مبتلا کے بارے میں صرت ایک
فقہ و مباحثہ مبتلا نے اپنے فارسی گو شعرا کے تذکرے میں اپنی ابتدائی زندگی کا حال
کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ تذکرہ کیس بائیس برس کی عمر میں لکھا گیا تھا اس میں
ابتدائی زندگی ہی کا حال لکھا جاسکتا تھا۔ گلشن سخن اس کے تینتیس برس بعد چھپا
پچیس برس کی عمر میں لکھا گیا اس میں مولف نے اپنے حالات تفصیل سے ضرور لکھے ہوں گے۔
لیکن اس کے نسخے ۱۷ میں شعرا کے ذیل میں مبتلا کا ذکر صرف ان چند لفظوں میں ملتا ہے،
”مبتلا غلص ابن راقم آئم کہ سبے بہ مردان علی خان است“ ان چند مثالوں سے
ظاہر ہوتا ہے کہ گلشن سخن کے نسخہ ۱۷ میں آخر کے اسی شاعروں کے حالات اور شمار

نواب عالیہ سرفراز بود۔ از چندے معزول شدہ بہ وطن خود رفت۔
از شاگردان شاہ واقف۔ جستہ جستہ خوب می گوید۔ با فیر نیز گستاخ است

خدا سلامت دارد

گلشن سخن کے نسخے نمبر میں دو جگہ ضمنی طور پر مخلص کا ذکر ملتا ہے۔ مطلقہ عبارتیں
نقل کی جاتی ہیں :-

”ذکر امش حسین دوست، توطن مراد آباد بمبعل چند سال در شاہ جا
آباد میر سرفراز خسرو کے راقم مرزا محمد رفیع مطلق و بدیع الزماں خا
بود۔ مرد ذریعت و شعر فہم خوب۔ در صرف و نحو فی الجملہ مہارت داشت
بندرت گاہے شعرے می گفت“

”واقف شاہ دہلوی نامش میان عاشوری۔ از مغربن با مادر خود از
مسلمانان خصوصاً بن مولف بدیع الزماں خان و ہم کتب ایشان بودہ
در ہان خانہ پیدوش یافت۔ حسن تربیت میر حسین دوست مراد آبادی
کہ علم خان مکہ بود بہرہ از علوم رسمہ برداشت و در فیض آباد و خستہ پیدا
کرد و ترک لباس نمود۔ لیکن شب و روز بدیع الزماں خاں می بود۔
تا آنکہ بہ خواندن دعوت قلب شجاع اللہ بہادر اوراد پرہ انداختہ
در آن حالت غزلیے گفت کہ مطلقش اینست :

دور یہ آیکہ میں شاہ و گداہر ہیں بے خطا پہر میں و اہل خطا پہر میں
آخراز قید ہائی یافت۔ اکنون در کھنہ اقامت دارد و طرز گفتگویش
بہ آئین شایستہ و پسندیدہ شعر است۔“

اور مخلص کے حال میں صرف یہ فقرہ ملتا ہے ”مخلص امش بدیع الزماں خاں“

اعتبار کر کے اس ترتیب سے لکھا گیا ہے جس ترتیب سے ڈکشنری میں الفاظ درج کیے جاتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ شامل کر دیا گیا ہے، جس میں تین فہرستیں ہیں یعنی آدمیوں کے نام، مقاموں کے نام اور کتابوں کے نام۔

مولف تذکرہ

تذکرہ گلشن سخن کے مولف مبتلا ایک ذی عزت اور عالی خاندان شخص تھے۔ شورش نے لکن کا نام پوچھا ہے، خان عزت نشان میر مردان علی خاں اور عشقی نے ان کو 'از عمدہ زادگان کریم النسب و صحیح الحسب' بتایا ہے۔ خود مبتلا نے فارسی گو شعرا کا جو تذکرہ لکھا ہے، اس میں اپنا حال اس طرح شروع کر دیا ہے: "مبتلا تخلص کا تب حروف است" اپنا نام نہیں لکھا ہے۔ لیکن اس تذکرے کا جو نسخہ پنجاب یونیورسٹی بلاہور کے کتب خانے میں موجود ہے اور جو اس کی تالیف کے صرف چلہ پانچ سال بعد نقل کیا گیا تھا، اس کے کاتب نے نسخے کے آخر میں مبتلا کا نام مردان علی خاں لکھا ہے۔ گلشن سخن میں خود مولف نے اپنا نام مردان علی خاں بتایا ہے۔ سخن شعرا (۱۲۸ھ) مجمع البحرین (غالباً ۱۲۹۲ھ) اور بزم سخن (۱۲۹۷ھ) میں بھی یہی نام ملتا ہے۔ تذکرہ شورش (۱۱۹۱ھ) میں اس نام کے شروع میں لفظ 'میر' اور "گلشن بے ظہر" (۱۲۵۰ھ) میں نام کے آخر میں لفظ 'بگ'، برحادثا دیا گیا ہے۔ سراپا سخن (۱۲۶۹ھ) میں 'میراد علی خاں' ہے، جو غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ تذکرہ عشقی (۱۱۹۷ھ یا بعد) میں مبتلا کو مخاطب بہ مردان علی خاں لکھا ہے۔ روز روشن میں 'میرزا کاظم مخاطب بہ مردان علی خاں' ہے، جس کی تائید نشر عشق (۱۲۲۳-۱۲۲۴ھ) سے ہوتی ہے۔ اس تذکرے میں لکھا ہے کہ مبتلا کا اصلی نام میرزا کاظم ہے۔ ذاب منصور خاں صفدر جنگ نے لکن کو 'مردان علی خاں' خطاب دیا تھا۔ نتائج الامکار (۱۲۵۰ھ)

میں بہت کمی کر دی گئی ہے۔

یہ کیفیت نسخہ ملکی ہے۔ اب اس کا حال ہے۔ نسخہ ملائے کاتب نے جو جزئیات ملائے ساتھ لکھی تھیں وہ اس کے کاتب نے اس کے ساتھ کی یعنی حالات اور اشعار جو پہلے ہی کم کیے جا چکے تھے ان میں اور کمی کر دی۔ یہ نسخہ فرحت کے حالات تک اس کے مطابق ہی۔ لیکن فرحت کے اشعار اور فراق کے حالات سے تخفیف و تعیل کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ بعض جگہ کئی کئی صفحے چھوٹ گئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں بہت سے شاعروں کا ذکر تذکرے سے خارج ہو گیا ہے۔

نسخہ ۳ میں جو چیزیں کم کر دی گئی تھیں وہ اس سے متاثر ہو کر بے لوری کر دی گئیں۔ پھر اس کا مقابلہ اس سے کر کے وہ تمام عبارتیں اور اشعار بڑھا دیے گئے جو نسخہ ۲ میں چھوڑ دیے گئے تھے۔ اس طرح یہ تذکرہ مکن حد تک مکمل کر لیا گیا، لیکن نسخہ ۴ کا جناح صفا ناب ہو گیا ہے اس کے لیے اس کے اندراجات پر قناعت کرنا پڑی ہے۔ جن میں یقیناً بہت کمی کر دی گئی ہے، مگر اس کمی کو پورا کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔

تذکرے کی امکانی تکمیل کے بعد تصحیح کی دشوار گزار منزل تھی۔ بدخط اور غلط نویس کاتب کی تحریر پڑھنے میں آنکھوں سے زیادہ دماغ سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس تذکرے کی تصحیح میں بڑی دیدہ ریزی اور دماغ سوزی کرنا پڑی، پھر بھی کچھ اخطاؤں کا شکار رہ گئے۔

مولف تذکرہ نے شاعروں کے تخلصوں میں صرف پہلے حرف کے اعتبار سے اہمائی ترتیب قائم کی ہے اور جم فارسی سے شروع ہونے والے تخلصوں کو جویم غزنی کے تحت میں رکھا ہے۔ متن کتاب میں یہی ترتیب رہنے دی گئی ہے، لیکن کتاب کے شروع میں شاعروں کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں تخلصوں کو ان کے تمام حرفوں کا

صفر جنگ بہادر نے محمد علی خاں کی مستعدی اور دولت خواہی اور حسن خدمت کو دیکھ کر اُن کو حضور شاہ فردوس آرام گاہ سے بیچ ہزاری منصب اور بہادری کا خطاب دلوا یا اور اپنی نیابت میں الہ آباد کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اُس مردم شناس وزیر (صفر جنگ) کے انتقال کے بعد محمد علی خاں نے بنگالے کا رخ کیا اور نواب جعفر علی خاں اور نواب عالی جاہ قاسم علی خاں والی بنگالہ کی سرکار میں بڑی عزت اور اعتبار کے ساتھ عمر بسر کی یہاں تک کہ ۱۱ جمادی الاول ۱۱۰۷ھ کو سفر آخرت اختیار کیا اور شاہ اربزان کی مدگاہ میں دفن ہوئے۔ تذکرہ روز روشن میں محمد علی خاں کے یہی حالات کسی قدر اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔

مبتلا کے دادا امیر محمد شہدی نواب برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری کے ہمراہ محمد محرز الدین جہاں دار شاہ کے عہد میں دہلی میں وادی ہوئے اور فرخ سیر بادشاہ کے زمانے میں ملازمت شاہی میں داخل ہوئے۔ خیمہ شاہ کے عہد میں ان کا انتقال ہوا۔

تذکرہ روز روشن میں یہ کہ مبتلا کے دادا کا نام میر کرم علی خاں شہدی تھا۔ وہ بہادر شاہ ظفر عالمگیر بادشاہ کے آخر عہد میں ہندوستان آئے اور شاہی فشیوں کے زمرے میں داخل اور خطاب خانی سے متاثر ہوئے۔

مبتلا گھنٹوں میں پیدا ہوئے۔ اُن کی پیدائش کا سال تذکرہ روز روشن میں ۱۱۴۴ ہجری بتایا گیا ہے۔ مبتلا نے فارسی گو شعر کا ذکر ۱۱۶۱ھ میں تالیف کیا اور اُس وقت انھیں کے قول کے مطابق "نہیں عمر از بست تہا ذکر دہ" یعنی ان کی عمر بیس سال سے اوپر تھی۔ اگر اس سے ان کی عمر اکیس برس مانی جائے تو ان کا سال ولادت ۱۱۴۳ھ قرار جاتا ہے۔ تذکرہ عشق سے معلوم ہوتا ہے کہ مبتلا کی نشوونما دہلی میں ہوئی۔ نشتر عشق میں یہ

۲۸
 سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ شاہ اودھ کے کتب خانوں کی فہرست (۱۷۵۰ء) میں ڈاکٹر اشپیرنگر نے مبتلا کا نام مرزا قاسم، خطاب میر مردان علی خاں اور وطن دہلی بتایا ہے۔ بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ مبتلا کا نام میرزا کاظم اور خطاب مردان علی خاں تھا۔

مبتلا کی ولایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انھوں نے خود اپنے فارسی گو شعرا کے تذکرے میں اپنے والد کا نام محمد علی بن محمد الشہدی بتایا ہے اور لکھا ہے کہ بادشاہ نے ان کے نام پر خان بہادر کا اضافہ کر دیا تھا، اس لیے وہ محمد علی خاں بہادر مشہور ہوئے۔ اور گلشن سخن میں اپنا نام مع ولایت کے یوں لکھا ہے، ”مردان علی خاں تخلص بہ مبتلا ابن محمد علی خاں بہادر مغفور“۔ نثر عشق، نتائج الافکار اور سراپا سخن میں ان کا نام محمد علی خاں، لکھا گیا ہے۔ فہرست اشپیرنگر، سخن شعرا اور بزم سخن میں نواب محمد علی خاں، ہے۔ مبتلا نے اپنے فارسی گو شعرا کے تذکرے کے دیا ہے میں لکھا ہے:-
 ”والدہ عالیٰ مقدار کہ منصب پنج ہزاری سرفرازی دارند.....“
 نتائج الافکار میں ہے:-

”از پیش گاہ احمد شاہ بہ منصب پنج ہزاری و خطاب بہادی امتیازند وقت“
 تذکرہ عشقی میں ہے کہ نواب محمد علی خاں نے نواب برہان الملک اور نواب صفدر جنگ بہادر کی سرکار میں خدمات شایستہ سے اختصاص کی عزت پائی تھی۔ نثر عشق میں ان کا کسی قدر تفصیلی حال یہ لکھا ہے کہ محمد علی خاں نواب برہان الملک کی سرکار میں منشی تھے۔ ان کی وفات کے بعد جب ان کے داماد منصور خاں صفدر جنگ کو بادشاہ سلطانی سے منصب وزارت اور صوبہ اودھ مرحمت ہوا تو ان کی سرکار سے محمد علی خاں نے اقتدار اور کثیر دولت حاصل کی۔ فوجوں کے سپہ سالاروں میں انھوں نے بڑا نام پیدا کیا اور اکثر خدمات اور نمایاں فتوحات ان کے زور بازو سے صورت پذیر ہوئیں۔ نواب

مرشد آباد، غازی پور اور بنارس میں گزرا۔ نشر عشق میں ہے: "تولد مروان علی خاں -
 ... دیکھو اتھاق افتاد" خارج الافکار میں ہے: "ولادتش در گھنور و نود"
 روز روشن میں ہے: "در شہر گھنور تولد شد" تذکرہ عشقی میں ہے: "بدوار الخلفہ -
 شاہ جہان آباد نشو و نما ہم رسانید" سر پاشن میں ہے: "مبتلا خلیف محمد علی خاں، امرا
 زمانہ سابق سرکار غازی پور" اس سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ محمد علی خاں زمانہ سابق میں
 سرکار غازی پور کے امیر تھے۔ شاید اسی بیان کی بنا پر سُخن شعرا میں مبتلا کو، رئیس قدیم
 غازی پور اور بزم سُخن میں، مطوئن غازی پور لکھا گیا ہے۔ لیکن مبتلا کو غازی پور کا قدیم
 رئیس کہنا اور غازی پور کو ان کا وطن قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ سُخن شعرا میں
 مبتلا کو مقیم بنارس، اور بزم سُخن میں: باشندہ بنارس لکھا گیا ہے۔ مبتلا کا قیام کچھ مدت
 بمب بنارس میں رہا تھا، لیکن اس کی بنا پر انھیں بنارس کا باشندہ نہیں کہا جاسکتا۔
تذکرہ عشقی (۱۱۹۷ھ یا بعد) میں ہے کہ وہ ان دنوں انقلاب زمانہ کی وجہ سے بنارس
 میں پریشاں حالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے:

"الحال بسبب انقلاب روزگار غدار۔۔۔ مبتلا عبرت و فطرت

گردیدہ در شہر بنارس بہ تلخ کامی می گزارند"

مبتلا کے تذکرے گلشن سُخن میں بعض شاعروں کے حالات میں ایسے فقرے آگئے ہیں،
 جن سے ان کے وہلی، عظیم آباد اور مرشد آباد میں قیام کا پتا چلتا ہے۔ ذیل میں ایسے
 چند جملے نقل کیے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مبتلا کا قیام وہلی میں رہ چکا ہے،
 مگر اب نہیں ہے:

آٹمی - فقیر ہم دے رادر شاہ جہان آباد دیدہ بود۔

تاباں - میر مسطورا فقیر ہم در عہد محمد شاہ مغفور دیدہ بود۔

رتوا - راقم دے رابار ہا ہاں صورت دردہلی دید۔

کہ علم رسمی مولوی وجیہ الدین نظام آبادی سے حاصل کیا اور علم فقہ اور علم نحو میں امتیاز بہم پہنچایا۔ انھیں مولوی صاحب سے اپنے نظم و نثر کلام پر اصلاح لی۔ نسخ اور نستعلیق خط اچھا لکھتے تھے اور اُستادوں کے دیوانوں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ نتائج الانکار میں بھی قریب قریب یہی سب باتیں لکھی گئی ہیں۔ صرف اتنا اور لکھا گیا ہے کہ اکثر شعرا سے شغل عبدالرضا شمسین وغیرہ کے، مبتلا کی صحبت رہی اور انھوں نے بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں انتقال کیا۔ روز روشن میں ہو کہ مبتلا نے خط نستعلیق کی مشق میرزا محمد حسن دہلوی سے کی اور خوش نویسی میں دستگاہ بہم پہنچائی۔

مبتلا نے فارسی گو شعرا کے تذکرے میں اپنے بارے میں صرف اتنا لکھا ہو کہ میں نے اپنی عمر فضلا اور اہل کمال کی خدمت میں گزار دی اور ان کے فیض سے اپنی استعداد کے موافق بہرہ ور ہوا والدین کی ہزاری منصب پر فائز تھے۔ مجھ کو دنیا داری کے اشغال میں مشغول نہیں ہونا پڑا۔ میں کبھی خطوں کی مشق کرتا اور میر عماد الحسنی کا قبیح کرتا تھا۔ نسخ اور نستعلیق دونوں خط اچھے لکھنے لگا۔ کبھی بزرگان سابق کے دیوان دیکھتا اور شعرا سے ہم عصر کی صحبت میں رہتا تھا۔ انھیں کے ارواح طیبہ اور انھیں عالیہ کی بدولت میری طبیعت شعر کہنے کی طرف مائل ہوئی اور میں نے اپنے بڑے بھلے اشعار مرتب کر ڈالے۔ گلشن سخن کے دیباچے میں لکھا ہے:-

”مولف از آغاز شباب..... اوقات گرامی خود را..... بگفتن و خواندن

کلام فارسی کہ زبان آباد اجداد است صرف نمود“
یعنی مولف نے آغاز شباب سے اپنا قیمتی وقت فارسی اشعار لکھنے اور پڑھنے میں صرف کر دیا، کیونکہ فارسی آباد اجداد کی زبان ہو۔

قرینوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مبتلا کی عمر کا کچھ حصہ لکھنؤ، دہلی، عظیم آباد،

لے نتائج الانکار میں نظام آبادی جون پوری ہے۔

۳۲
منظر۔ قبل ازین مسوع شد کہ یکے از ساکنانِ دہلی دے را کشت۔
میر۔ مسوع شد کہ در شاہ جهان آباد تا تحریر این گلشن سخن۔
... بہ سلامت استقامت دارد۔

ندیم۔ راقم درد، ملی ایشان را اکثر دیدہ بود۔
غلام نبی بگرامی۔ ہر روز درد ملی اتفاق ملاقات می شد۔
یقین۔ راقم دے را درد ملی بار بار دید۔
ذیل کی عبارتوں میں آمد اور آمدہ کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو کچھ وقت
مبتلا عظیم آباد یا مرشد آباد میں موجود تھے؛

سیمان بیوطن دہلی۔ عظیم آباد آمدہ شاگردی اشرف علی خان
نفاں اختیار کرد۔

میر شاہ علی خاں دہلوی۔ بہ زمانہ دہلی نواب عالی شاہ میر
محمد قاسم خاں عظیم آباد آمدہ۔

دردمند۔ حسب الطلب نواب شہامت جنگ از دہلی بہ
مرشد آباد آمد۔

ندیم۔ بہ عہد نواب میر محمد جعفر خاں از دہلی بہ مرشد آباد آمد۔
ذیل کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو کچھ وقت مبتلا مرشد آباد سے کہیں اور
جا چکے تھے؛

صانع بگرامی۔ درد مرشد آباد۔ ... اکثر بہ اتفاق ہم غزلما طرح می شد۔
بہر حال نشر عشق کے مولف کا یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ ”از کھنؤ بہ عظیم آباد رفتہ
اوقات می گزارانید“

مبتلا نے بعض لوگوں سے اپنی دوستی اور شناسائی کا ذکر کیا ہے۔ خلو

کی بڑے عھدیت مندانہ انداز میں جو تعریف و تحسین کی ہر وہ ان کی بے نقصی کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

”مركز دائرۃ اہل کمال، سخن سنج، نکتہ رس، شیریں مقال، قطع نظر از ہمارے فنون سخن کہ دول مرتبہ آمل والا مقام است، در خدا پرستی و محمل معائب و تسلیم ذواب نظیر نہ دارد۔ سید عالی منزلت، تقیم گوشہ عوالت، رہ دیشہرستان، تفرید و ساز کو چہ بخرد۔۔۔ در شاہ جهان آباد۔۔۔ گوشہ ازوہ اختیار نوہ بہرہ یاب فیہ ملت نامتناہی الہی است۔“

دوسرے صوفی شاعر دل کو بھی اچھے لفظوں سے یاد کیا ہے۔ مثلاً
شاہ اجل الہ آبادی۔ نجابت و شیخت سلسلہ ایشان شہرت تمام دارد۔
شاہ قطب الدین مصیبت۔ برادر شاہ اجل۔ مرد ستودہ اطوار است۔
آخر برادر درد۔ اوقات کہ کسب ریاضت بسری برد و پیش تردد
یاد الہی مشغول می باشد صاحب علم و عمل۔

آلم فرزند درد۔ در ویش مشرب دانہ مفتمان زانہ است۔
مبتلا کے ان بیانوں میں مذہبی تعصب کا کوئی نشانہ نظر نہیں آتا۔
معلوم نہیں کہ مبتلا کبھی کسی شاہی منصب پر فائز ہوئے تھے یا نہیں۔ تذکرہ
عشقی میں ان کے بارے میں لکھا گیا ہے:

”در سکار و اب برہان الملک و ذواب مہدر جنگ بہادر بہ خدمت شائستہ
عزرا ختام یافتہ“

اور یہی بات سخن شعرا کے مؤلف نے اپنی زبان میں یوں کہی ہے:
”ذواب برہان الملک اور مہدر جنگ کی سلا میں بڑا اقتدار رکھتے تھے۔“
یہ دونوں بیان کسی غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتے ہیں ان میں جو بات مبتلا کے والد

میر حسن نے غلصہ کو شاہ واقف کا شاگرد لکھا ہے۔ مبتلا کہتے ہیں کہ واقف شاہ دہلوی کا نام میاں عاشوری تھا۔ وہ بچپن سے اپنی ماں کے ساتھ میرے سلسلے بدیع الزماں خاں سے منسلک اور اُن کے ہم کتب رہے۔ انھیں کے گھر میں پرورش پائی اور ان کے معلم میر حسین دوسٹ سے علوم رسمہ حاصل کیے۔ فیض آباد کے قیام میں ماں کے مزاج میں ایسی وحشت پیدا ہوئی کہ لباس ترک کر دیا، لیکن دن رات بدیع الزماں خاں کے پاس رہتے تھے۔ مبتلا نے واقف کی اُستادی اور غلصہ کی شاگردی کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا ہے۔ مبتلا نے اپنے مذہب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن مرزا مظہر کے حل میں چند جملے ایسے لکھ دیے ہیں جن سے اُن کے متعصب شیعہ ہونے کا گمان ہو سکتا ہے۔ انھوں نے پہلے یہ لکھا ہے کہ مرزا مظہر اپنے عصر کے نادرہ گویوں میں تھے۔ علم فقہ میں اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ غازی میں محمد و طرز کے شعر کہتے تھے۔ اُردو کے اکثر شاعر اُن کے شاگرد ہیں۔ مبتلا کے الفاظ یہ ہیں:

”از نادرہ گویان عصر خود بودہ۔۔۔ در علم فقہ دست کا خوب داشت

و شعر فارسی بہ روش طرز نیکو می گفت۔ اکثرے از مکتب گویان شاگرد او بند

اس کے بعد لکھتے ہیں:

”تعصب مذہب سنت جماعت بدین حد جائے گاہ در روش نمودہ بود کہ

مہوم راضع از تعزیہ سید الشہداء علیہ السلام کی کرد۔ مدال عمر یافت و در ہمین

ضلالت بسر بر فیل ازین مسوع شد کہ یکے از ساکنان دہلی سے راکشت

بہ سزاسکر داشت رسانید

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبتلا کو مرزا مظہر سے سخت ناراضی اس بنا پر تھی کہ وہ لوگوں کو امام حسین کی عزاداری سے منع کرتے تھے۔ اس میں مظہر کے سنی یا صوفی ہونے کو مطلق دخل نہیں تھا۔ مبتلا نے ایک دوسرے اہل سنت صوفی بزرگ خواجہ میر درد

دکارز صبا ین کہ بہ بنیم رف دوست
مردیم داند در دل ناآرزوئے دوست
نہ بری نام سخن مستہ مبادت باد
غنچہ در چین چمن میل سنگفتن داد
یادم آید زاسیری خود و نالہ کنم
چون صغیرے شندم کر قفسے می آید
دست لے مبارز جو گلستان نگاہ دار
جان ہزار بلبل نالان نگاہ دار
کرد طرز ستم تازہ بیا صبا دم
رشتہ بچیدہ بہ پائے سن و کرد آزام
ز بس آوازہ حسنت گرفتہ تھا عالم را
بہ ہر دشتے ست مجونے بہر شہرے یغلے

(۲) شعر لائے فارسی کا تذکرہ - جس زمانے میں مبتلا اپنا فارسی دیوان مرتب کر رہے تھے اسی زمانے میں وہ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ بھی لکھ رہے تھے گلشن سخن کے دیباچے میں دیوان کی ترتیب کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ہم در آن ایام تذکرہ مسمی بہ گلدستہ معانی کہ مشتمل بر انتخاب اشعار فارسی سخن پردازان قدیم و جدید و اختصار بیان احوال آہناست ترتیب داد"

یعنی انھیں دونوں میں ایک تذکرہ گلدستہ معانی کے نام سے ترتیب دیا، جو فارسی کے قدیم و جدید سخن وروں کے منتخب اشعار اور ان کے مختصر احوال پر مشتمل ہے۔

مبتلا کے فارسی تذکرے کا ایک خوش خط قلمی نسخہ حافظ محمود خاں شیرانی کے پاس تھا۔ اس کے بارے میں مرحوم نے اپنے خط مورخہ اپریل ۱۳۲۷ء میں لکھا تھا:

"مردان علی خاں مبتلا کے تذکرے کا نام منتخب الاشعار ہے۔ نظم معانی تاریخی نام ہے تاریخ ۱۱۱۵ھ ہے یہ اسلکہ تذکرہ نہایت خوش خط ۱۱۶۶ھ کا نوشتہ ہے۔ لیکن مدہ میرے پاس ہے نہ میری ملک رہا ہے۔ اب وہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی ملک ہے۔"

یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ لیکن سنا: ناقص الاول ہے۔ نہ اس کا سرورق محفوظ ہے نہ اس میں کوئی دیباچہ ہے۔ تذکرہ ٹولف کے

محمد علی خاں کے بارے میں کہنا چاہیے تھی، وہ مبتلا کے لیے کہہ دی گئی ہے۔ بہر حال ملک کی وفات ذی الحجہ ۱۱۳۵ھ میں ہوئی۔ اُس وقت مبتلا کی عمر گیارہ بارہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ اس عمر میں مبتلا کا خدماتِ شائستہ سے انحصار کی عزت پانا یا بڑا اقتدار حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔

مبتلا کی تصنیفیں

(۱) فارسی دیوان۔ مبتلا گلشن سخن کے دیباچے میں لکھتے ہیں :-

”ہنگامے کہ سنین عمر از بست تجا و ز کردہ نوابا وہ اسے معنی از گلزارِ فکر
چیدہ دیوانے نظمِ ساخت“

یعنی جب ان کی عمر میں برس سے اوپر ہو گئی تو انھوں نے اپنے اشعار جمع کر کے ایک دیوان مرتب کر دیا۔

نشر عشق ۱۰۷۲ روز روشن میں ہے کہ مبتلا کے فارسی دیوان میں تقریباً چار ہزار شعر ہیں معلوم نہیں کہ یہ دیوان اب کہیں موجود ہے یا نہیں ذیل میں چند شعر نشر عشق، نتائج الافکار اور روز روشن سے نقل کیے جاتے ہیں :-

آگاہ تا غنی ز غم انتظار ما	ز گس دم بجائے گیاہ از مزار ما
آب تیغ باست از کھنم خوار می	دہن از شنگی باز است زخم کاری ما
شب صل است کام خندہ بر عا مشب	بجز مرگ قیبلہ دل چہ خواہم از خدا
با آنکہ شد غبار من از آسمان بند	آگاہ نیستم کدم خاک را و کیست
از فریاد کد ایں حل شد یا بخواست	کر قیامت پہ تقییم و ما ز جا بخواست
گو ہر قدم چہ غنچہ گر بیان شوند چاک	می نال مبتلا کند بلبل فغاں خوش است
بجز دستی مرا ز دم نہ شد ظاہر	اگرچہ رنگ جنایت ہزار بار شکست

۱۔ مبتلا کی ولادت ۱۱۳۵ھ میں ہوئی تھی۔

کہ یہ البتہ صرف چار پانچ سال بعد مولعت کی زندگی میں نقل کیا گیا۔ دوسری وجہ وہ ہے جس پر ابھی تک کسی کی نظر نہیں پڑی بشر عشق میں ہے کہ مبتلا نے علم رسمی مولوی وجیہ الدین نظام آبادی سے حاصل کیا اور انھیں سے نظم و شعر پر اصلاح لی۔ نتائج الافکار میں بھی یہی ہے۔ مگر مولوی وجیہ الدین نظام آبادی کے ساتھ لفظ 'جون پوری' بھی لکھا گیا ہے۔ تذکرہ مبتلا کے اس نسخے کی کتابت مولانا محمد وجیہ الدین کے اشارے سے ہوئی، جن کو کاتب نے مجمع فضائل و کمالات لکھا ہے۔ ظن غالب ہے کہ یہ وہی مولوی وجیہ الدین ہیں جو مبتلا کے استاد تھے۔ اس خصوصیت نے تذکرہ مبتلا کے اس نسخے کی اہمیت بہت بڑھادی ہے۔

(۳) اردو دیوان - تذکرہ شورش (۱۱۹۱ھ) اور تذکرہ عشقی (غالباً ۱۲۱۵ھ) میں مبتلا کا ذکر ہے، مگر ان کے دیوان کا ذکر نہیں ہے۔ گلشن بے خار (۵۰-۱۲۴۸ھ) میں ہے: "گویند کہ مبتلا بیارسی صاحب دیوان است"۔ یعنی، کہتے ہیں کہ مبتلا فارسی میں صاحب دیوان ہیں۔ لیکن اردو دیوان کا ذکر نہیں ہے۔ سرباستن (۶۹-۱۲۵۹ھ) میں مبتلا کے "ایک دیوان" کا ذکر ہے اور سخن شعرا میں ان کو صاحب دیوان کہا گیا ہے۔ لیکن ان دونوں تذکروں میں یہ نہیں بتایا گیا کہ مبتلا کا دیوان اردو میں ہے یا فارسی میں۔ صرف بزم سخن (۱۲۹ھ) میں ہے: "دہر دوزبان دیوان و تذکرہ وارڈ" یعنی، وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں صاحب دیوان ہیں۔ اس تذکرے سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مولعت تذکرہ نے مبتلا کا اردو دیوان دیکھا تھا۔ تذکروں میں ان کے اردو شعر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ شورش نے صرف یہ ایک شعر نقل کیا ہے:

اجرا دیوانگی کامل سے پوچھا جانیے
تڑپے کامد ماہسل سے پوچھا جانیے
عشقی نے حسب ذیل دو شعر لکھے ہیں:-

بطرح جوش میں ہے دیدہ گریاں میرا
نوح کو آکھ دکھاتا ہے یلوفاں میرا

کہے ہوئے قطعہ تاریخ پر ختم ہوتا ہے، جو حسب ذیل ہے:-

معانیت زین منتخب منتظم شو ظاہر تگر خوانی و دانی
نمودم بسی جمع اشعار رنگیں بر گینش می رسی گر خوانی
شے بادل خویش تاریخ اورا بگفتم بگو با من اری توانی
مکن ہرزہ گردی کہ من فکر کردم بے سال تالیف نظم معانی
نظم معانی سے تذکرے کا سال تالیف ۱۱۷۷ھ نکلتا ہے۔ تذکرے کے خاتمے پر اس
نسخے کے کاتب نے حسب ذیل عبارت لکھی ہے:-

”حسب الاشارة مجمع فضائل وکالات خدیوی مولانا محمد وحیدہ الدین
این تذکرہ اشعار اسمی منتخب الاشعار کہ از مولقات خان ذی شان
نفع الجود والاحسان مردان علی خان سلمہ اللہ الرحمن است بہت تحریر یافت۔
وکان ذالک فی سنۃ ۱۱۷۷ھ“

حافظ محمود خاں شیرانی نے مبتلا کے تذکرہ اشعار کے بابے میں جو اطلاع دی تھی
وہ کاتب کی اس تحریر اور مؤلف کے قطعہ تاریخ سے اخذ ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات
قابل لحاظ ہے کہ مؤلف کے قطعہ تاریخ میں نظم معانی صرف مادہ تاریخ ہے، جس سے
تذکرے کا سال اتمام نکلتا ہے، لیکن شیرانی نے اور ان سے پہلے کئی تذکرہ نویسوں نے نظم معانی
کو تذکرے کا تاریخی نام سمجھ لیا ہے۔ نثار علیج الافکار، روز روشن اور غمغین
میں اس تذکرے کا ذکر اسی نام سے کیا گیا ہے۔ سراپا سخن، سخن شعرا اور بزم سخن میں بھی
اس تذکرے کا ذکر ہے، مگر اس کا نام نہیں لکھا گیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے نسخے میں کاتب
نے تذکرے کا نام منتخب الاشعار لکھا ہے، لیکن اس کے علاوہ کہیں ماوراس کا یہ نام نہیں لکھا۔
خود مبتلا نے گلشن سخن کے دیباچے میں اس کا نام مجدد معانی بتایا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی کا یہ نسخہ بہت اہم ہے۔ اس کی اہمیت کی ایک وجہ تو ظاہر ہے

بیگانہ سب سے ہر وہ نہیں آشنا کسی کا
 ہو گیا ہوں خاک لیکن تیرے کوچے سے ہوں
 تیری بے مہری کا شکوہ ہر غمت لے ماہ رو
 جیسی جگر میں جگمگہ اور لبوں سے نکلی آہ
 کیا مردم سے خالی خانہ چشم آئیے صاحب
 لیا مجھ سے ہر زور و چاہتے ہو غمت میں کھونا
 ہوا ہوں جلتے بخت غزہ خاتم کے ہاتھوں سے
 کھو لوں اس زلف گرہ گیر کے عقد سے دل سے
 مبتلا واسطے دیدار کے در یوزہ کسناں
 مت دو ماہ کے زلف یار کی تصویر کھینچ
 نہ کر چین کے اوپر اس قدر صبا بیداد
 کہ علم تیغ کو آیا ہر وہ قاتل باہر
 نہ خوشی سے غرض اور نہ غم ایام سے کام
 ہم صیف و موسم صیاد نے باندھے پروال
 محروم ہوئے مال سے فرقت میں دُعا ہوں
 کریں ہیں مشورہ ہی قتل کامے شب روز
 کبھی پھر آئے نظر خواب میں خیال اس کا
 ہم اپنے مردان چشم سے اب ہاتھ دھو بیٹھے
 مے دل کے اوپر نکلی سی ہوم ہر کوک جاتی
 گر چہ پروانے کا جل جانا ہر روشن آہ پر
 سر کو تیغ اس کی سے جیوں فریاد نہیں کچھ

جو اس کے دوست ہیں دشمن جو ان کے جی کا
 چاہیے ہو ملے! دمب کا آشنا
 تو وہ کا فر ہو، نہیں ہرگز خدا کا آشنا
 کہاں سے گروا انھی اور کہاں غزنگ لگا
 جن میں جو رواں ہو دل ذرا بہا ئیے صاحب
 میں نے مناسن دوگا، دل مجھے دے چاہیے صاحب
 خدا کے واسطے اس کو تو تک سمجھائیے صاحب
 ہوں گریں بھی سبک روح صبا کی صورت
 کو چہ بار میں پھرتا ہے گدا کی صورت
 پہلے نانی اپنے دل کے پاؤں میں زنجیر کھینچ
 بنزار میل نالاں کا جی نہ دے برباد
 جان لے ہاتھ میں تو بھی نکل لے دل باہر
 جس میں ہو تیری رضا مجھ کو کسی کام سے کام
 تم کرو میری گل ولالہ مجھے دام سے کام
 میں پر جلا پتنگ بہ پاس چراغ ہوں
 یہی ہے ہر سوال و جواب آنکھوں میں
 ہمیشہ رہتا ہے مرم کے خواب آنکھوں میں
 کلاس دیا ہے پاپاں میں ہر دم نہاتے ہیں
 قیامت تیرے کاؤں میں ہوئی جگمگاتے ہیں
 شمع کی دل سوزیاں مغل میں پوچھا چاہیے
 جی میں ہر تلخی جاں کندہ کو شیریں کیجیے

مجھے زخیم لگا دیکھیے تو ^{۴۰} میں مڑا ہوں کیوں کر بھلا دیکھیے تو
گلشن بے خار، طبقات الشعرا اور بزم سخن میں ذیل کا صرف ایک شعر نقل کیا گیا ہے:-
شیشہ دل چمک دیا تو نے سنگِ دل آہ کیا کیا تو نے

سراپا سخن میں بھی ذیل کا صرف ایک شعر ملتا ہے
کھینچی ہے جب کاس پہ کی تاب نکھوں میں نہیں ٹھہرا ہے کچھ آفتاب نکھوں میں
سخن شعرا میں مبتلا کے چار شعر ہیں، جن میں سے ایک تذکرہ عشقی سے، ایک گلشن بخار
وغیرہ سے اور ایک سراپا سخن سے، تین شعرا و نقل کیے جا چکے ہیں۔ ذیل کا صرف ایک
شعر اور ہے:

دل کی تورتے، انگوٹے اب لگ گئی ہے جی کیوں کے بچے چاروں طرف آگ لگی ہے
مبتلا کی اور غزلوں کے چھ شعر مختلف تذکروں کی ورق گردانی سے دستیاب ہوئے ہیں وہ سب
مطلے ہیں گلشن سخن میں مبتلا کے تیس شعر ملتے ہیں ان میں پانچ مطلے ایسے بھی شامل ہیں
جو دوسرے تذکروں سے اور نقل کیے جا چکے ہیں صرف یہ ایک مطلع تذکرہ عشقی میں ایسا
ہے جو گلشن سخن میں موجود نہیں ہے:

مجھے زخیم لگا دیکھیے تو میں مڑا ہوں کیوں کر بھلا دیکھیے تو
اس طرح مبتلا کے صرف تینیس اردو شعر سر دست ہمارے علم میں ہیں جو ذیل میں درج
کیے جاتے ہیں:

دیکھ کر تیری نگلی میں تجھ کو حیراں ہو گیا	صورت دیوار کے مانند بے جاں ہو گیا
اب تو آنکھوں کے لگے بنے شرک و خجی چکاں	ہاے یہ ناسور زخمِ دل نما یاں ہو گیا
اپنے سب انگوٹے ہیں نے اتلے پہاڑ	آج کی رات تو دیکھ چسراغاں میرا
حاکم عشق سے رکھتا ہوں جنوں کی میں بند	فیسے جا کے کہو چھوٹے بیاباں میرا
دامنِ رشت کو وحشت نے مری گھر لیا	مبتلا ہاتھ جنوں کے ہے گر بیاں میرا

ضمیمہ مقدمہ

حالات مبتلا کے اہم ماخذوں میں دو غیر مطبوعہ اور کم یا ب تذکرے ہیں، ایک خود مبتلا کا تالیف کیا ہوا فارسی گو شعرا کا تذکرہ، جس کا نام منتخب الاشعار یا گلہ سٹہ معانی اور تارنخی نام نظم معانی ہے اور دوسرا حسین قلی خاں عاشقی عظیم آبادی کا تذکرہ نشتر عشق ہے۔ پہلے تذکرے کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے کتب خانے میں ہے اور دوسرے کا ایک نسخہ ضالا بیریری، رام پور میں ہے۔ مبتلا کے حالات پہلے تذکرے سے میرے عزیز شاگرد پروفیسر سید وقار عظیم صاحب نے اور دوسرے سے عزیز میری اکبر علی خاں صاحب نے نقل کر کے مجھے بھیجے۔ میں ان دونوں صاحبوں کا شکر گزار ہوں۔ یہ دونوں تذکرے نہایت کم یا ب ہیں اور ان تک رسائی آسان نہیں ہے۔ اس لیے ان کی متعلقہ عبارتیں من و عن نقل کی جاتی ہیں۔

احوال مبتلا از تذکرہ شعراے فارسی مولفہ مبتلا

مبتلا تخلص کا تب حروف است، کہ عمر گر انما یہ خود را در خدمت فضلاد
ارباب کمال بسر بردہ و غاشیہ لازم شازا بردوش ہوش کشیدہ، از بہر تو آفتاب
عالم تاب شان ذرہ آسا بمقدار استعدا خود بہرہ ور شدہ۔ اگرچہ این بیچمدان نظر
بر گردش روزگار و موافقت والد علی مقدار، کہ بہ منصب پنج ہزاری سرفرازی داند
شغول بہ اشغال دنیا داری نبودہ و ہمت و فرصت تحصیل کمالات نداشت۔
نہایت نظر بر اقصائے جبلّی و خدمت بزرگان بموجب مالایہ دل کلا لا یتروک

مبتلا دہ لینے کی فرصت مجھے ہرگز نہ دی ^{۴۲} ایسے قاتل کو کمو کیونکر تحسین کیجئے
 ان شعروں کی زمیوں پر نظر کرنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ انیس غزلیں
 سے لیے گئے ہیں اور دوسری یہ کہ مبتلانے اپنا اردو کلام مدیف و امرتب کر لیا تھا۔ اس ترتیب
 پر کچھ کرجیاں ہوتا ہے کہ گلشن سخن کی تالیف کے وقت ان کا اردو دیوان مرتب ہو چکا تھا
 یہ شعرا سی دیوان سے لیے گئے ہیں۔

(۴) شعراے اردو کا تذکرہ۔ مبتلا کی آخری تصنیف ان کا تذکرہ گلشن سخن ہے،
 اس کے متعلق ضروری تفصیلات اس مقدمے کی ابتدا میں درج کی جا چکی ہیں اور جو راقم
 وقت کی ترتیب سے پہلی مرتبہ چھپ کر منظر عام پر آ رہا ہے۔

آخر میں ایک ممکن غلط فہمی کا سد باب کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے کہ مبتلا تخلص کا
 دوسرا تذکرہ نگار بھی گزرا ہے، جس کا نام غلام محی الدین وطن میرٹھ اور دوسرا تخلص
 نق تھا۔ اس کے تذکرے کا تاریخی نام طبقات سخن ہے جس سے اس کا سال تالیف
 ۱۲۲ھ نکلتا ہے۔ اس تذکرے کی زبان بھی فارسی ہے اور اس کے دو حصے ہیں، جن کو
 لف طبقوں کا نام دیا ہے طبقہ اول میں اردو شاعروں کا حال اور منتخب کلام ہے۔ طبقہ
 م اشعار فارسی خود بہن خاتمہ بعضے احوال پر مشتمل ہے۔ اس تذکرے میں محمد شاہ کے عہد
 اکبر شاہ ثانی کے جلوس کے پہلے سال تک کے شاعروں کا ذکر ہے۔

طبقات سخن ابھی شائع نہیں ہوا ہے، لیکن اس کا ایک قلمی نسخہ جو کاندھلوی
 من عام کالج، شاد جہاں پور میں محفوظ ہے، اس کا خلاصہ عزیز بی ڈاکٹر محمد حسن نے
 سن ۱۹۶۱ء کے ہفت روزہ اخبار ہاری زبان میں ۱۵ جنوری ۱۹۶۱ء سے مارچ
 ۱۹۶۱ء تک بارہ قسطوں میں شائع کر دیا ہے۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب
 لکھنؤ نومبر ۱۹۶۳ء

سلطانی داخل گردید و در عهد محمد شاہ فردوس آرام گاہ انتقال نمود۔ پسر او محمد علی خان بسرکار نواب برہان الملک بعلقہ فشی گری مقرر بود۔ ہر گاہ نواب منصور خان صفدر جنگ خویش نواب برہان الملک را صوبہ اودھ از حضور سلطانی مرحمت گردید محمد علی خان از حضور آن وزیر قدردان باقتدار و ثروت کثیر رسیدہ در سپہ سالاران افواج نام و نشان بلند پیدا کرد و اکثر خدمات و فتح نمایان بذریعہ او صورت گرفت۔

نواب صفدر جنگ بہادر بمشایدہ مستعدی و دولت خواہی و حسن خدمت او از حضور فردوس آرام گاہ منصب پنج ہزاری و خطاب بہادری دہانیدہ در ہم چنان پائیا عزادار افزود۔ وہ نہایت خود بہ صوبہ داری الہ آباد مقرر نمود۔ و بعد انتقال آن وزیر مردم شناس بہ سمت بنگالہ رفتہ بسرکار نواب جعفر علی خان و نواب عالی جاہ قاسم علی خان والی بنگالہ بحرمت و اعتبار تمام می گذرانید۔ با آنکہ ہنزدہم جادوی دل سنہ یک ہزار و یک صد و ہفتاد و شش طبل کوچ سفر آخرت زدہ بروضہ رضوان شافت۔ و در عظیم آباد در درگاہ شاہ ارژان کہ از فقرای نامی و سیاحت پیشہ بود و در سنہ یک ہزار و سبست و ہشت سیاحت عقبی رو آورد، مدفون گردید۔

آن درگاہ بسیار مکان دلچسپ و دلکش است۔ در ہر پنجشنبہ مردم شہر و قرب و جوار جمع میشوند و در ہر سال یک عرس شاہ ارژانی مرحوم و دوسہ عرس از مریدان او می شود و بیشتر رئیسان و طوایف آن شہر و فقرا یان دور دست ہزار ہا مردم جمع گردیدہ ہارس شہادہ روز در آنجائی باشند۔

آدم برسر مطلب کہ تولد مردان علی خان کہ نام اصلی او میرزا کاظم است

۷۴
 کلا، خود را بر این میدانست و تهمت را بر زمین می گماشت، که بالمره عاری نگردیده
 از شهرت آن کمالات بے خبر نباشد۔ گاہے مشغول به نوشتن خطوط می بوده۔ از آنجمله
 تتبع جناب میر عماد الحسینی غفر الله ذنوبه را نموده فی الجمله در نوشتن خط نسخ و نستعلیق
 مربوط گشته، و گاہے متوجه دیدن دوا وین بزرگان سابق و متوجه صحبت شعرا
 هم عصر خود گردیده، از جهت ارواح طیبہ آنان و انفاس عالیہ ایشان طبع مائل
 انشای شعر شد و خرف ریزه چند در رشته انتظام درآورد۔

اسم والدین بے مقدار محمد علی بن محمد الشہدی و از طرف پادشاه خان و
 بہادر بر اسم ایشان افزوده مشہور بہ محمد علی خان بہادر گردیده۔ این چند شعر از
 فقیر است:

غنچہ در حن چسپن میل شکفتن دارد	نہ بری نام من خستہ مبادت باد
ز صورت درو دیار خون روان گردد	ز خانہ بہر سفر یار چون روان گردد
ہر گجائی نگرم حبسہ ادا می بینم	نیست در دیدہ عشاق بجز صورت یار
کہ سوزاند پس از مردن چراغ ہزار سن	اگر داغ غم عشق تو بنود غم سار من
کہ ندارد نظر بہ سوئے کے	می کشد دل مرا بہ کوئے کے
کہ بہیرم در آرزوئے کے	آرزوئے دل ہمیں باشد
نکتم نالہ رو بروئے کے	در فراق تو گردد جانم

احوال مبتلا از تذکرہ نشتر عشق

مبتلا مردان علی خاں ولد محمد علی خاں بن میرزا محمد وطن جدی النجوم شہید مقدس
 بود میرزا محمد ہمراہ نواب بران الملک نیشاپوری بعصر فرمانروائی محمد معزالعزم
 بن شاہ عالم بہادر شاہ ظلمہ منزلت شاه جهان آباد آمد بحضور محمد فرخ سیر بلا زمان

گر کنم گستاخی و نام تو آرم بر زبان
 مبتلا می گفتمت دل در کف خوابان مده
 چرا نخل ز سنگ کوے یار می گشتم
 ناله گر چنین سازد مضطرب غبارم را
 حیث گفت یا من بے سبب زنا کن
 گر باورت نیاید تیغ اتحان کن
 ناله یللی گزری کرد گاهے سوع قیس
 حال مرغ دل نمیدانم چه شد
 باز فریاد کدای دل شیدا برخواست
 خبری از دل گزشتہ سن پرسیدش
 بجز درستی مهر از دلم نشد ظاہر
 در آرزوے این که بینیم رفے دوست
 یاران غبار خاطر او گر شود دہید
 سخن مان شنیدی دندی یار رقیب
 گر نہ آہم ہوس عالم بالا می کرد
 روزے کہ از میانش تیغ ستم برآید
 چو چشمت کاتب قدرت رقم زد
 برسانید بزریر قدش تا میرم
 یادم آید ز اسیری خود و ناله کنم
 بود دے ہمدم صبر و ندیم غم
 دست لے خزان ز جوہرستان بنگاہ دار

شویم از آب حیات اول دہان خویش را
 سادہ دل بر باد دادی خانمان خویش را
 نمی گذاخت غم او گر استخوان مرا
 دم بدم بجنبانند تختہ مزارم را
 دست نمی توان گرفت عمر گریز پائے را
 در تن نماد خوں این میدنا توان را
 بخت بد نیم ز آواز دے بے نصیب
 در قفس مشت بے صیاد داشت
 کہ قیامت پے تعظیم فے از جا برخاست
 بر غبارے کہ بہ بینید ز صحر ابر خاست
 اگر چه سنگ جفایت ہزار بار شکست
 مردیم و ماند در دل آرزوے دوست
 خاک مرا بباد چو میرم بکوے دوست
 از برایت سخن خلق شنیدیم عبث
 علم عاشقی امروز کہ بر پامی کرد
 از لذت شہادت عالم ہم بر آید
 بہ صاد چشم خود بزرگس قلم زد
 برب ای سینہ ہنوزم نفس می آید
 چون صفیرے شنوم کہ نفس می آید
 جیغند کہ آن ہم برفت و این ہم نہا
 جان ہزار بلبل نالال بنگاہ دار

در کھنوا اتفاق افتاد۔ از حضور وزیر مغفور مخاطب بہ مردان علی خان گردید۔ علم
رسمی بخدمت مولوی وجیہ الدین نظام آبادی پہنچا کر دہ دفعہ و نحو زیلہ امتیاز بہم رسانید
و اصلاح سخن نظم بنظر آن جناب می گرفت خط مستعین را بر بیانی می نوشت و
دو اوین اساتذہ بمطالعہ میداشت تذکرۃ الشعرا سنی بہ نظم معانی کہ از صال
اتمام ہم خبر می دهد ماز تا لیفات اوست، لیکن بنظر راقم نرسیده بعد مرور از کھنوا
بعظیم آباد رفتہ اوقات می گذرانید دیوانش قریب بچهار ہزار بیت بودہ است۔

مبتلا کا فارسی کلام

مبتلا کے تذکرہ شعراے فارسی سے ان کے سات شعر اور پرکھے جا چکے ہیں۔
ان میں سے ایک شعر نشر عشق میں بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ اڑھتیس شعر اور ہیں۔
سات شعر تاج الافکار میں ہیں، جن میں سے پانچ شعر نشر عشق میں موجود ہیں۔
تین شعر روزن میں ہیں، جن میں سے دو نشر عشق میں اور ایک تاج الافکار
میں موجود ہے۔ اس طرح مشترک شعروں کو نکال کے مبتلا کے چالیس فارسی شعر اور
ملتے ہیں۔ مبتلا کے فارسی دیوان کے دہجد کا علم نہیں ہے۔ اس لیے یہ شعر بھی اس
ضمیمے میں شامل کیے جاتے ہیں۔ شروع کے دو شعر تاج الافکار سے اور باقی
کل شعر نشر عشق سے لیے گئے ہیں۔

نگس دہد بجائے گیادہ از مزار	آگاہ تاشموی ز غم انتظار
آگاہ میستم کہ دلم خنک راہ گیت	با آنکہ شد غبار من از آسمان بلند
نیم جان بگزاشت جاں ماں ناتوان خویش را	تا بہ دشواری دہد بیچارہ جان خویش را

تذکرہ شعرا

حمد بے حد و ثناء ہے عدنان آفرینے زا کہ بہ و حریت کات و لون دو عالم
را از شام تیرہ عدم بھیج نورانی، جو د آفہ وہ، بہ تسبیح ذات متبج صفات خود و ان میں
شیخ الاسلام و محدث گویا گردانیدہ - و در و دنیا محدود و علمیات مشکینہ التفات ثانیہ
روح مقدس فخر معشیر انبیاء محمد مصطفیٰ و پیش از زمزمہ اولیا علی مرتضیٰ علیہم التحیۃ و الثناء
و لولاد ایجاد ایشان کہ آب و رنگ گلزار علمی افلاک و آتش خس و خا و ظلم و فساد
عالم سفلی خاک اندیاد۔

ہما بعد عند سبب گلشن ندیدہ جہان استعداد و طفل ابجد خوان دودمان
سواد، خوشہ چین خرمن نکتہ سخنان، در ہ بے مقدار مردان علی خاں تخلص بہ تبارک ابن
محمد علی خاں بہادر مغفور بہ خدمت سلاطین سعادت ارباب ہمیش و دانش معروض میدارد کہ
بر خدا و ندان اجلہ و آثار کائنات شمس و النہار روشن و بویدا است کہ در کارخانہ ابداع
ہر طلوع را غروب و ہر آغاز را انجام بہست۔ غیر از شاہد رعناے سخن کہ کلیہ زیباے
ہم ام پیراستہ بنا بر این مولف از آغاز شباب بمصدق علی شئی یزید جمالی اصلہ
اوقات گرامی خود را مگر چون گوہر سخن بے بہارست۔ بگفتن و خواندن کلام فارسی، کہ
زبان آبا و اجداد است۔ صرف نمود۔

ہنگامے کہ سین عمر از بہت تہلوز کردہ نو باوہ ہاے معنی از گھڑا فکر چیدہ

یا بدہ کام دلم یا بکش از تیغ ستم
 بجرم این کہ نمر دیم در جدائی تو
 شکر ریزی لعلت گر بہ بیند
 مبتلا بر خاک با چون گرد باد
 بلبل بچارہ را با ہزاں فرصت نہ
 جلے آن دارد کہ گردم غرق دیاے فنا
 کر دطر ستم تازہ بہ پایا صیاد م
 بزم تو شب غیر را دیدہ بودم
 ہنوز است درش جہت تو بخیر
 بے نیاز و ناز نتوان ز لیستن
 لے دل نظارہ رخ آن رحبین مکن
 از ناز میکنی نگہ سوے من گمے
 ماہ باشد رنگ فرش ناز او
 بشکست میناے دلم سنگین و لے بخوارہ
 دل گم گشتہ جویم رفتہ در کوہ دل آرائے
 ز بس آوازہ حسنت گرفت اقصاے عالم را

صنم دامت از کف نگزارم ہرگز
 شدیم پیش تو بسیار شرمسار افسوس
 شود فرہاد را خیریں فراموش
 روح مجنوں می کند دیوانہ قص
 تا کند چند دگر با گل بیابان اختلاط
 اشک غم طوفان کند در چشم گریانم چو شمع
 رشتہ پیچید بہ پایے من کرد آدم
 چہ گویم چہ از تو رنجیدہ بودم
 شبے در فراق تو نالیدہ بودم
 ما و جا مان شرط با ہم بستہ ایم
 دیوانہ می شوی بخدا این چنین مکن
 خواہم کہ فرزدن کنی کم ازین مکن
 چادر متساب پا انداز او
 انگند ہر سو پارہ صد پارہ شد ہر پارہ
 و لے ترسم نیامد لکنم گم خویش را جاے
 بہ ہر شستہ ست مجنوں بہ ہر شہرے زانجلے

قصہ ترا جس کو اسے یار ہو چکا
 اشارہ کر جو اس چشم سیم کی ٹک بھویں بھیاں
 ۱ سے غیر سے کب سر و کار ہو گا
 سوزِ شبِ فراقِ زباں پر جو لا۔ یے
 مصیبتِ عشاقِ پراں کی کیا کیا بھیاں چلیاں
 جوں شمع تا سحر کٹی مجلسِ رلا یے
 تری اس ہنگ سے کیا معنی دل خواہ پیدا ہو
 شبِ عراج کی اس خط سے گویا راہ پیدا ہے
 آصفِ تخلصِ وزیرِ الملوک نوابِ یحییٰ خان بہادر آصف الدولہ ابنِ نواب
 شجاع الدولہ مغفور۔ علو مرتبہ این خاندان از فرطِ اشتہار احتیاجِ رقم ندارد۔ جامع
 اوصاف حمیدہ است۔ خصوص در عطا و بخشش نظیر ندارد۔ گاہے سخن می فرماید۔ این دو
 بیت از آن جناب است

پوچھتے کیا ہو شب، جگر کی حالت یاد
 ہزاروں مُردے جیتے دیکھے تیرے بات کرنے سے
 میں ہلکا رات ہو اور ستر تنہائی ہو
 لبِ معجز بیان میں تیرے شاید آبِ حموال ہو
 انجامِ تخلصِ نواب امیر خان عماد الملک امیر ابن الامیر۔ در زمانِ محمد شاہ از
 دستِ ملکِ حرائے مجروح گشتہ بہ آخرت شرافت۔ در ذکا و ذہن و لطیفہ گوئی بے مثل بود۔
 گاہے شعر فارسی و گاہے رنختہ تصنیف می نمود۔ از کلام او مست :-

ہم سوں چھپا کے اور سے آنکھیں لا گیا
 ہم سوں چھپا کے اور سے آنکھیں لا گیا
 ناک تو فرصت دے کہ نصرت ہو پس اے صیاد ہم
 کیوں بلایا بیٹھ میں کیا ہم سے نادانی ہوئی
 قفس کے بیچ بھلنے تڑپ کر جی دیا اپنا
 کس بے درد نے شاید کہا ہو گا ہمارا آئی
 شیخ نجم الدین آبرو مشہور بہ شاہ مبارک از فرزند ان شاہ غوث گویا ری در
 اد اہل سلطنت محمد شاہ غفرال پناہ بہ شاہجان آباد آمدہ سکونت ورزید۔ در بیوہ شاعری
 طرز خاصہ دارد۔ در عایت لفظی و ایہام بسیاری نماید۔ کلماتش یکہزار و پانصد بیت دیدہ
 شدہ لغت است۔

دیوانے نظم ساخت دہم در آن ایام تذکرہ مستے بہ گلدستہ معانی کہ شتمل بر انتخاب شاعر
فلسفی سخن پردازان قدیم و جدید و اختصار بیان احوال آنہاست، ترتیب داد - مع
ہذا اکنون چنان نحاظر رسید کہ از کلام ز تختہ گویان سابق و حال کہ درین زمان کالی شہزاد
در قلمرو ہندوستان دارند، بسبب تتبع اشعار اہل فارس کہ برگردن مضامین آنان گردیدہ الفاظ
را بروش خود بجای انشا اند، اگر سخن را جائے ہست و مرغوب طبع و وضع و شریف منتخب
میفرستع نماید تا از مطالعہ آن شیفتگان مجربان معنی حظ وافر بردارند - الحمد للہ اہل عطا
کہ اندک زمان کلامیاب گردیدہ و مقصد رسیدہ - چون عقدہ خاطر انا سخن حسن انجام یاف
کشود مستے بہ گلشن سخن نمود -

قطعه

آب و رنگ اس کا ہے جوں باغ ارم نہیں اس کے متقابل گلشن
سالی تاریخ میں پوچھا اُن سے جو تھے اس فن کے سخن سنج کہن
سب گئے کہنے کہ اک عمر کے بعد ہج بھولا - ہے سخن کا گلشن ۱۱۹۷ھ
اکہی تا مطلع آفتاب زیب بیاض صبح عالم آرا و ہفت در سچہ افلاک منظور نظر اگیان
عالم بالامت نظر بد از روسایں محمود دور و دل نیک بختان از مشاہدہ اش در سرور
بجو رب العباد -

حرف الالہی

آفتاب تخلص خاتمان ابن الحاتمان سلطان ابن السلطان شاہ عالم بادشاہ
غازی ابن عالم گیر شانی کہ از بست و دو سال فرمان دوائے مملکت ہندوستان است
و ابواب عدل و داد بروے عالم کشودہ غلہ اللہ ملک طبع عالیش گھا ہے رغبت
بانشائے شعری کند - ابن چند بیت، مختصہ کلام فصاحت نظام آئی سالارہ دو دہان تیموری
است :-

بڑے ہر دل بدن تجھ کھ کی ماب ہست آہستہ
 کہ جو نگر گرم ہو ہر آفتاب آہستہ آہستہ

جنتاں کے لوگ کہتے ہیں کمر ہر
 کہاں ہو کس طرف ہو اور کدھر ہو

یلف کے عقدے کھیلے اب اور ہی شکل ہوئی
 دل کے اوپر یہ نئے سر سے بلا نازل ہوئی

عاشق زیادہ تجھ ہستی کیا آرزو کرے
 تیری نگہ کی تیغ اُسے سرخ و کرے

ناصح نہ سی سکے گامرے تختِ دل کا چاک
 بکرو دل کوں لہل کے کوئی کیونکر رُو کرے

صنم تباں میں ہمارا بڑا ہی کافر تھا
 کیا ہو رام میں اُس کو خدا خدا کر کے

شجاعتِ مال سے نامرد کو حاصل نہیں ہوتی
 جو اصلی جنتِ ہر وہ کب طلا سے مرد ہوتا ہو

تک چلنا سخن کا بھولتا نہیں اب تک بھگو
 طرح وہ پاؤں رکھنے کی مری آنکھوں میں گیتی ہو

کیا ہو چاکِ دل تیغِ تغافل سے تجھ آنکھیاں
 نگہ کے رشتہ و مژگاں کی سوزن سے رفو کیجے

احسن، احسن اللہ حاضر نجم الدین آبرو دردِ پوائش شعرے یافتہ نمیشود

کہ خالی از ایہام باشد درین صنعت دستگاہ تمام داشت - از خلاصہ سخن ہائے اوست

کھول کر بند قبا کو دل مرا غارت کیا
 چھدا قلبِ لبر نے کھلے بندوں لیا

چکنا زلفِ مشکیں میں ہر اک دُر گوشتاروں کا
 گھٹا کی شبِ برات اندہ تماشا ہو ستاروں کا

آؤ ناخط کا جدائی کے سبب پر ہو دیسل
 دیکھنا اس کا نہ ہو یارب نصیبوں میں لکھا

کیونکہ مانی لکھ سکے نقشِ ابرو ان یار کا
 کام نقاشوں کا نہیں ہے کھینچنا تلوار کا

اے میاں کت موے کمر سے ہم
 کیسی تلوار در میاں ہو آج

نگہ کی تیغ کج سے کٹ گیا دل
 نین سے چاہتا ہو خوں بہا دل

تغافل سے گھٹا یا تم نے از بس
 مرا سن سیر ہوا دندگی سوں

علی کے نام کی تسبیح ورد ہو من کا
 ہزار ہا کھٹانا امام پایا ہوں

صبا کیو اگر جاوے ہو تو اس شوخ و لبروں
 کہ کر کے قولِ پیروں کا نمٹے برسوں بھوں

ہا اپنے دروازے سے جا اٹھ کے جاوے تبا کیو
 اس گلی سے اب گزرنے کی ہمیں طاقت نہیں

جسے ٹوڑ کھائی بل تب سے پھر نہ نکلا
 ہے ہر تیس دن مرنے والوں کی سنگت
 اس کمال پر صفا سے نظریں نہیں ٹھہرتیں
 مایہ ہمارے دل کی کشش نے اثر کیا
 سبزہ اور یہ آبِ رواں اور ابر یہ گہرا
 خلاق پر نے کھیت کھا ہر سبھوں کو دیکھ
 رہی یہ مسکراتا تو کس طرح جییں گے
 کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوگی
 مے سے لگ کے اس کے ساتھ سوویں
 لیوں چھا ظلمت میں گر تجھ لبِ شرمندہ تھا
 مہنا تو ان کی حالت وہاں جا کہے ہر اڑ کر
 ن لبوں کو یقین مصری جان
 ہن قدر میں مجھ جگر میں داغ تیرے ہر کے
 ہن وقت زخم تیرا لگتا ہر غیر کے تئیں
 ممکاوتے ہیں ہم کو کمر باندھ باندھ کر
 ب ہو آرام میرے جی کے تئیں
 سر سے لگا کے پاؤں تک دل ہوا ہوں میں
 رتے تو ہو تغافل پر حال آبرو کا
 کیوں اپنا غیر کے پتے پر آیا
 آج قوال بچے تو نے کیا حلقہ بگوش
 بانٹا نہیں اور کچھ غیر از تیری آنکھوں کی پلو

تیغ بھواں کا تیری کس طرح کا ہی لوبا
 کلیجا آہنی ہی آرسی کا
 اُس کال پر عجب ہی دل کا مرے اُکھٹا
 جاتا تھا جلد دیکھ کے ہم کو ٹھٹھک گیا
 دو انا ہوں جواب گھوٹیں ہیں جو زرد مہرا
 کھلیان کی مثال دلوں کا اٹم ہوا
 تم کو تو یہ ہنسی ہی پر ہر مرن ہمارا
 اس دل بے قرار کی صورت
 کہیں تو جاگ اٹھ تو بھی اسے سخت
 جان کچھ بانی مرے ہر حشرہ حیواں کے بیج
 میرا یہ رنگ رو ہر گو یا مکھی کبوتر
 راست کتا ہل اس میں مت شک کر
 آسمان اور نہیں اے ماہ مارے اس قدر
 اُس وقت ترک سیتی جاتے ہیں جان مرہم
 کھولیں ابھی تو جاوے یوں کا نکل بھرم
 جب وہ کافر ہو آپ سے آرام
 یہاں تک تو فین عشق میں کامل ہوا ہوں میں
 دیکھو تو تم بھی پیارے بے اختیار روؤ
 ہوا جی میرا اس غم کا ترازو
 نغمہ سازی سے سب اس دائرہ عکس کو
 دل ہلکے کو اگر دیکھو تو نرگس جلی ہی

مجھے وقت ہر اکثر گوہر دندان کی فرقت سوں
 بیج دم آئی صبا اُس کو سے غنچے تنگ دل
 ہزاروں عاشقوں کی بگنہ کرتا ہر خون ریزی
 گھٹا میں دیکھ جگنو کا تماشا
 رباں رت میں تاروں کو اڑا دے

کرب ہر عشق تیرا نازی دہ ابرو کلاں جب سے
 کاؤں سنتے تھے سوا کھوں دیکھے تو ہر شب چراغ
 کٹے ہو زندگی تیغ نگہ سوں
 لیا ہر عالم دل گھیر کر اک دست رنگیں سے
 نہ لے دل لے کے پھر وہ جمعہ مشکیں
 دو جگ ہیں سُرخ رو ہر بیشک شہید خواں
 بات پہنچی ہر میری جان تنک
 کوئی تسبیح اور زنا کے جھگڑاؤں میں مت لولے
 لے ہو برو کیا بے تکلف ہو کے آئینہ
 عجب نازک ہے وہ کافر پری رو
 تمہارا ہر سخن نکتہ ہر رنگیں سب پہنچا ہر
 پروے کیوں نہ ہرک بات میں وہ ہوتی ہے
 بو الہوس یہ کیا اداسے زلف حکمرانی
 آگ سی میرے دل کو گنتی ہے

عجب نہیں قطر ہر لٹکے موتی کی آبر آو سے
 بھاڑنے لائے گریباں گل ہو سب باولے
 کیسے طاق کہ اس گل رُوسے جرات کر کے ٹٹکے
 رباں رت میں تاروں کو اڑا دے
 شہیدانِ خاک میں لہر طرف توں ہوئے تب سے
 جھلکاتے غنبریں زلفاں میں موتی سماں کے
 اسی کے دم کا ہم کو آسرا ہے
 جہاں گیری کی نادر طرح تیرے ہاتھ پہنچی ہے
 جسے باور نہ ہووے انگ دیکھے
 پہنچی مجھے شہادت شمشیر بار سیتی
 بانہ گمنے کی لاج کھنی ہے
 یدوں ایک ہرک پس میں ان کے بیج رشتہ ہے
 مجھے منہ دیکھے کی تو یہ خوش آمد خوش نہیں آتی
 کہ ہر یک سے دل و دیں مانگ لے ہے
 جدا ہوئے جو کچھ اس لعل لب سے سو جاہر ہے
 صفائی دانتوں کی روشن ہر سبسی میں سے
 جو یکا یک جاگ اٹھنا ظالم کے لوکر کے برا ہے؟
 جل ہا ہوں خاک کے ہاتھوں سے

سراج الدین علی خاں آرزو شاعر مشہور فارسی گو۔ سلسلہ نسب ابوشیخ ابوالنوف
 گو الیاری می رسد۔ در زمان محمد شاہ و خلف او احمد شاہ رحمہ اللہ گوے بلاغت از
 اقران می رבוד۔ اندوہلی با اتفاق سالار جنگ برادر خیم الدولہ اسحق خان بیلارہ لکھنؤ آمد۔

ایک ڈوب سنانی مڑکاں کا
اگر شیر مارو دیکھنے سے ہم نہیں ٹپتے
لکھا ہو کیا متا بل عین کے دل کے نشانوں کو
ستم پر عاشقوں کے بے سبب نہیں یہ مکر بندی
میرمت مان بھر بھر دیکھنے سے صحتِ رخ کے
ہمیں دیکھ اُس گلی میں اے رقیب بے حیانا حق
دہ رخ ہرگز کبھی دیکھا نہ سارا
پڑی آفتِ ساوی اُس نظر سے میرے حاصل کو
گنہگار ہو عقیق تے لب کے دور میں
لاحظ کے کنگے شور و زافروں سے ڈرتا ہوں
ان بوسے کئی ہیں عصفی کا وقت
تمہارے ہاتھ سے ہرگز کسی کا دل نہیں بچتا
گلابن لال لال دوروں سے
یہ نامہ ہمارا ہم گنگناہوں کے مارے ہو
آج دلبر کے ہاتھ پہنچی ہو
معا اوس دہن کا یوں کھلا ہم پر تبسم سے
گیا دل دیکھ کر بے سنجہ حنائی
مقابل آئینے کے مت ہوا سب کس سے اظالم
یہی مضمون خط ہو حسن اللہ
اودھ رنگ کی تیغ اور ایدھر سنانِ آہ
میں گریستوں شیریں سخن میرے کی خوبی کو

اور سب تیر دیکھے بھلے ہیں
تمہاری اس گلی میں سر سے اور آنکھوں کا حافظہ ہیں
مصور زور کھینچا تو نے ابرو کی کمانوں کو
نہ جانوں کیا غرض ہو دریاں نازک بانوں کو
کہ میں ایک صورتِ پریعت نظر کر یاد کرتا ہوں
چاہتا ہوں گا شور ایسا گو یا اس کے سگوں میں ہو
نہ ترسا کا فر اتنا دیکھنے کو
دیکھتے سے اچانک کچھ اپنی دے لگے دل کو
اپنے اُپر کھڑا تا ہو اور دل کے نام کو
کہ رفتہ رفتہ شور اُس کا سبادِ اشویرِ عشر ہو
برس ہو مٹھی کا کما مت کرو
ہنس دلا رہی کے قیامت دست رکھتے ہو
تجھ میں میں بہار ہوتی ہو
اسی کالی گھٹائیں ابرو حجتِ جوش مارے ہو
من کے لینے کو خوب پہنچی ہو
کہ اُن ٹیٹے لبوں کوں یہ جگہ بوسے کی خالی ہو
تمہارے ہاتھ پہنچے سے کل آئی
نری صورتِ مبادا اس کے دل نقش ہو جاوے
کہ کُسن ماہ رو یاں عارضی ہو
اس کشکش میں عمر ہماری بھی کٹ گئی
رگ ہرنگ میں جیونِ نغمہ فرادِ منظر اب آئے

ذیرے کیا ہو غرض کعبہ سے ہو کیا مطلب
مجھے بے چین رکھتا ہو دل انگار پہلو میں
اٹھا دیں کیوں تری منت دل برباد غنی دست
عمر کلنے کو کئی پر کیا ہی خواری میں کئی
صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں
ہاتھ میں اپنا سر لیے رہتا
زندگانی نے رکھا تھا مجھے کر بے آرام
گر آمد آمد اس مہتاباں کی نہیں آئیں
اُس بارے خدار پہ یوں لوٹے ہو یہ دل

میں جہاں جاتا ہوں تیرے ہی لیے جاتا ہوں
وہ سوتے کس طرح جس کے ہے بیمار پہلو میں
لیے بھرتے ہیں ہم لے باغباں گلزار پہلو میں
دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
ہجر کی جب رات ایسی بے قراری میں کٹی
عشق کی پہلی یہ سلامی ہو
جب گیا جان کل جسم سے تب آنکھ لگی
کیوں چاندنی کا فرش بچھاتی ہو چاندنی
جیوں کو کٹے ہو؟ تلوار پر مرنے ہیں سپاہی؟

رباعی

یہ جو روح جفا یہ بے وفائی کب تک
کرتا ہے کوئی حسن پہ اتنا بھی غرور
بس کیجئے پاس آشنائی کب تک
دیکھیں تو رہے ہو یہ خدائی کب تک

رباعی

کس منہ سے ترے سامنے آئے غنچہ
دیکھی ہو ترے لبوں کی سرخی جب سے
کیا اپنے تئیں آپ ہنسائے غنچہ
رہتا ہو جن میں منہ چھبائے غنچہ
اشتیاق سرہندی نامش ولی اللہ در کو ملا فیروز شاہ در دہلی درویشانہ

بسمی برد - اور است -

لڑکوں کے پتھروں سے گلے کیونکے اُس کو چوٹی
چھوڑ کر ہم کو تنھے اور سے جو لاگ لگی
ہر ایک گردباد ہو مجنوں کو دھول کوٹ
نہیں مہندی یہ ترے تلووں سے ہو آگ لگی
آزاد نامش خواجہ زمین العابدین - در زمان محمد شاہ مغفور بودہ -

ویراست -

مازندہ بود در رقابت ایشان بود۔ در لکھنؤ و دیوبند حیات سپرد۔ گاہے شعر و نعت
ہم بنا بر جودت طبع می گفت۔ از افکار بلاغت آثار او مست۔

دعای تھے سب غزل جو تہ بہ تہ ہم سے
یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا
ہر صبح آدوتا ہی تیری بابر ہی کوں
کیا دن گئے ہیں دیکھو خورشید غاوری کوں
رکھے سپارہٴ دل کھول آگے عند لبوں کے
جہن میں آج شاید بھول ہیں تیرے شہیدوں کے
مینا نے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے
زاہد نے آج اپنے دل کے پھولے پھوٹے
جان تم پر کچھ اعتماد نہیں
زندگانی کا کیا بھروسہ ہے

خواجہ امین الدین عظیم آبادی در شعر فنی و کلمتہ رسی یگانہ روزگار بالفعل
دہنگالہ از متوسلان میر محمد رضا خاں مظفر جنگ است۔ صاحب دیوان و تخلص او
امین۔ این ابیات از دست۔

خورشید ترا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا
مہ چادر متاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا
نہ روک اے آستیں آنسو کو میرے
یہ تیرے تھامنے سے تھم رہے گا
ہم کو کیا گر بہا ر آتی ہے
دل وہ غنچہ نہیں کہ وا ہوگا
عکالیاں غیر سے سناتے ہو
ہاں میاں اور تم سے کیا ہوگا
جب نہ تب آتا ہے وہ سر پر مشیر کھینچ
کچھ بھی تو دل میں ندامت آہ بے تاثیر کھینچ
دل ہر سینے سے یوں لپٹی آدوہ زلف دو تا
جبر طرح مجھ سے لے اٹھ کر آتش گیر کھینچ
کیا مجھے بھاری تھا جی اپنا جوتا آپ سے
سائنے تیرے اجل لائی ہے بے قصیر کھینچ
گر تجھے منظور ہو دن رات اُس کو دیکھنا
صغیر دل پر ایں رکھ بار کی تصویر کھینچ
کشورِ حسن میں ناز میری کچھ مت پوچھو
نوحطال شام کو کرتے ہیں سحر سے پیوند
یاد آیا ہو اب نہ بساے چشم
دیکھنے دے ذاتورہ لے چشم
کیا کوں ہاتھ سے دشت کے گر بیان کمال
اک طرف بھٹتا ہے اک طرف سے جاتا ہوں

۵۹
 لے چشم تو تمام اس کو ہوا شک تو جوش اوپر
 مڑ گان نہیں کہہ سکتی اس طفل کو دوش اوپر
 آگاہ نامش محمد صلاح از فنون سخن واقع - از دست

پیری میں کروں سیر جہاں کی تو بجا ہو
 میرزین العابدین آشنا - آبائش از مردم تبریز بودند بخوبی حوت زند -

کیٹو مہا تو اتنا مرے تند خو کے تیں
 گر مجھ سے دوانے کو تم آزاد کرو گے
 آخری کسی بھی وجہ دکھائے گار کے تیں
 دیرانے میاں کہتے ہی آباد کرو گے

میر کاظم آوارہ از نقارش وحشت ظاہر از اشعار او دست
 اے عندلیب خاکے جن میں کرے گی کیا
 نواجہ امیر اللہ متوطن عظیم آباد - درد مند و عاشق پیشہ است - اور است -

نہ چھوڑا میں جھنجھلا کے تار گریباں
 جو ہاتھ اس کے بند تبا کھولتے تھے
 رہے تانہ گردن پر بار گریباں
 سو مشغول ہیں اب بہ کار گریباں
 خواجہ آثمی دہلوی نامش پیر سید برہان الدین مرثیہ ہندی خوب می گفت -
 و رختہ اش نیز بطور سخن گستران قدیم است - فقیر ہم دے رادشا جہان آباد وید
 بود - از اشعار او دست -

رات کو میں شمع کی مانند رو کر رہ گیا
 میں وہ بلبل ہوں جو صیاد کے گھر تیج پیدا ہو
 صبح کو دیکھا تو سب تن اٹک ہکر بہ گیا
 اس طرح شوخ کی مڑ گان ہیں میر دل چھیں
 جہاں میں آنکھ جب کھولی قفس کا نشان دیکھا
 جن کے توت کے اوپر شبہ گل کا بھل تھا
 جیون کے ترکش میں ہوویں تیر کے پکیاں یک جا
 خزاں دن جو دیکھا کچھ نہیں بڑا گلشن میں
 ہزاروں بلبلوں کی فوج تھیں اور شو تھیں غل تھا
 صاف دل ہو نا بہت دشوار ہو
 آئینہ بھی عکس سے خالی نہیں
 تمہارے سینہ کے داغ پیارے
 عجب ہر چاند میں نکلتے ہیں تارے

جس بیل نے چھوڑے خُدا آواز کے جھکے ^{۵۸} تبھی گھٹن میں سارے جل اٹھے کُلا دکر کولہ کے
افصح آتش شاہ فصیح از تلامذہ مرزا بیدل بود۔ عمر دوازے یافت در کھنؤ

موتکلامی گذرانید۔ شعر فارسی ورتختہ ہر دومی گفت۔ اور است

کریا دیجھے جدھر گئے ہم ہم تو نہ رہے کدھر گئے ہم
زابد سو کے کتبہ ہم سوے دیر اودھرن گئے ادھر گئے ہم
جب ہوں تجھ سے جدا جیتے ہیں کیا کرتے ہیں زندگانی ہر کہاں موت کے دن بھرتے ہیں
کیا بلا شوخ کی قامت دیکھی ہم نے جیتے ہی قیامت دیکھی
آزاد دہلوی ناش میر مظفر علی قلی از این درم شد آبادی بود۔ از اشعار
او بہین قدر بدست آمد۔

بوچھنے کیا ہو کہ بیدار کروں یا نہ کروں یہ تو فرماؤ کہ فریاد کروں یا نہ کروں
وعدہ وصل تو کرتے ہو سخن سچ کہیو دل کو اس وعدے سے بے شک کروں یا نہ کروں
مرغ دل تیری جدائی سے پڑا ترا پیچے ہو اس کو کیا حکم ہو آزاد کروں یا نہ کروں
آشنا الہ آبادی ناش غلام بدیع الدین بود۔ دارستہ می زیست۔

اور است۔

ظلم سوں شیریں سخن کے جی دیا ہو سر نہک عشق میں ساتھی نہ پایا کوئی مگر فراد ہم
آزاد معاہدہ دلی دکھنی بود۔ شعر خوب می گفت۔ این شعر از وسموع شد۔
آئین جہاں کی ساری آزاد صنعتیں پر جس سے کیا ملت ایسا ہنر نہ آیا
خواجہ امام بخش متخلص بہ امامی از موزنان عظیم آباد است۔ در مرثیہ گوئی
سید الشہداء کے اوقات بصری بود۔ اور است۔

لے یوں کان کا موتی ہو زلفِ یار پہلو میں رکھے ہے جس طرح بیت اپنے من کو مار پہلو میں
مدلے قفل بنا اُسی کو میں سمجھتا ہوں نشے میں تاکے جب ساقی مرا ہنستا ہو تہمتہ کر

مے دیوانے دل کو شو طغلاں سترحت ہر
 اٹھول کے ہاتھ کا پتھر سے سنگِ جاحت ہر
 مرے رونے سے وہ بھوبں کیوں نہ ٹوٹے
 برستے میں ہنرناکماں کی طرح سے ہر
 ؟ شب بھر روتے روتے کٹے ہر
 سحر کی مجھے دیکھ جھپٹتی پھٹے ہر
 لگی شمع کے سر کو رونے سے کیا ہو
 یہ کوئی آگ بانی دیے سے گھٹے ہر
 علی نقی خاں متخلص بہ انتظار خلف علی اکبر خان مین باشی دہلوی ست درواز
 مہابت جنگ دار مرشد آباد شد و در انجا ساکن گردید - ریختہ اش نہ بہت افزا
 طبع ناظران و محنت بخش خاطر حاضران است -

کیا ہر شمع نے کیا سرفروشی میں ہنر پیدا
 کٹاتے دیر نہیں لگتی کہ پھر کرتی ہر سر پیدا
 دل تری بزمِ محبت سے کہیں دور نہ تھا
 گور سائی کا دواں تک اسے غم دور نہ تھا
 ہو بغل گیر جگر سے گئے کتنے ناوک
 تیرے سینے میں حیا؟ ہر مجھے معلوم نہ تھا
 میری لوحِ مزار پر یارو
 کھینچو انتظار کی صورت

نکد دل تو اٹھنے دے ملازعت میں اپنی
 کافر ہوں اگر یاد میں زنا نہ پنوں
 جو داغ ہو پہلو میں سو فرمایش دل ہر
 پہل نہ کرے سینے کا رالیش دل ہر
 بھونتا رہتا ہر داغِ عشق شعلہِ خون مجھے
 جیل کبابِ سیخ اس پہلو سے اس پہلو مجھے
 بھر نظر جب تری پکوں کو میاں دیکھا ہر
 دل کو آؤ بخٹہ لوک سناں دیکھا ہر
 وقف ہر خانہ دل قصد اگر اس کا ہر
 کو ناوک سے کہ آ بیٹھے یہ گھر اُس کا ہر
 دقت سے بے دل نہ ہو آزدہ بنا گوش سے زلف
 شامِ مہمان یہ تیرا ہر عہد اُس کا ہر
 دیکھتے ہی اس دل پر غول کو مارے تنگ کے
 چور ساتی نے کیے شیشے نے گلِ تنگ کے
 اُس سے غلوٹ میں ہل اور عیش سے یلوی ہر
 نقش دیا ر تک وہ پئے با سوسی ہر
 نقشِ خاطر ہوے از بس کہ تم تیر گئے
 یہ سیر؟ داغ کا رخ کیہ پڑاؤسی ہر ؟

۶۰
 آمی دہلوی آتش میرا می خلت الصدق خواجہ آنٹی دمرشد آباد تعزیر
 داری سید الشہداء علیہ السلام اشتغال داشت بشہور است کہ شبہ در عین تعزیر بے پوش
 گردیدہ بہ بہشت خرامیدہ از دست -

گھیرا ہے مجھے غم نے عجب حال ہے جی کا
 سینے میں جدھر وہو ترا بھونک لے آہ
 راہ تکتے تکتے آخر جی سے آیا تنگ دل
 کس کے یہ خار مزگاں دل میں ٹھک رہے ہیں
 میں نے پہلو سے گم کیا تجھ کو
 اشک آوارگی سے تو نہ بہا
 سینکوں سے دل بھونک لیا سخت کر رہے ہو
 جاہ میں کس کی دل ڈبو بیٹھے
 کیوں آمی گیانہ آخردل
 آہ اب میرے دم کے سات ہوئی
 ہے صبح کو عزم رفتن یا
 سیرگش کو میں جاتا تھا جو میاد مجھے
 محمد اعظم درگفتو پدرش شغل عطاری داشت - از گفتگوے ادبست :-
 ہر قد کے سبب عالم بالا پہ تری زلف رکتی ہو داغ اپنا یہ زنجیر خاک پر

رباعی

پیدا ہو جب آہ و ناری میں ہے بجلی کی شال بے قراری میں رہے
 ہونا خراب ایسے کا فردل کا ہم جس کے سبب ہمیشہ خواہی میں ہے
 میرا علا علی خلت میر ولایت اللہ خال مرحوم و مغفور از نجباے دہلی است -

درویش و درویش زادہ سعد حلقہ اہل دلالان نہادہ اوقات پہ کسب یا منصف بستی بہت
و بیشتر در یاد اکی مشغول ہی باشد صاحب علم و عمل بخوشہ شنگی ز غنمایش ہوید از دست

پہلے سو بار ایدھر اُدھر دیکھا جب تجھے ڈر کے اک نظر دیکھا
دیکھیں گے اس کی گنگ لی کو ہم لڑ کر گر کوئی نالہ ہم سے سرخام ہو گیا
آہ کے ساتھ جی بھل نہ گیا آہ سے آہ یہ خلل نہ گیا
اثر اتنا تو کام کیجے سکا کام اپنا تلام کیجے سکا
کیا کیجئے اختیار نہیں دل بے جاہ میں ہیں سب و گرنہ یہ تری باتیں نگاہ میں
بے گنا ہوں سے دل کو صاف کرو نہیں تقصیر پر صاف کرو
اثر کیجئے کیا کہ ہر جائے مگر آپ ہی سے گزر جائے
کہیں ظاہر یہ تیری جاہ نہ کی مرتے مرتے بھی ہم نے آہ نہ کی
تیرے کوچے میں جا کے جو بیٹھے جان سے اپنی بات نہ دھو بیٹھے
حال اب بیکسی سے کیا کیے ایک دل تھا سودہ بھی کھو بیٹھے
آوارگی اب تو بھاٹیں ہی میں ہوں جو کہیں تو دل کہیں ہو
جب کہ ایدھر تری نگاہ پڑی میرے ہی دل پہ میری آہ پڑی
افسوس کہ ان بتاں کے ہاتھوں اب آن ہی اثر خدا سے

بیاں میں کیا کروں اس سے زیادہ اپنی کامی تے بیٹور اور مجھ کو تجھی سے کام رہتا ہی
کھلی پک گیا میں کیا کہوں اس کے ہاتھوں ہیٹھ کچھ نہ کچھ اس میں خیالی خام رہتا ہی
اک دم دلوی خلع خواجہ میر درد دریش مشرب و از معتقان زمانہ است۔ از پیہ

سال در مشد آبلہ سبب دوستی راجہ دولت رام استقامت دارد۔ از دست۔

ندل کو قرار بے قرار کے سبب نہ چشم کو خواب خشک ہاری کے سبب

واقعہ نہ تھے ہم تو ہاؤں کے کھے یہ کچھ دیکھا سو تیری پللی کے سبب

۶۲ جوں ہی بہار گل کی قفس میں خبر گئی
 سننے ہی بلبل ایسا ہی تڑپا کہ مر گئی
 کیا ہی پر شور ہو اب تک یہ غنّ بلبل
 چمن گئی زمزمہ کرنے میں زبان بلبل
 جو کوئی تیری نکاح و مست کا مخور ہو
 نیشہ دل اس کا کیفیت سے چکنا چور ہو

رباعی

دیکھوں گا تجھے کب میں گسائیں مائیں
 آنکھیں تو سفید ہونے آئیں سائیں
 دل یاد میں دیدہ منتظر بر سرِ راہ
 تنہا میں دم اور زباں پر سائیں سائیں

رباعی

بیدار کے چاہنے کی طاقت نہ رہی
 دکھ دردِ نابہنے کی طاقت نہ رہی
 تب آیا عیادت کو مری بالیں پر
 جب دیکھا کراہنے کی طاقت نہ رہی

اتحاد - از مخدورانِ قدیم است - ویراست -

سنا تھا جسے کعبہ و بت خانہ میں آخر
 اتحاد میں اُسے حضرت انسان میں دیکھا
 محمد اشرف از موزدانِ عہد شاہ عالم است - ویراست -

آہستہ تو دو باتیں کر میں تم سے میاں ہم
 پھر دیکھیے اک دم میں کہاں تم ہلکے ہم
 آگاہ - آتش نور خاں شاگرد میرضیا - دے راست -

پہلے قدم میں عشق کے میرا تو جی گیا
 مجنوں یہ چند روز بھلا کیونکے جی گیا
 امید بلوئی ناش میرا مانی - از شاگردانِ میرزا رفیع سودا بود - در
 مرشد آباد رسیدہ انتقال نمود - از و است -

کس جنگ جو کی صبح کو باتیں نکالیاں
 اہم مباحث میں الجھتی ہیں ڈالیاں
 اولاً - اسٹیشن میرا ولا علی از سادات بارہہ - ویراست -

بتاں ہر چند بھلاتے ہیں میرے دل کو پاؤں
 ادا کس طرح مجھ کو اس پری خصل کی بھولے
 اثر ناش خواجہ محمد میرو بلوڈ خواجہ میر درد - از نجباء دہلی است -

غازی پور سیت۔ از سخنان اوست۔

عالم کی تیری چشم نے حالت تباہ کی دورِ فلک سے کم نہیں گردش نگاہ کی
حیراں کرے گی آئینہ رویوں کی دوستی صورت کوئی نظر نہیں آتی تباہ کی
ہیں عکس آئینہ ہم جب تک رو برو ہر ہم کچھ نہیں ٹھہرتے جو کچھ کہہ سہو تو ہر
اے عشق بجاں تک مجھے لے جاؤ ہوش سے گر جاوے تابیہ بار خودی اپنے دوش سے
کل یاد میں تیری بے خبر تھے معلوم نہ تھا کہ ہم کدھر تھے

میر غلام علی مظهر دہلوی شاگرد میرٹس الدین فقیر دودہ۔ شعر فارسی خوب
می گفت و با فقیر ہم دوستی داشت۔ از چندے پائے طلب بدمین تو کل کشیدہ در عظیم آباد
ودعیت حیات سپرد۔ گاہے رختہ ہم طرح می کرد۔ اور است۔

نہیں ہر مرد کا چشم ساتھ آنسو کے نکل کے داغ جگر جم رہا ہر آنکھوں میں
کہوں صبح کب تک شب تار کو بھلایا مجھے کیا کون یار کو
خراں کسے دیکھ گبک دری گیا بھول یک بارفتار کو
جب گھر سے وہ مس خواب نکلے سو فتنے سے ہم کاب نکلے
جس بزم میں رات کو کہ تو ہو منہ دیکھو جو ماہتاب نکلے

احسن نامش میرزا حسن علی از جوانان نیکو خصال۔ اول از میرضیاد آخراہ
میرزا رفیع سودا شق سخن نودہ۔ در لکھنؤ از منسلکان نواب وزیر است۔ کلامش
حسن معانی دارد از دست۔

یارو وہ صنم کہ نکلے کرے کام خدا کا ام اس کا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا
خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
ہجریں کیونکر نہ ہووے آہ وزاری بیشتر ہر قرار اس دل میں کم اور بے قراری بیشتر
لو نہ بجزاں ہی میں تھا کچھ نہیں روتے ہیں ہم وصل کی باتیں کٹیں یوں ہی ہماری بیشتر

اجمل اللہ آبادی، نامش محمد اجمل، برادر خرد شاہ غلام قطب الدین مصیبت تخلص۔

نجابت و مخیت سلسلہ ایشان شهرت تمام دارد۔ از کلام دوست
 شاد تھادل سبک بریں جب جائن تھا ہائے کیسی رات تھی جس رات وہ ہم خانہ تھا
 ہو گیا تھا کہتے کہتے ان دنوں میں ہوشیار پرورد کیا کل میں اجمل کو دہمی دیوانہ تھا
 انشا۔ نامش میر انشا اللہ ولد حکیم میر انشا، اللہ مقدر تخلص است۔ راقم
 حروف وے رادر صغیر سن بگام دولت ذاب میر محمد جعفر خاں بھلور دیدہ بود۔ با
 والد ایشان آشنا بودین دلا سموغ شدہ کہ مرد مستعد و جلیہ خوبی ہا مزین است
 گاہے شعری گوید۔

گالی سہی اداسی جبین جبین سہی یہ سب سہی پہ ایک نہیں کی نہیں سہی
 ہوے ہیں خاک سر راہ اس کی ہم انشا بڑا غضب ہو جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے
 میرا و کیا از سادات قصبہ مہمان توابع کھنواست۔ از دلتہ در مرشد آباد
 رحل اقامت انداختہ طبعش در تخته گوئی رسا است۔ وے راست۔

مُرخ اپنا بادہ گل گوں سے تم نے لال کیا چراغِ حسن کو پانی سے اشتعال کیا
 آتشِ عشق میں ٹھیرا دل بتیاب شباب کا یم المنا کر کیا ہم نے یہ سیاب شباب
 دل آتش سے بھرا حدیث ترکب رکھنا ہی ابھی عاشق ترا ڈوبا جلایا باب رکھنا ہی
 زاہد نے کہا حرم میں بستی کرے ہندو کتا ہی بت پرستی کرے
 اے دل زہرا اس کچھڑے میں نہ آ ہستی کوئی دم ہی خوب مستی کرے
 جو کوئی بلا کے ناگمانی مانگے اور راو عدم کی کچھ نشانی مانگے
 دکھلا دے اُسے تو انہی شمشیر نگاہ جس کا مارا کبھی نہ پانی مانگے

احمدی شمس شیخ احمد مویش قصبہ زانیہ و سلسلہ نسب شیخ قاضی شمس الدین
 بروہی کہ از خفاے شاہ شریعت الدین بھاری بروہی رسد از تربیت یا تھکان فیض علی خلون

۶۷
دل کے ہاتھوں کہاں چھپوں جا کر مجھ کو ملتا نہیں پناہ کہیں
آشفۃ - اس میں زار ماضی - از دست

شہدہ خواگے تو اتنا نہ جلاتا تھا مجھے آج تو آگ ہوا غیروں کے بھوکا نہ سے
اپنے کے ہوتے بھوکہ غیر کو صدقہ نہ کرو ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے تر سحر بان گئے
بے سے کے واسطے چٹا تو لگا کہنے مجھے بس کہیں دور بھی پو منہ کو ترے آگ لگے
افسوس - اس میں شیر علی خلع مظفر علی خاں کہ داروغہ تو بکاؤہ ذواب
عالی جاہ بود - اس میں زار ناول است - بالفعل از ہم محبتی میر حید علی حیران و میر حسن
مشق مخنی بر تہ لے ومانیدہ کہ پسندیدہ مکہ سجااست

صبح نہ کرتا ہی یہ دل لاشک باری بیشتر ہو سحر کو خانہ ماتم میں زاری بیشتر
بزم میں اس کی نہ روتے ہیں نہیں سکتے ہیں چپکے ہی بیٹھے ہیں ہر ایک کا منہ مکے ہیں
کہا میرا مطلق نہیں لانتا ہی تو جیسا سنا تا ہی جی جانتا ہی
انصاف جو پوری - اس میں محمد یحیی در فن رختہ گوئی طرز خوب دارد -

اشعار میں متفرق دیدہ شدہ - از دست
کھائی دام کی تنخواہ قسمت بیج بلبل کے
واقع ہیں ہم کہ عشق کے شہوے میں جس نہیں
تیری گلی کی خاک ہوا آہ کیسے کروں
ہر کہہ گئے چلنا حق مجھے صیاد اے بلبل
بھلے تو صیاد کی الفت سے بھا - اتھاف
یادیں لپٹے کی عینوں اپنے جی سے تنگ ہی
کیوں نہ ہوئے اس کے اوپر صحت صحت

خواجہ احتشام حسین عظیم آبادی طبع موزونے داشت - اور است
دشت کو غم نہیں عجز کا فراموش ہنود دیکھو چشم غزالاں ہو سہ پوش ہنود

ہو تو بھی چرخِ اس ستم ایجا کی طرف
 کانی ہو یا بس مجھ دلِ ناشاد کی طرف
 سراپے کو جیوں نے گئے ہم اس کے قدم تک
 پہنچا دیا شو کرنے وہیں ملکِ مردم تک
 سجدہ مکہ ہے خاکِ احسن اب تو ساری خلق کی
 جان دی تھی اس خاکس کی حسرتِ پاپوس میں
 دل ہو دیلاستے ایس تو سرور نہ ہو
 چشم میں روشنی طور سے بھی نور نہ ہو
 بزم میں اس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی
 دل دھڑکتا ہے کہ میرا کس نے ذکر نہ ہو
 کیوں طاقت اس قدر کرتے ہو بے حاصل ہے
 لگ چکا اب جھوٹا شکل ہے اس کی دل ہے یہ
 ہو مجھ میں رتِ مدیدہ تجھے ناگراں ہے
 جوں شمع مرا تارِ نگہ رشتہ جاں ہے
 محروم ہم ہوں محرمِ اسرار ہو کوئی
 خلوٹ میں ہو کوئی پس دیوار ہو کوئی
 راتوں کو اس کے کوچے میں جاتا تو ہوں دے
 دھڑکے ہو دل پڑا کہ نہ بیدار ہو کوئی
 پہنچی جس وقت مجھے اس کے خبر آنے کی
 سُدھ رہی مجھ کو اپنے کی نہ بیگانے کی
 تم تو دل مانگو ہو یہاں جان تک حاضر ہے
 بات یہ بھی ہے کوئی آپ کے فرمانے کی

آشنا۔ مردِ رویشے از ہمہ بیگانہ بود۔ اور است

کھو تو میراں ہو ہم پہ اے بُت کہ آخر ہم بھی بندے ہیں خدا کے
 الہام۔ امش شیخ شرف الدین، فارسی گو است۔ گاہے رنختہ ہم می گوید
 دور کھنڈِ سرو با برہنہ می گردد۔ اکثر مردم آن دیار معتقدِ اید۔ از دست۔

اری نیکی تیرے قربان ہوں بُرے وقت میں ایک تو رہ گئی
 احسانِ نامش میر شمس الدین خلف میر قمر الدین منتِ تخلص۔ ہے راست۔
 نظر آتا ہو ملکِ دل ڈھا اُڑا جلا ٹوٹا خدا جانے کس بستی کو کس بے رحم نے لوطا
 میر مہدی تخلص بہ آہ خلف میر محمد سوز۔ شاگردِ والدِ خویش است۔ از نالہ

اے دوست۔

آہ نیکے ندول سیں آہ کہیں ہو نہ جاوے جہاں میاں کہیں

کیا زلف ہیں اُس شوخ کی تھی دہلی صبح
تک زلف کو میں ہاتھ لگا یا کہ اُدھر
ست کیو بیاں جام اجل پیتا ہر
یار و جو مرے حال کو پوچھے وہ شوخ
سو طرح سے یہ عشق بُھاتا ہر مجھے
کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہر یارب
کتنا ہوں جناب حق میں ڈرتے ڈرتے
ہر اس کو یہ قدرت کہ بیان سا محروم

بے تو اے متوطن قصہ نامِ معاصر خان آرزو بودہ - دیاست
تم ہو بوس و کنار کی صورت میں ہوں امیدوار کی صورت
بے تو اہوں زکات حسن کی لے لے یاں مال دار کی صورت

بھکاری لعل دہلوی - در عہد احمد شاہ بودہ - از دوست

کتنا نہیں کہ سحر میں کوئی یار چاہیے اک نالہ بس ہر گرجے غم خوار چاہیے
بتیاں - نامش سنتو کھراے - معاصر محمد قایم - مرد آزادے بودہ - از دوست
نہ رہے باغِ جاں میں کہیں آرام سے ہم پھنس گئے ڈر کے قفس میں جو چٹے دام سے ہم
سبز ہے اُس کے خط کے نہ مارا گیا میں ایک اس گل زمیں میں کھت ہزاروں جواں رہے
محبت اب تک کہتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی کہ بن لیلیٰ نہیں کھینچی کہیں تصویر مجنوں کی
بقا - اسش قہار اللہ خلف حافظ لطف اللہ رکھنوی مقیم و شاگرد مرزا

محمد فاخر ملکیت فارسی گوشت - از اشعار زبختہ دوست

دیکھے منصب مجنوں پہ یہ لیلے صفتاں خاک میں ہم کو ملاکس کو سرفراز کریں
یاد میں ترپے ہر دل کس ابرے خدا کی آج کچھ ناخن بہ دل ہر آہ اس بیمار کی

میدار خاں دل لطف علی خاں خدمت بخشی گری نواب بہادر جاوید خاں تیار

داشت تخلص او انسان و این بیت از دست

زمین و آسمان اور ہر وہ سب نجد میں ہو مثال نظر ہر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جھٹکا ہو

حرف الباء

بیان امیر حسن اللہ شاگرد مرزا مظہر مولدش اکبر آباد و سکشن بدلی است

مرد عاشق پیشہ و کلامش پُر شور از وسع

بیان تیرے کوچے سے جلتا رہے گا
 اک بار فوج عشق پڑی مجھ پہ ٹوٹ کر
 لینا اگر ہو دل کو تو لے بھی اُسے کہیں
 آتا ہو جی کو دیکھ کے جوش بہار حیف
 پیٹ ہی بیان کا برا حال ہو
 ہوئی آہ اب اس قدر نارسا
 ادب تیار کے دل میں نفیس خون ہو گیا میرا
 ترپنے کے تماشے کی ہوس باقی ہو قاتل کو
 بھل سکتا نہیں ہو شکر کے حمد سے قاتل کے
 مت آئیوے وعدہ فراموش تو اب بھی
 شب فراق کی دہشت سے جان جاتی ہو
 رسوا بھی سے کرتی ہوا سے چشم تر مجھے
 جھگڑتے تجھ سے پیارے حجاب آتا ہو
 جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہو گا
 غبنوں کو صبا کہو کہ آہستہ کھلیں

مری جان تو ہاتھ ملت رہے گا
 لے گئی قرار و دین و دل و ہوش لوٹ کر
 سینے میں اب تک تو رکھا مار کوٹ کر
 لے عنذ لیب تو ہر نفس میں ہزار حیف
 تغافل ارے بے خیر کب تک
 کہ سینے سے آتی نہیں لب تک
 یہ بلبل ناواں آخر قفس ہی میں ہوا بسمل
 نہ اجاتا ہو کول تاتا ملک کو تر بلا بسمل
 بیان کس منہ آگئے اُس سے اپنا خون بہا بسمل
 جس طرح کتا موز گزرجائے شنب بھی
 یہی ہو صبح سے دھڑکنا کہ شام آتی ہو
 آتا ہو اوس کی نرم میں بلور گر مجھے
 وگرنہ بات تری کا جواب آتا ہو
 عالم کی غضب سے جان کھوتا ہو گا
 زانو پہ مرے وہ شوخ سوتا ہو گا

یار کا جب خیال آتا ہے ۱۷ ہوش میرا تمام جاتا ہے
 شرف الدین علی خاں پیام شاعر فارسی گوشت۔ این شعر بختم از دست
 بات منصور کی فضولی ہے ورنہ عافق کو آہ سولی ہے
 میر جہاں علی بسمل از در میان ضلع چار گراہ نجابت و شرافت خاصہ دو مان است۔
 در نشر سلیقہ دارد و نقش بسیار با کیفیت مضمون را بہ آئین ثابستہ می بندد و صاحب دیوان است۔
 ادست۔

نہ آپ کو رکھنا نہ اسے آشنا کیا
 رہ گیا منہ دیکھنا افسوس میں
 نہ پوچھ مجھ سے تیرے دل پہ عشق کیا لایا
 جہاں میں ساتھ نہ لایا کچھ اور میں اپنے
 کہاں تھی اتنی توقع نصیب سے اپنے
 وہ نہ دیکھا تری میں شوخی میں
 جب کسی گم خواب غفلت سے
 لے جان جاں اگر میں تجھی سے جدا رہا
 اوس سبز خط کے ابروے خم دار دیکھنا
 دل خس و خاشاک کی صودت نکلتا ہی رہا
 کیا اُس کو جتا دیں ہم جو ہم نے کیا ہوگا
 جب غمزہ چشم یار دیکھا
 یاد آگئی مشت خاک اپنی
 کیا شاہ پڑی ہے لائے
 پیدا کرے کچھ اور ہی تیرے مری نظر
 حیران ہوں میں اس میں کہ اس ملنے کیا کیا
 مفت لے کر دل مراد لب سر گیا
 جو کچھ کہ لایا سولا یا غرض بلا لایا
 مگر یہ ایک دل درد آشنا لایا
 گلی میں یار کی بسمل مگر خدا لایا
 جو میں تیرے حجاب میں دیکھا
 ایک عالم کو خواب میں دیکھا
 پھر زندگی کا میری بھلا کیا مزا رہا
 یہ زہر کی بجھی ہوئی تر و ارد دیکھنا
 گو سرا دامن کو اپنے وہ جھکتا ہی رہا
 کیا کیا نہ کیا ہوگا جب دل کو دیا ہوگا
 سو تیرے جگر کے پار دیکھا
 اُڑتے جو کہیں غبار دیکھا
 اس دل داغدار کی صورت
 ہو تو تیرے چشم گرنے کا پاب دستہ

پروانہ مراد آبادی - شمسید پروانہ علی - ترک علائق دنیوی منودہ بفسر
می گذراند - اور است

الفت جو کی ہو تم نے میاں اوس کا تھامو یاد دل چلے گئے ہو مرا میرے ہاتھ دو
اپنا تو دل زلمے سے ایسا بہ تنگ ہو جو دم ہو زندگی کا سوئیٹے پہ سنگ ہو
پروانہ - شمسید راجہ جنوت سنگھ ابن راجہ مینی بہادر شاگرد لالہ سرب سنگھ
راے دیوانہ تخلص است - در کھنڈو می گزرا ند - کلامش سوزشے دارد - دے راست
یوں آگ دی جگر کو میں اس دل کے داغ کرتے ہیں جوں چراغ کو روشن چراغ سے
بہل ذرا تو دیکھ کہ گل جیں جین میں آج بو کر رہا ہو گل کے تئیں کس داغ سے
پاکباز شمسید صلاح الدین ابن سید جمال دہلویست - اشعار خود را بنظر
میر عبدالولی عزت و مصطفیٰ خاں یک رنگ می گذراند - کلامش شستہ و صاف - ابن

چند بیت از دوست

مجھے درد و الم رہتا ہو نت گھرے میاں خاں خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاب
جلوے تھامے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں تم تو سخن ہمیشہ ہوا فوسس ہم نہیں
قفس کے دیکھو اے قمری اب میاں کو کرتا ہو خدا جلے کرے گا ذبح یا آزاد کرتا ہو
جواب نہ مرے تو پھر انتظار میں مرے خدا خزاں نہ دکھاوے بہار میں مرے
تمام عمر شرابیں پیائے کے ساقی ہزار حیف کہ آخر خمار میں مرے
ٹیک چند بہار - از شاگردان آرزو - شعر فارسی می گفت و گاہے رنجہ

ہم انشائی نمود - اور است

دہی اک رہیاں جو جس کو ہم تم تارکتے ہیں کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زتارکتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہو کفر کا اسلام میں ظاہر سلیمانی کے خط کوں دیکھ کیوں زتارکتے ہیں
دل کو تمہ عشق سے قرار نہیں اب تک تمھو اعتبار نہیں

گوجہا ہوں میں جان سے لیکن
 کفر و ایمان سبب عشق ہو کیاں مجکو
 اتنا ہوں داغ سرا پا کہ گماں کرتے ہیں
 اس قدر ہو مرے چہرے پر عیاں حیرانی
 خود فراموش کیا اس قدر اب وحشت نے
 جھڑکیاں اُس کی اور مری منت
 ترے فراق میں جب تک کہ داغ داغ نہ ہو
 مبارک ہو تم اپنی زلفت کو اور خال کو دیکھو
 کہوں کیا میں حقیقت اپنی خونباری کی ظاہر ہو
 بیاض حسن میں اے دلبر جاب زدہ
 پناہ زلفت نہ لے کیونکہ کشتہ رخسار
 کیا توقع میں رکھوں غیر سے جب اپنا ہی
 کس بھروسے پہ تو بھولا ہو بھلا لے بسمل
 ہوتا ہو نایاں خط گل سایہ گل سے
 کوچے میں تے نہمت گیسو سے تری بار
 جب دام زلفت ہی کے گرفتار ہو چکے
 دل میں گے کب سمجھ کے کسی کو میاں تر
 وہ کہاں ابرو اور بہار میں ہو
 لاکھوں ہیں گئے تری گلیوں میں بٹے
 اگر تو ہی نہ ہوے جان مجھ پاس
 اک عمر کے بعد جان تجھ کو

جان میں دل ہو جان ہو دل میں
 گہر کہتا ہو کوئی کوئی مسماں مجکو
 ہر کوئی دیکھتے ہی سرو چوڑاں مجکو
 ہو گیا دیکھتے ہی آئینہ حیراں مجکو
 نہ گریباں ہی رہا یاد نہ داماں مجکو
 اس جواب و سوال کو دیکھو
 دل گرفتہ مرا یار باغ باغ نہ ہو
 وئے مجھ سے بھی سودائی پریشاں کو دیکھو
 مری آنکھوں کو دیکھو اورے دھمال کو دیکھو
 ترایہ مطلع ابرو ہو انتخاب زدہ
 دھام طالب سایہ ہو آفتاب زدہ
 دل جدا دشمن و دلدار جدا دشمن ہو
 دوست جانے ہو جسے تو سوتر دشمن ہو
 کیا یا قیامت تری نازک بنی ہو
 ہر موج صبا نازک مشکبختی ہو
 ہر طرح بال بال گہنگار ہو چکے
 ان بے وفاؤں سے خردوار ہو چکے
 جو کچھ اس چشم اشکبار میں ہو
 ایک بسمل تو کس شمار میں ہو
 مجھے پھر زندگی سے کام کیا ہو
 دیکھا ہو میں کس کس آمد و سے

ہی روغن زہے گاداغ مری چھانی کا

بڑھ لے شیخ اکل فرنے بت خانے میں کیا دیکھا

بیتاب جاں بلب ہمد ہا ہر ذرا تو دیکھ

نہ دے آنکھیں دے غم میں نہ وہ گفتار کیا باعث

سچ کہ تو لے مباحہ گلستانِ دہر میں

چلتے بتوں کو دم شمشیرِ آبِ حیات

نیرے کانوں ہی تک پہنچ نہیں سکتے ہیں

قتل کر چکو اسی کے تو سزاوار ہوں میں

سادہ رو دیکھ تو یہ خشک لبی حیرانی

نہ اپنے دردِ دل سے میں تجھے آگاہ کرتا ہوں

کبھی ہو کے دو چار سچ کہو

مری حالت کو چشمِ یار سے پوچھ

جی دیا سر کو ترے پاؤں پہ دھرتے دھرتے

جا تا ہر کہاں دیکھ تو اے یار خبر لے

بیدار۔ از روئے سادہ ہلی ست۔ بخنور کامل شعور۔ ہمعصر خواجہ میر درد۔ دیوانش

یک ہزار بالفصد بیت نظر آمد۔ کلاش دل چپ و استمش میر محمدی۔ این ابیات از

منتخب دیوان اوست کہ تحریری آید۔

کنا یا بی سے تیری یار تار آرزو ٹوٹا

طلب میں تیری تنہا ہی نہ پائے جستجو ٹوٹا

یادِ حرائی بہلاید ہر گریہاں کار نو ٹوٹا

کیا ہنگامہ گل نے تو میرا جوشِ خوں تاہ

تجھے چیر دل گا آری سے جو اس ایک ٹوٹا

سمجھ کر کھو لیو کا کل کے عقد دل کو تو لے ش

جس دل میں تو مقیم تھا وہاں غم نے گھر کیا

غیرت نہ آئی تجھ کو سنگ مرہزار حیف

۷۴
 پاؤں یا رقت نصیب جنا ہوا ہم ہاتھ ملتے ہی بہتا سدا رہے
 تجھ سا کوئی نہیں ہر زمانے میں برد کیوں کر نہ مبتلا یہ تر امتلا ہے
 خط نہیں ہر یہ خط مشکیں ترا مصحفِ رخسار کی تفسیر ہے
 یہ سجات سرخ لے قاتل ترا خونِ بسل ہے کہ دانگیر ہے
 پھنس چکے دامِ محبت میں تھے آگے کار فرمائے قضا دیکھے کیا کرتا ہے
 ایک دن جان ہی جاوے گی تری لے بسل کو چہ یار میں جاتا ہے برا کرتا ہے
 دُور جب سے ہوں یار جانی سے ہوں خفا اپنی زندگی گانی سے
 لبِ تلک آہ آ نہیں سکتی آہ صد آہ نا تو انی سے
 اڑ گئی نیند ایک عالم کی رات بسمل تری کسائی سے

میرمن بہادر بیتیاب تخلص سید صبیح النسب بود۔ بخدمت بخشی گری نواب
 سراج الدولہ ناظم بنگالہ امتیاز داشت۔ در جنگ فرنگیان د کال شجاعت و جانبازی
 کشتہ شد۔ گاہے شعری گفت از دوست

عبث خیال ہر دل کو خوشی کا دنیا میں کہ سایہ رم آہو میں کن نے خواب کیا
 بہت ہے یار سے ملنے کی آرزو بیتیاب یہ دعا کو ہمارے خدا اشتا بکرے
 شاہ کھولد شاہ کمال متوطن دہلی درویش صاحب حال بود۔ سخن شود انگیز
 می گفت تخلص او پاکباز۔ شعرش اینست۔

کماں تک ل جلے اور کب تک چشموں سے آئے مزا انیت کا کچھ نہیں جل یارب ثنا آئے
 نظراں خوش بین کو نہیں مے احوال پر اک تل مجھے کیونکر نہ ہم چشموں کے آگے ابجا آئے
 کماں بیدار ہیں تھے نصیب لے پاکباز ایسے کدھر کو اس کے زانو پہ رکھوں اور مجھ کو خوا آئے
 میر محمد علیم بیتیاب۔ اوراق چند از سخنانش دیدہ شد۔ آشفگی و شفق لہر دکاش

ہو یا۔ از دوست۔

تم بن ہر انک خوں آنکھوں سلطان اس قدر
 گلشن میں گر دکھیں مجھے ہوں نبل دنگس نجل
 آیا تھلا ت خواب میں وہ سرو خوش خسر ام
 بسل ہی ہو کے جان گناہے ہزار حیف
 آج ساقی دیکھ تو کیا ہو عجب رنگیں ہوا
 جس طرف کو دیکھے بیدار تیرے انک سے
 کیا ہو گے گلشن میں کر لے عزیزاں شاد ہم
 نہ پر پرواز ہو بیدار نہ فصل بہار
 سایے کی طرح سے وہ پری نہ
 تیرے دندان لب رنگیں کی لے دریا حسن
 دیکھ تیرے منہ کو کچھ آئینہ ہی حیراں نہیں
 شتابی آکے مجھے تاب انتظار نہیں
 تک آکے دیکھ تو بیدار کے جگر کے داغ
 تجھ بن ہو بے قرار دل لے ماہ کیا کروں
 جی کے سوا کچھ اور نہیں اب بساط میں
 شب ہجراں میں نلو چھوکیں کیا کرتا ہوں
 آہ کر لے جان تو مست شرب آغوش میں
 صبح تک ہر شب ہی رہتا ہو مجھ کو انتظار
 دل کو رہتا ہو زلیں محو تماشائے خیال
 صفائے دل کو گھر سے فزوں تیرے دن لک
 اڑ گئے جل کے سبھی بال و پر پروانہ

برانہیں بے تک کہیں ابر پیاراں اس قدر
 دل ہو پڑشیاں اس قدر اکھیں ہر حیراں اس قدر
 بیدار چشم سے ہو دل جوے خوں ہنوز
 ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے ہزار حیف
 سرخ لے کالی گھٹا اور سبز ہی مینا کارنگ
 ہو رہا ہو سرخ کیسواں صحر اکا رنگ
 روئے ہر گل کے گلے لگ بار کو کر یاد ہم
 کس توقع تیرے سے ہو دس اب آزاد ہم
 جید ہر گز ما اُدھر گئے ہم
 کیا تعجب ہو اگر ہو گوہر و مرجاں میں دھوم
 تجھ رخ روشن کی ہو ہر دم تاباں دھوم
 کسی طرح سے رے دل کے تئیں تو نہیں
 کسوچن میں مری جان یہ بہار نہیں
 کشتی نہیں ہو سب کی شب آہ کیا کروں
 جاتا ہو بار گھر کو میں ہمراہ کیا کروں
 صبح تک شمع کے اندھ جلا کرتا ہوں
 ہوئے حشر کدل حامد کباب آغوش میں
 آہ کب آوے گا میرا آفتاب آغوش میں
 دلت کو دیکھے ہو دل تیری خواب آغوش میں
 کیا تجھ لے ہم رنگ خیالت لعل و مرجاں کو
 کچھ بھی لے شمع تجھے ہو خسر پروانہ

اس کھیل سے کہ اپنی مژدہ کو کہ باز آ
کروں ہوں شاد دل اپنا ترے تصور سے
غم فراق اگر ایسا جانتا بیتدار
شع سے روشن ہوا یہ نکتہ رات
کیا کیا بیدار تو نے ہو غضب
بھول جاوے گی تجھے کوہ کنی لے فریاد
بھرا نہ شل نگین نقش زخم کے دل کا
دل فگار مرا خاک و خون میں تر پیچ کر
ایک بھی تار نہیں تاسر دامن ثابت
سیل اشکوں سے دیا خانہ مردم کو بہا
نہیں رہا ہر کیسو کہ اب اختیار بدل
بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہو جلوے
یہ کون پئے شکار نکلا
بچنے کی نہیں امید بھٹکا
تھے جس کی تلاش میں شب و روز
صاف کر دل تاکہ ہو آئینہ دیدار یار
جام و آئینہ کو لے بیدار تو اودھر ہی رکھ
کیا ہو قتل زبس تو نے بے گناہوں کو
سجا ہو زور ہی بیدار دوش پر اوس کے
جو وہ خورشید طلعت خام کو بوبام پر ظاہر
ہزاروں نالہ جاں سوز دل بر بلو جاتے ہیں

عالم کو نیزہ بازی سے زیر و زبر کیا
اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیس کیس کرتا
تو اپنے دل کو کسی سے نہ آشنا کرتا
سر سے جو گذرا سو کا مل ہو گیا
ایسے ظالم کے مقابل ہو گیا
جاں کنی اپنی اگر دل مرا دکھلاوے گا
رہے گا مشترک نام میرے قاتل کا
تو اے دیکھ تماشا ملک اپنے بسمل کا
یوں کبھی چاک گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
چشم خونبار سے طوفان نہ ہوا تھا سو ہوا
کیا ہو قصد مگر تو نے دلربائی کا
تس پر بھی تو نہ دیکھے تو ہر قصور تیرا
دل ہو کے امید وار نکلا
تیرا اس کا جگر کے پار نکلا
پاس اپنے ہی وہ نیگا ر نکلا
مانع روشن دلی ہو زنگ ہی آہن کے بیچ
دونوں عالم جلوہ گر ہیں سب دل روشن کے بیچ
ہوا ہو کو چہ و بانا ر فرش غم سرخ
بھائے ہار مے تخت دل کا بکھل سرخ
نہ ہووے صبح مشترک فحالت سے قمر ظاہر
کبھی لے آہ کچھ تیرا بھی ہووے کا اثر ظاہر

دیکھو کر نہ غم کی لذتیں ہم پر حسرتِ رام
 سو زہل کیونکر کرولیں شعلہ خوار گئے بیاں
 ہوں میں وہ دیوانہ نازک مزاج گل رُخاں
 افکِ محکوم گرا بھی آنکھوں سے جاری کیجئے
 آہ اس اتم سرا میں روئے کر کس کو یاد
 خواب میں بھی اوس کو ہم تک پہنچنا دو بھر ہوا
 خوابش روشن دلی گر ہے تو اپنی چشم کو
 آخر اے بیدار دیکھا تیرے جی پر کیا بنی
 اٹھ کے لوگوں سے کنارے آئے
 گر اجلات ہو تو پروانے کی طرح
 نشے میں جی جاہتا ہے بوسہ بازی کیجئے
 چاہیے جو کچھ، سو ہو پہلے ہی سجدہ میں حصول
 زائد اس ماہ نہ آست ہیں مے خوار کئی
 اس قدر شک کا دیا ہوا جلدی تجھ بن
 کف پا میں ترے صواری نشانی بیدار
 جی تو جفا سے تیری آنکھوں میں آ رہا ہے
 بد چھو جو است ہم سے نہ سرو ہے دشمناد
 تجھ بن اے ماہ رو کبھو محکوموں
 اس کے مذکور سے سوا بیدار
 میر مجلسِ رنداں آج وہ شرابی ہے
 تیرے لئے پری بکیر سینے پر نہیں پستاں

ہوسمجہ کر آٹھ اے نالہ مک تاخیر سے
 شمع کے مانند جلتی ہے زباں تقریر سے
 کیجئے زنجیر جس کو سایہ زنجیر سے
 نثرم سے پانی نچے ابر بہاری کیجئے
 اپنے ہی احوال پر جو شمع زاری کیجئے
 دلہ داے نثرم یہاں تک پردہ داری کیجئے
 آئینے کی طرح صرف خاکساری کیجئے
 ایسے خالم سے میں کتنا تھانا یاری کیجئے
 کچھ ہیں کتنا پہلے آئے
 صدقہ کوئے کون تھامے آئے
 اتنی نصحت دیکھتے بندہ لوازی کیجئے
 آپ کو گر کعبہ دل کا نمازی کیجئے
 ابھی یہاں چھین لیے حبیب و دستار کئی
 بہ گئے سیل میں اکشر درود یار کئی
 مر گیا تو بھی پھپھولوں میں رہے خار کئی
 اس سے اب آگے خالم کیا تیرا مدعا ہو
 قد قیامت اُس کا سرتا قدم بلا ہو
 چاندنی رات خوش نہیں آتی
 اور کچھ بات خوش نہیں آتی
 خونِ دل جسے میرا بادہ کھلائی ہو
 طاقِ حسن پر گو یا شمشیرِ حلائی ہو

قہر سے شمع کی کھنکھ نہیں جھونے بیتدار
 ہل آسا ہوا ہوں نا توں اُس ملہ کے غم سے
 دیکھ تھہ کا کل مشکیں کی ادائیں شانہ
 اُس کے بھڑکے تے مرہم کا کل سے زخم
 حسرت گیوے مشکیں میں رہے جو بیدار
 کیونکہ عاشق سے بھلا کو چہ جانماں چھوٹے
 کس کے آگے میں کر دں چاک گریباں کتہیں
 غرق ہو جاویں پک لہرتے لاکھوں طوافاں
 دامن وصل صنم ہاتھ گر آوے بیتدار
 رکھتی ہے زرد سیمولے رے ادب سے
 معنی ہو جسے تجھ نگہ چشم نے مستی
 نوحا ہے نہ مہر و الفت ہے
 جو تو ہو پاس تو دیکھوں بہار آنکھوں سے
 میں یاد کر دُر دندانِ یار روتا ہوں
 تک آکے دیکھ تولے سرو قد مرا احوال
 ہوا ہر دیدہ بیدار گل فشاں جب سے
 ہم ہی تنہا نہ توی چشم کے بیار ہوے
 لبید نگیں ہیں توے رخکِ عقیق مینی
 زلف اس دُرخ پہ مباس جو پر خیاں ہو جا
 عین تو کیا چیز ہوں بیدار کہ ہوں اُس پہنڈا
 تیری مڑگاں ہی نہ پہلو ملتی ہیں حیر سے

رشتہ مہر سے باندھا ہے پر پر و انہ
 دکھاوے گا اُسے بکھرے لے آسمان سج کہہ
 دونوں ہاتھوں سی لیتی ہے بلائیں شانہ
 ہاتھ اٹھا کیوں نہ کرے تجھ کو کھائیں خاد
 استخوان اس کی کا لازم ہے بنا نہیں شانہ
 بیل زار سے ممکن نہیں بستاں چھوٹے
 جو ترے ہاتھ سے ناصح مراد ماں چھوٹے
 اشک ریزی پہ اگر دیدہ گریباں چھوٹے
 تو مرا پنجہ ہجر اں سے گریباں چھوٹے
 رنگس تری آنکھوں کی خریدار نہ ہووے
 وہ مست قیامت کو بھی ہشیار نہ ہووے
 اے شکر یہ کیا قیامت ہے
 وگرنہ گرتے ہیں گل خار خار آنکھوں سے
 ٹپکتے ہیں گھر آبدار آنکھوں سے
 دواں ہے غم میں ترے جو بلداں آنکھوں سے
 گرا ہے تبستی ابر بہار آنکھوں سے
 اس مرض میں تو کئی ہم سے گرفتار ہوے
 زبید بتی ہے تجھے نام خدا کم سخی
 سحر و شام ہم دست دگر بیاں ہو جائے
 گر پری دیکھے کھٹکس کہہ کو تو فریاں ہو جائے
 ہمسری کہیں ہیں ابو بھی دم شمشیر سے

۸۱
 ارنجب سے اٹھایا اپنے چہرے سے نقاب^{۸۱} طعن کرنے سے مرے تاہم ناصح کو مجاب

بستل۔ نام و فتنش معلوم نشد۔ دے راست

لو پی رہ گیا بستل و گرنہ ملا تا اپنے تئیں عفا ک خوں ہی

حرف التاء

میر عبدالحی تالپاں دہلوی۔ در شرافت و نجابت طلاق و در حسن و دلبری شہرہ
 آفاق بودہ۔ میر مسطور رافقیر ہم در عہد محمد شاہ مغفور دیدہ بود۔ کلامش نازکی دادا با دارد،
 صاحب دیوانست۔ دے راست

نہیں کوئی دوست اپنا بار اپنا مہربان اپنا	سناؤں کس کو غم اپنا الم اپنا فغاں اپنا
نہ طاقت ہے اشارے کی نہ کئے کی نہ سننے کی	کہوں کیا میں سنوں کیا میں بتاؤں کیا بیاں اپنا
ہنس جا ہا کہ آوے یار تا اس دل کو مبرا آوے	نہ یار آیا نہ مبرا یاد یا میں جی نہ اے اپنا
مجھے آتا ہے رونا ایسی تنہائی پر لے تا باں	نہ یار اپنا نہ دل اپنا نہ تن اپنا نہ جان اپنا
زنگیلا مراباغ میں کل گیا تھا	اُسے دیکھ کانٹوں پہ گل لٹا تھا
مجھے لے کے ظالم سے دل نے ملایا	نفل میں یہ دشمن کمال کا دھرا تھا
میں اپنے دل کو غنچہ تصویر کی طرح	یاب کبھی خوشی سے نہ دیکھا کھلا ہوا
بڑے گامبرے اور یعقوب کے شبہ قیامت کو	کہ میر پیر بہن بھی دیدہ گریاں سے نم ہو گویا
جفا پاپنی پشیاں نہ ہو ہوا سو ہوا	تری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا
نہ پانی خاک بھی تا باں کی ہم نے پھر ظالم	وہ ایک دم ہی تیسے روبرو ہوا سو ہوا
ترے خط کے آنے سے اے سرو قامت	سب آزاد ہوں گے یہ تا باں نہ ہو گا
گلی میں یار کی میں پاؤں رکھ سکوں کہہ نہ کر	کہ و حال تو حکم نہیں مجھ کو جبہ سائی کا
ہیں بہت جامہ زیب پر ہم نے	کوئی دیکھا نہیں تری چھب کا
میرے روزِ سہ کو وہ جانے	دکھ پڑے جس پہ ہجر کی شب کا

صبح ہونے سے پہلے رات ہوا بھی باقی
 نگئی تیری سرکشی ظالم
 جی میں بیدار کھپ گئی میرے
 دل میں رکھتے ہی رہے ہم یہ تنہا اُس سے
 قیمت ہوسہ لعل اب اگر چاہیے جان
 جب میں بیدار ہو پوچھا تو کہا ہو وہ کون
 عہماں ہے کل تری یوں ہمارے سینے سے
 گیا ہے جب سے تو دیراں ہو گھر کے دل کا
 کہے ہو بس کہ یہ گردش میں مدوز گار مجھے
 سیا تو ہو پہ کوئی دم میں اس گریباں کا
 یا ختم رسل غرق گناہ آیا ہوں
 بحر رحمت میں اپنے دھو ڈالو تمام
 نہ وہ کی میرے کچھ خبر ہو تجھ کو
 ہو جو تو آئینہ روا اپنے کا
 گزری اک عمر مجھ کو روتے روتے
 بیدار شبِ فراق ہو بس کہ دراز
 بے کل - امش سید عبدالوہاب - وطنش دولت آباد - شاگرد میر عبدالولی عریقت۔

مفرق اشارش دیدہ خد - از دست

جگایا مجھ کو کس کم نعت نے ہاے
 مراد گل رُخاں سب بات لے گئے
 مری آنکھوں کے آگے وہا بھی تھا
 حنا کی طرح ہاتھوں بات لے گئے
 دل بیکل کو راتوں رات لے گئے
 تری زلفوں سے کئی کئی چہرے دکھلا

زاہد ہوا ورتقویٰ عابد ہو اور مصلاً
 آہا نہیں وہ شوخ تو کچھ ہم کو غم نہیں
 جس پر وہ شوخ جان کے عاشق جفا کرے
 قسمت میں کیا ہو دیکھیں جیتے کچیں کہ بڑاں
 رخسار دیکھ تیرا اگلے گل بدن خوشی سے
 لما یا خاک میں گھر کو گن کا ہاے خسرو نے
 غم وصل میں ہی ہجر کا ہجر میں وصل کا
 کیا کیا خرابیاں ہیں ترے واسطے سہیں
 جس دل سے انکھریاں ترمی اُس کو نظر میں
 گئے اے ترے برباد ماند جس چپ رہ
 ظالم ہو یا سنگمرگانکا ہو یا سیاہی
 تیری مبر کو نہ چھوڑے گا مراد دل ہرگز
 اگر جوٹا بہن کر بادے کا ماہ رو آتا
 نہ جی گتا ہو اب گھر میں نہ مہرا ہم کو بھاتا ہو
 محفل کے بیچ سن کے مے سوز دل کا حال
 بتوں کے شہزادہاں میں کوئی کیا داد کو پہنچے
 نرے سحر میں کچھ خوش آتا نہیں ہو
 ہوتا ہوں جو تیرا اشتہا قی ساقی
 ہے مجھ کو خار شب کا لامسج ہوئی
 تصویر مرخدا آبادی - شہزاد شاہ جواد علی - مرد درویش و نوش سخن صورت

گلا مثل اینست

مجھ پہ ہر روز جو کرتے ہو حکومت صاحب
کل جو تاباں کے تئیں میں نے تمھارے دیکھا
مرا پس ہونو ہرگز خط نہ آنے دل سے لیکن
تارے نہ جانیو یہ مرے تیرا آہ سے
وصل کی شب باکس جلدی سے بھجاتی صبح
پاس تو بیٹھا ہو چنچل پر گلے لگتا نہیں
گل زمیں سے جو نکلتے ہیں بزرگ شعلہ
دیکھ نامد کو مرے یار نے پوچھا تاباں
نہیں فلک شفق لگ گئی ہو اے تاباں
جی نکلتا ہو یہ دل کی آرزو ہو دل کے بیج
تجھ کو ہر گز دل نہ لوں سے لے خود کام کام
پوچھا میں اُس سے کون ہو قاتل مر ایتنا
توے پاس عاشق کی عزت کہاں ہو
یہاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
میں شکوہ کروں جو ظالم سے لیکن
جو اُس کی کمر میں نے دیکھی ہے تاباں
جفا تو جا ہیے اسے شوخ تجھ یہ پھل تک کر
ہے ایشک ادب کے آنکھوں سے میری
تو بال کھول نہا یا تھا ایک دن اب تک
رغم میں بدتا ہوں تو صبح کہیں شام کہیں
ساتی ہوا درجین ہو جانا ہو اور ہم ہوں

کون سی کی ہے مرے ساتھ مروت صاحب
حال پر اس کے مجھے آنکھیں رقت صاحب
نصیبوں کا لکھا کوئی شاسکا ہے کیا قدرت
سوراخ ہو گئے ہیں سبھی آسمان کے بیج
کیا نرا دلدار کی صحبت کا کھ جاتی ہو صبح
نہیں کرتے ہی ساری رات بھجاتی ہو صبح
کون دل سوختہ جلتا ہو تہہ خاک ہنوز
کیا مے ہجر میں جیتا ہو وہ غم ناک ہنوز
ہماری آہ کے شعلہ سے آسمان کو آگ
لئے اس دنیا سے یوں حسرت بھر جاتے ہیں ہم
مفت تیرے ہجر میں میرا ہوا بد نام نام
کنے لگا کپڑے کے وہ تیغ و سپر کہ ہم
تجھے بے مروت مروت کہاں ہو
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہو
مجھے آہ و نالے سے فرصت کہاں ہو
رگ گل میں ایسی نزاکت کہاں ہو
کہ سب کہیں مجھے حسرت تری وفا کے تئیں
لب جو ہوا ہے کتنا رگربہاں
ہر ایک موع کو ہو تیج و تاب دریا میں
چاہنے والوں کو ہوتا نہیں آرام کہیں
باران ہوا دہوا ہوا بسبزو ہوا درہم ہوں

۱۔ نہیں میں آپ سے کوچے میں یار کے
 شبِ فرقت میں تجکو یا جب میں یاد کرتا ہوں
 دشت میں خاک بسر بھرتے ہیں غم کرتے ہیں
 کشوریں میں جاری ہو یہ رسمِ دائیں
 قاصد یہ کیوں اس سے اتنا نہ کرتا غل
 یاد میں زلزل کی ملک آنکھ جو گھ جاتی ہو
 قاصد کو بھیجتا ہوں یہ دھڑکے ہو دل مرا
 لگی آہ بھی کرنے دل پر گرائی
 داغوں کی مے دل میں تیرا وہ جلوہ گری ہو
 کہتی ہو جسے خلق کہ ہو قاتلِ عالم
 ہم نے سو طرح جاں فشانی کی
 شیشہِ دل کو لے کے چور کیا
 تجھ سا خونخوار جو منظور نظر رکھتا ہو
 کتابوں تجھ سے ہیں میری بات مان لے
 آشنا ہوو میں بے وفا کس کے
 کوچے سے تیرے دل کو ہم لے یار لے چلے
 گر جانتے کرے گا ایسے سلوک ہم سے
 راہِ عدم میں چھوڑ چلے تم کہاں مجھے
 لٹاقتی سے دم مجھے لینا عیاں ہو
 ہنس بولنا تو ایک طرف آرزو یہ ہو
 نام لینا ہو تمنا کا جو کوئی اس کے ضد

لانا ہو کھینچ کر مجھے بے اختیار دل
 کبھی سر کو ٹکنا ہوں کبھی فریاد کرتا ہوں
 لگ جس بات کو ہنسنے تھے سو ہم کرتے ہیں
 مار ڈالیں ہیں اُسے جس پر کرم کرتے ہیں
 مارے ہی ڈالنا ہو اب انتظار تجھ بن
 آجگنا ہوا ہو وہ نہیں خواب پریشاں مجھ کو
 اس دل ربا کو دیکھتے ہی مبتلا نہ ہو
 اب اس حد کو پہنچی مری نا توانی
 جو دیکھتے ہو کہ شیشے میں برسی ہو
 میں سامنے ہوں اس کے یہ کیا بھگری ہو
 تو بھی تو نے نہ مہربانی کی
 واہ وا زورِ قدر دانی کی
 پھر مرنے سے کوئی اپنے وہ درد رکھتا ہو
 دل لے کے کیا کرے گا مری جانِ اجالے
 بے وفا ہیں یہ آشنا کس کے
 چنگکا بھلا لے آئے تھے بیمار لے چلے
 کا ہے کو ساتھ لاتے اس دل کو ہم عدم سے
 ہوں نا تو اں نباہ لو اسے ہر ماں مجھے
 آہ و فغاں کروں میں یہ طاقت کہاں مجھے
 گالی ہی دے کہیں مرا غنچہ دہاں مجھے
 بول اٹھتا ہو کہ میں خوش نہیں دہانے سے

قد قامت اُس بت مغرور کا^{۸۴} اک جھٹکا ہر خدا کے نور کا
تقی دہلوی۔ ایش میر تقی میر دہلوی۔ عکاسی عکاسی کند

تجھ ہجر میں اے لشکرِ خواہاں کے شاہ سینے پر غم سے ہر بہ حالت آہ
جیسے رکنی ہر پل پہ دیا کے بھیڑ تیجھے کو نہ بھر سکے نہ آگے کو راہ
میر عبداللہ تخلص دے تجھ دو شاگرد سید عبدالولی بودہ۔ این شعر از موسوع شد
تجھ درویش لطف ہر کہ فلک کو خبر نہیں خورشید کیا ہر اس کی فلک کو خبر نہیں
صلاح الدین تکیہ۔ خرویش درند مشرب بودہ۔ از دوست

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایسا دیکھا مجھ کو دیوانہ کیا اُس کو بری زاد کیا
مرزا علی رضا نے تمنا۔ مولدش عظیم آلو۔ دارنگی مزاج و استغنا از اہل دنیا
بسیار دارد۔ طرز گفتارش ب فصاحت تمام است۔ بسبب بیماری خفقاں طبع نزاکت
شعارش تاب بجوم فکر نمی آرد۔ گاہے گاہے غزلے انشائی کند۔ متفرق اشعارش
دیدہ شد۔ از دوست

سن کر کے نام میرے دل لرغ دار کا	منہ زند ہو گیا ہر چین میں بہار کا
دشمن جاں ہوا وہی آخر	جس کو سمجھے تھے دوست دار اپنا
بے کسی کے سوا نہیں کوئی	ہجرت اس کے علم گسار اپنا
جسے تو چاہے اسے اپنے دل میں جا دینا	پرانا یاد رہے مجھ کو مت بھلا دینا
راہ عدم کے خون و خطر کو سٹا دیا	تھا پاس نقد دل سو اسے بھی لٹا دیا
ہر ہی یہ کیا ستم ہے کہ بیوقوف کے واسطے	کوچے سے اپنے بارے ہم کو اٹھا دیا
جنش با برہی اُس کی لے چکی تھی جی مرا	مازنا تو دار کا بھی اک بہانا ہو گیا
دل نے یہ نالے کیے اود کی یہ زاری رات	کہ کھک سے کھک اپنی نگہ ساری رات
اس دل جلکی آہ گراوے زبلیں تک	جلنے لگے زمین سے لے آسمان تک

عاقبت حم نے بے وفائی کی ^{۸۶} واہ کیا خوب آشنائی کی
 جگو لے کا کبھی صدر کہ بھی صرصر کی زحمت ہو ہماری خاک یوں اُڑتی پھرے لے ابر حمت ہو
 بھان تک لکھ تو سہل سے لایا ہم نے پھر جو اپنے تئیں دیکھا تو نہ پایا ہم نے
 رکھتا ہوں میں اس طرح دل تنگ میں آتش نغصی ہو دے جو نگر جگر تنگ میں آتش
 ثابِت۔ امش شجاعت اللہ خاں۔ بولدش پانی پت۔ از شاگردان مزا جعفر علی

حسرت و از فرزند ان نواب دلیر خان است۔ اور است
 آتے ہجرت تو دن میں کئی بار اس طرح پر دیکھتے نہیں کبھی اے یار اس طرح

شہاب الدین شاقب دہلوی۔ از دست
 شاقب کی نقش ادب پر قاتل نے آکے پوچھا یہ کون مر گیا ہو کس کا ہو یہ جنازا

حرف ابجیم
 محمد روشن تخلص بہ چوشتش۔ بنوطن عظیم آباد، از فرزند ان جہونت رائے
 ناگراست کد کمالی اقتدار رفیق راجہ رام نرائن ناظم عظیم آباد بودیشا الیہ از صغر
 سن رغبت بہ اسلام داشت چون کد تمیز رسید بشریف دین احمدی مشرف گشت۔ فقیر
 احوال ایشان مفصل از بھگونہ رائے خلف جہونت رائے کہ فیما بین خصوصیتہا و
 دوستیہا مست معلوم نمود۔ مردیت قابل و طبعش بہ نکتہ سنجی مایل۔ کلاش مرغوب طبع سخن
 سخن و در نظم و نثر صاحب استعداد۔ دیوانش دو ہزار بیت دیدہ شد۔ از اشعار ترغیہ

اوست

حوال دیکھ کر مری چشم پر آب کا دریا سے آج ٹوٹ گیا دل حباب کا
 جن میں کو کچھ آیا ہو اُس کی کاکل کا جو اس قدر ہو پریشان حال سنبل کا
 دیکھ کر رنگ منم تیری جفا کاری کا کوہ کن ہو تو نہ دم مارے وفا داری کا
 دیکھ کر حسن گلزاروں کا خانہ دیراں ہوا ہزاروں کا

شہرت ایسی ہو جہاں میں تری بیدادی کی ^{۹۶} بات سنا نہیں کوئی کسی فسر یا دی کی
 چل اُس سے مل کے ہر دل بے نصیب ہم سے نالائقی ہیں جس کے ہاتھوں لکھوں غریب ہم سے
 غیر کو منع کرے یہ نہیں مرضی تیری باز آویں گے ہمیں یار ادھر آنے سے
 خواجہ محمد علی ولد خواجہ عبداللہ تائید۔ از موطنان عظیم آباد است۔ جوان
 شاید شکو اطوار و طبیعتش را غیب بنظم اشعار آبدار۔ این ابیات رحمتہ اور است
 کہاں جاویں کس سے کہیں حال اپنا کیا عشق نے تنگ احوال اپنا
 کب تک صدے فوجہ دل ہم سنا کریں تنگ آگئے ہیں زہیت سے اللہ کیا کریں
 حسن عالم گیر تیرے کا یہاں تک شور ہو جس جگہ دو بیٹھے ہیں تیر ہی واں ٹٹک رہی
 تمنا از دہلی است۔ اور است

زنگستاں کے تماشا کا اسے شوق نہیں آج دیکھی ہیں تنانے تمہاری آنکھیں
 ترناطف پر اس کے نہ بھول تنانہ ہو غافل کہ آخر منہ دکھانا ہو تجھے اک روز حرم کو

حرف النساء

ثابت۔ نامش اصالت خاں۔ مرویت سپاہی پیشہ۔ طبع موزوں دارد۔
 و شاگردی مرزا فدوی دہلوی۔ از دست

کیا بیاں کیجے کیا کیا دیکھا مسکرانے میں ترے لے ظالم
 اسے بھولنا مت دریا یاد رکھنا ہمیں پر سدا جان بیدار رکھنا
 اپنے تئیں وہ بھولا جن نے تجھے پہچانا اک آن تجھے جس نے دیکھا سو ہوا بے خود
 آفتابی سپر ہلا لی تیغ قتل پر آج کس کے باندھی ہو
 تکلف بر طرف ہم جانتے ہیں ستم اے بھولیاں تیری جفا جو
 قدمت خدا کی آوے نظر آفتاب کو وہ ماہ و چہ منہ سے اٹھاوے نقاب کو
 میں اُسے جانوں یا خدا جانے زورے دل کا حلال کیا جانے

دے کے دل پھٹانے سے ہوتا ہے کیسا
 ہمارے آہ کے صدمے نہیں اٹھانے کا
 نہ پھولتا ہے شگوفہ نہ غنچہ کھلتا ہے
 جا دو کیا نین نے پلکوں نے بان مارا
 عارضہ بیخظ نکلنے قسمی ہے تھے ہم سے
 لے ترک چشم اب بھی ترکش کرے کھولو
 مرنے کا غم جس کچھ انسو سے ہو تو یہ ہے
 منتقل میں دیکھ مجھ کو کہتے ہیں خلق جوشش
 لے زلف یار سچ ہے کہ صحبت میں ہوا اثر
 کن نے دیکھی نہ تمہارے کعب پا کی صورت
 جس کے سینے پہ لگا اُن نے نہ مانگا پانی
 اُسے نامہ لکھا ہم نے تو مرغِ روح کو سوچا
 گرہ باندھی غنچوں نے طرزِ تبسم
 مطلق نہیں احوال کا ظہار کی طاقت
 اکٹھ گرم آنکھوں سے تاصبح رہے جاری رات
 ایک دم بھی مرے پہلو سے سر کے ظالم
 غیروں کو دیکھ دیکھ تری آنکھیں کے بیچ
 خواب میں بھی نہیں جمعیتِ خاطر اُس کو
 آہ اس انک کے سبب میں بتے بہتے
 گو وہ جیاں کر اپنے گریباں اڑائے صبح
 روٹھے ہوئے کب تئیں نہات کچھ نہیں
 ہوئی تھی سو ہو چکی روتا ہے کیسا
 یہ چراغ نام کمں ہے کسی زمانے کا
 جن ہوں شور پڑا کس کے سکڑانے کا
 اُس چشم پر فوں نے عجیبو ندان مارا
 ان لہو خطوں نے قرآن رکھ درمیان مارا
 تووے کی طرح سینہ سارا تو جھان مارا
 تو نے نہ اپنے ہاتھوں اے بدگمان مارا
 کس ترک سنگ دل نے ایسا جو ان مارا
 مجھ کو بھی تو نے آپ سا آخر بسا دیا
 جی کا دل خوں نہ ہوا برگِ خنا کی صورت
 ہے ترا تیر گم تیر تصف کی صورت
 کہ نا دیکھے کہو تیر بھی نہ اس کے ہم کی صورت
 جن میں تھے مسکرنے کی دولت
 کیا طاق ہوئی اس لہو باری کی طاقت
 آہ انگاروں پہ لوٹا کیے ہم ساری رات
 خوب کی مدد و الم نے مری غم غولری رات
 جلتا ہوں شل شمع سدا پیر جن کے بیچ
 جو گرفتار ہے اُس زلف پریشان کے بیچ
 آگے خارِ مزہ ساحلِ دمان کے بیچ
 بر سرے چاک جیب کی خوبی نہ پائے صبح
 دھڑکے ہو دل مر کہ کس ہونہ جائے صبح

مجھ پہنت کھینچ تیغ ناز واد
 کل جو اُسے دیکھ کر ہو گئے ہم بے خبر
 تجھ سے ظالم کو اپنا یا کر کیا
 وہ کہاں ابرو مرا جب جیس بلبرو ہو گیا
 گریوں ہی یہ بول دے پئے آزار رہے گا
 یہ حلقہ شب تم جو کبے جاتے ہو پیار سے
 جیوں شانہ دسترس نہ بولنی زلف یار تک
 ہم چشم کیوں کیوں میں اسے شعلہ زار کا
 سر کا رہے خودی کا یہ مختار کار ہو
 گو کوئی کاٹ بھی لے سر ترے دیوانے کا
 ہاتھ اٹھا تا نہیں لے یار جو سلجھانے سے
 آیا جو یاد حلقہ زلف بناں مجھے
 لکھ دی دل میں نگ لے آو سوزاں کیا کیا تو نے
 تمنا یہ عشق میں یہ دل ناتواں جلا
 سیل سرخک و آہ زخربار سے مری
 جس جگہ بیٹھے اٹھ نہیں سکتے
 جیسا کہ دل پہ زخم ہو اس کے خندنگ کا
 اُس خعلہ کے وصل کی شب یاد آگئی
 سامنے اُس کے رو نہیں سکتا
 آگ غفلت تک ڈھتا ہو
 اُس کا خندنگ داغ جگر سے گند گیا

ہیں ہوں کشتہ تھے اشاروں کا
 ہنس کے وہ کہنے لگا پھر بھی ادھر دیکھنا
 ہم نے کیا جبر اختیار کیا
 جھوٹے تیرنگہ دل میں ترازو ہو گیا
 اک روز نہ اک روز مجھے مار رہے گا
 کیا تب تئیں جیتا ہی یہ بیمار رہے گا
 ہر چند سو جگہ سے یہ دل چاک ہو گیا
 عالم ہی کچھ جدا ہو دلِ دلغ دار کا
 کیا اختیار ہو دل بے اختیار کا
 پر یہ سوداے محبت تو نہیں جانے کا
 دل تری زلف میں الجھا ہے گزشتہ کا
 ہر داغ دل کا نافہ تانا نہ ہو گیا
 جلا تیا ہو اپنے ہاتھ سے کوئی بھی گھر اپنا
 اند نخل شمع ہر اک استخواں جلا
 جوشش زمین بہہ گئی اور آسماں جلا
 نور عالم ہو ناتوانی کا
 گلشن میں لیک گل نہیں اس آٹ رنگ
 دیکھ اضطراب شمع پہ جوشش تنگ
 جب رملوں پہ بھی ہو نہیں سکتا
 دل کے داغوں کو دھو نہیں سکتا
 کیا تیر تھا کہ صاف سپرے گزر گیا

چلبے سے تیرے چشمِ غورِ شہیدِ حبیبیتی ہو
 یہ دل کسی دشمن کو اٹھ نہ دکھلاوے
 روشن ہو آفتاب کے مانند داغِ دل
 گلزارِ محبت میں نہ بھولے نہ بھلے ہم
 لوہو کی طرح جم گئے تلوار کے منہ پر
 بے رحم کسی نے نہ خبر لی تیرے در پر
 نہ ہووے فتنہ خوابیدہ ہر طرف بیدار
 جلوہ گر دل ہو دیدہ نم میں
 چان اُس کے نشا کر جو شیش
 کرے ہیں جو رکاتیرے ہی شکوہ یا آپس میں
 جفا سے تو نہ باز آوے وفا سے میں نہ درگزر دوں
 کیا ہو اگر کوئی دمِ عشق میں ہم جیتے ہیں
 جالِ لب ہیں شبِ فرقت میں بسیکنِ شیش
 رہتا ہوں اُس کے سایہ تیغِ نگاہ میں
 عبث تو یہ باتیں بناتا ہوں ہم سے
 بیاں کیا کریں حال اپنا کسی سے
 یاد جب تجھ کو یاد کرتا ہوں
 اُس تفاؤلِ شہار کی باتیں
 مر گیا ہوں پر اُس کے آنے کا
 یہ تنہا ہو کہ قرب آئینہ ساں بہد اکروں
 آرزو ہو دل میں اے بچشش کہ میں گردنِ زندہ

ٹھہرے تیرے ملازم پر کیونکر نظر عاشق
 جس طرح گندتی ہو شام و صبح عاشق
 روزِ جزا تک نہ بھگے گا چراغِ دل
 مانند چنار آگ میں اپنی ہی جلے ہم
 ٹکڑے ہوئے پر آگے سے اُس کے نہ ٹھہرے
 جوں نقشِ قدم مل گئے پاؤں ہی تلے ہم
 بتاں اگر گرہ زلف کو نہ باز کریں
 عکسِ گل جس طرح ہو شبنم میں
 بات رہ جائے گی یہ عالم میں
 جہاں مل بیٹھے ہیں آشنا دو چار آپس میں
 ہوا ہو روزِ اول کیا یہی اقرار آپس میں
 مبتلا جو ہیں اس آلام میں کم جیتے ہیں
 یاد آ جاوے تو بارے کوئی دم جیتے ہیں
 کرتا ہوں زندگی میں اجل کی پناہ میں
 جو کچھ ہو تیرے جی میں ہم جانتے ہیں
 جو گزرے ہو ہم پر سو ہم جانتے ہیں
 آہ بے اختیار کرتا ہوں
 میں کوئی اعتبار کرتا ہوں
 اب تلک انتظار کرتا ہوں
 وہ مجھے دیکھا کرے اور میں اُسے دیکھا کروں
 اُس کے دامن کی طرح پالوں پنت لانا کروں

کچھ کہی جاتی نہیں مڑھکان دلبر کی طرح
 کرے ہر حبیب کو جیسا یہ چشم گریاں سرخ
 ہیں تو رونے نے آخر یہ رنگ دکھلایا
 منت تاخیر اے او سحر گاہی نہ کر
 تو گرفتاری پیر کی کو نظر اے اشک چشم
 جو خشش نہ بات آئی کبھی تا دم وفات
 اک روز مار ڈالے گا جو خشش وہ تند خو
 لائی ہو تجھ تک اہل اے یار کھینچ کر
 جو خشش عبت ہر عشق میں امید زندگی
 دیدار کی ترے نہ گئی آرزو ہمنوز
 ہمارے حال پر اس کو نظر نہیں ہرگز
 صبا بھی دور کھڑی اپنے ہاتھ ملتی ہو
 زلف رکھ دل کھنہ چشم سیہ یار کے پاس
 ہجر میں بھوش و خرد تاب دواں کوئی نہ رہا
 ہوا یہ حال مرا عشق میں کہ دشمن بھی
 بسانِ شانہ ہوا چاک چاک میرا دل
 ہووے نہ مرے دل سے لب یار فراموش
 مہتاب وار عشق میں اُس آفتاب کے
 ماہل نہ ہوں پناہ کی تدبیر کی طرف
 کرنا جو قتل ہوئے تجھے ظالم تو کر گزر
 ہنگامہ یک عشرت دکھتا ہو سر عاشق

پیر جاتی ہو گریاں جاں میں وہ شتر کی طرح
 شفق سے ہونہ کے صبح کا گریباں سرخ
 سفید ہو گئیں آنکھیں ہوا گریباں سرخ
 پر جو تجھ سے ہو سکے اس میں کوئی تاہی نہ کر
 یک بیک اس کی گلی میں مجھ کو ہواہی نہ کر
 دل اپنا لوٹتا ہی رہا زلف یار پر
 اے بے شعور اُس سے بہت لگ چلا نہ کر
 تو رہ گیا ہو کس لیے تلوار کھینچ کر
 جیتے بچا ہو کوئی یہ آزار کھینچ کر
 ہم مر گئے پر آنکھوں میں پھرتا ہو تو ہنوز
 کسی کے دل کی کسی کو خبر نہیں ہرگز
 تری گلی میں کسی کا گزر نہیں ہرگز
 کوئی دکھتا نہیں بیمار کو بیمار کے پاس
 جو گرفتاری دل تیرے گرفتار کے پاس
 میں ہوں دستِ ناصت کریں ہیں یار افسوس
 لگی نہ ہاتھ تری زلف تا بد ارا افسوس
 کرتا ہو نہک کوئی نہک خواہ فراموش
 چھاتی سے میری بھوٹ کے نکلا ہو پار داغ
 دیکھوں ہوں جیوں نشانہ تیرے تیری طرف
 کیا بار بار دیکھے ہو شمشیر کی طرف
 خورشید قیامت ہو داغ جگر عاشق

امتحانِ بتاں سے کیوں ڈریے
 فریاد یہ بے فائدہ، غارِ شکنی، ہر
 جان لیویں گے اور کیا لیں گے
 جوشِشِ نزاکت کمر یار کیا کہوں
 گھر کیجے کسی دل میں یہی کوہِ کنی ہر
 سب اشک کے قطرے نظر آتے ہیں شہرے
 بچیدگی، تاریک، اُس پہ بار ہر
 منظور تم کو پیارے اگر امتحان ہر
 جوشِش کی چشمِ تر پہ یہ خارِ مزہ نہ ہو
 جس طرح دل کا داغ جلتا ہر
 مجھ کو سنا سنا کے وہ کہتا ہر غیر سے
 دل میں بھری ہو آگ اور آنکھوں میں آب ہر
 ابھی تیرنگہ ہوتا ہر دل کے پارے جوشِش
 رخصت کے وقت سامنے حیران تھے کھڑے
 گرہ میں غنچوں نے نافے کے نافے باندھ لیے
 اس جفا جو کو دل دیا تو نے
 دردِ سر سے جہان کے چھوٹے
 روٹھ کر بیٹھے جو کوئی تو منا سکتے ہیں
 نت نئے غم ہیں نہ آنے کے
 تیرے شقائق کے زور و نہ نہ ہاتھ میں ہر
 جوشِشِ اک دن متوجہ اُسے کر چھوڑ دوں گا
 جو میری یہ مزہ انگبار، ہر موجود
 شبِ فراق کا ایذا تجھے دکھاؤں گا
 ہم نے منہ پر نگاہ کی اُس کے
 اُن نے تلوار ہی بڑی منہ پر
 ماندِ شمع حال ہمارا خراب ہر
 زرا اُس ترک سے آنکھیں لافے جل جی چاہے
 جب وہ اُدھر چلا اُدھر آئو ڈھلک پڑے
 جن میں کل جو گئی زلف مشک بو تیری
 لے دوانے یہ کیا کیا تو نے
 مار ڈالا بھلا کیا تو نے
 اُس سے کچھ حل نہیں سکتا جو چل کر نیٹھے
 ہم ہیں دیوانے اس بہانے کے
 شام سے تا بہ سحر حلقہ دور ہا تمہ میں ہر
 نالہ فادہ کا سرِ رشتہ اگر ہا تمہ میں ہر
 تو جس مکان میں جاؤ ہمار، ہر موجود
 مری لہلہ میں دلِ داغ دار ہر موجود
 اُن نے تلوار ہی بڑی منہ پر

تسے بھلوس لے بے دفا کچھ نہیں

جو پوچھا تو کئے لگا کچھ نہیں

شمع کی طرح کھرا ہوں پہ گھلا جاتا ہوں

اپنے احوال پہ عالم کو رولا جاتا ہوں

یہ چشم تر لیے ہوئے یارب کہاں پھروں

بولو دل کھول کے اے چنگے باب آج کلن

مذا، دیا اپنا کام روتے ہیں

صبح روتے ہیں شام روتے ہیں

بہت ہچکچاؤ گئے یہ عرض کیے جاتا ہوں

دین و ایمان و دل و جان لیے جاتا ہوں

پردہ میں جگہ دیجئے نہ ہاں کسی کو

اللہ نہ دے حیرت دیدار کسی کو

توڑنے ہی گئے نامہ مرا بال کبوتر ہو

دیوانے اپنی حبان کا سودا نہ کیجیو

گراست دیجیو لے نا توانی دوش سے بھگو

یہ جلتا ہو کیوں کر بجلا دیکھیے تو

گو کہ آجاؤں میں جہوں مُند و حناؤں کے ہاتھ

گنگ گیا تھا کس دامن کو زراؤں کے ہاتھ

باندھ لیں دو نہیں نری زلفِ راس کے ہاتھ

بس کہ نازک ہو مجھے باندھے ڈرتا ہوں

اپنی چھاتی سے ہم نکالیں گے

دل دین دیا ہم رکھا کچھ نہیں

کرے تمہارے قبوں سے شکوہ مرا

سوز دل سے تری محفل میں جلا جاتا ہوں

دود کی طرح میں دل سوختہ جاتا ہوں جدھر

ہمراہ سیلِ افک بھرے ہیں جہاں پھروں

اُن نے پہلے ہی پہل پی ہر شراب آج کے دن

ہم نہ کچھ بہر نام روتے ہیں

اس بنا گوش و زلف کی خاطر

تم نے تو پھر دیا دل میں لیے جاتا ہوں

دیکھیے ان میں سے کس کس کو وہ کرتا ہو پسند

بھولنے کو تو پاس بٹھا یا کسی کو

احوال پر آئینے کے آنا ہو مجھے رحم

اگر بے بائی دل سے لکھوں کچھ اس کو مضطر ہو

اُس مُند خو سے دوستی پیدا نہ کیجیو

تو انائی کو کرتی ہو جدا آغوش سے بھگو

زرا میرے دل کو جلا دیکھیے تو

بخت بد ہونے نہ دے خون مرا اُس کے ہاتھ

مر گیا ہوں پری خاک ہو گزشتہ ہنوز

جب کرے خزانہ صفت دستِ دہانہ کوئی

حی میں جس وقت یہ مضمون کمر آتا ہو

تیراں کا مادہ مر جو آدے گا

دل کو لے عشق سوے زلفِ سیہ نام نہ بھیج
 روشن ہو اس طرح دلِ دیراں کا داغ ایک
 آہ کرنے کی بھی طاقت ہمیں بہتات نہیں
 وصل کی شب کو مرا جی ہی نکل جاتا ہے
 جس کے غم میں آہ ہم آرام سے واقف نہیں
 نہ تما شدت گریہ سے مردم خوف کرتے ہیں
 بوقتِ دم شمار ہی بھی ہمیں جس کا تصور ہو
 بزرگ طائرِ تصویر ہیں ہم باغِ حیرت میں
 لے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دکھا کر س
 کچھ تو نکلے آند و دشنام دے تلوار کھینچ
 دل نے اک نالہ کیا دردِ جدائی کے سبب
 شمعِ ساں کس نے مجھے بھولتے پھلتے دکھا
 جاتے ہیں اس کے در سے پہ جانا محال ہو
 وہ پاؤں اپنی چھاتی پہ رہتے جو تھے ملام
 کیا قبر ہو کہ بزم میں اُس شوخ کی مجھے
 نہ فقط ہوش ہی اے عربہ جو اڑتا ہو
 ذوقِ پروازِ اسیراں پہ نظر کر صیاد
 کس کی سُنوں بات میں اے ہربان
 محبت اب باریں اور مجھ میں ہو چل شعلہ خوں
 سخت تجھ بن تلق اس دل کو سنانا ہو مجھے
 یہ تو ہیں کیونکے کھوں کچھ نہیں بھانا مجھ کو

رہزنیوں میں تو سا فر کو سرشام نہ بھیج
 اُجڑے نگر میں جیسے جلے ہو چراغ ایک
 آہ کیا کیجیے دم مارنے کی بات نہیں
 جب کہ آواز یہ آتی ہو کہ اب رات نہیں
 کیا غضب ہو وہ ہمارے نام سے واقف نہیں
 مرے رونے کے آگے بارِ ابدل پانی بھر ہیں
 نہ آیا اب تک وہ بے وفاء ہم اس پہ مرتے ہیں
 کب اپنے آئیناں سے معنِ گلشن میں اُترتے ہیں
 تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دکھا کر س
 چشمِ حسرت سے کہاں تک دم بدم دکھا کر س
 ہم نے جب پہلو سے کھینچا یار تیرے تیر کو
 ہوں میں وہ نخل کہ دکھا بھی تو جلتے دکھا
 جس جا قدم پڑے ہو اُٹھانا محال ہو
 آنکھوں کو بھی اب اُن سے لگانا محال ہو
 سب کہتے ہیں کہ تجھ کو بٹھانا محال ہو
 طائرِ رنگ ترا دیکھ کے رواڑ تا ہو
 ذبح کر چھوڑ دیا تو بھی ہوا اڑتا ہو
 دھیان تو رہتا ہو تمھارا مجھے
 جیوں جیوں میں اُس کو بُرا دل ہو گھٹانا ہو مجھے
 گہرے بٹھانا ہو تو پھر کا ہے اُٹھانا ہو مجھے
 کچھ تو بھانا ہو کہ اب کچھ نہیں بھانا ہو مجھے

ان دنوں یاربے طرح جوشش
چھپ چھپ کے دیکھتے ہو بہت اُس کو ہر کہیں
اس کم لگا ہی پر تو جہاں اک خراب ہو
کنا نہ کسی کا دل میں لایا جوشش
نکسے میں دل ہر اب نہ ملے ہیں جہاں
جہاں دار تخلص شاہ زادہ عالی تبار نامدار، ولی محمد شاہ عالم بلو شاہ غازی،
مرزا جوان تخت جہاں دار شاہ گکا ہے ذہن وقادش بعبادت زبانی مگر فثانی می کند۔

این جواہر نظم دوست

ہیں بسکہ جزو تن مرے طاؤس وار داغ
بخائی تیری دیکھ کے اس سرو باغ حسن
جدا ہو تجھ سے منم سخت بے قرار ہوں میں
ہر آفتاب کا سر پر مرے جو سایہ مہر
جرات دہلوی۔ امش بیکلی امان ابن حافظ امان صاحب دیوان و از
کمانہ مرزا جعفر علی حسرت است۔ در علم موسیقی و ستار نوازی طرفہ دستے دارد، و
در نظم شعر و نعت طبعش ملایم۔ در لکھنؤ و فیض آباد می گزرائند۔ از زمزمہ ہائے فکر

دوست

پُر از گوہر شکر چشم سے دامن تر پایا
گفتی نہیں ہلک سے ہلک وصل میں بھی آہ
چہن اس دل کو نہ اک آن کسی دن آیا
لے خبر جلدی سے و حال جانے میں یراکم لگا
جو کنا زک دل ہیں اُن کا درد بے درمان ہو
ترمی دولت سے بس لے عشق ہم نے خوب بھویا
آنکھوں کو پڑ گیا ہو مرزا انتظار کا
دن گیارہ رات ہوئی رات گئی دن آیا
آج عاشق کو ترے کہتے ہیں السلام لگا
زخم پر گل کے کبھو دیکھا نہیں مروت لگا

جنون۔ ہاشم شیخ غلام مرتضیٰ ابن شاہ تیمور متوطن جبین بعد ہمسرام شاگرد
مولوی محمد بکت مرحوم است۔ مدتے است کہ ناجائز شدہ درالہ آباد گوشہ نشین گردید۔

ادراست

وجود اس جہاں کا عدم دیکھتے ہیں عجب خواب ہی یہ جو ہم دیکھتے ہیں
مٹے ہوئے بھی بیچ و تاب اپنے دل کا جب اس ذلت کا بیچ و خم دیکھتے ہیں
جودت مرشد آبادی۔ ہاشم راہے ہوئے رام۔ از منسلکان نواب
علاؤ الدولہ سرفراز خاں مغفور بود۔ چند سال است کہ فقار کرد۔ ویراست
واعظ تری بات دل سے کہنے کا نہیں پتھر کی تو چوٹ شیشہ ہے نہ کانہیں
جازا بد شک تو بہ جب تک مے پاس لو ہو مری چشم تر سے بہنے کا نہیں
میر شیر علی جرات دہوی۔ از وطن بہ وطن رفت در آن دیار مقیم شد
تہود سنگاہ بیشہ معنی است۔ وے راست

بے خود جو ہوا اتنا تو دیکھ کے تے خانہ حیران ہوں میں کیونکر بیوے کا تو بیانہ
زنجیر کے کرنے سے کرتا ہی جنوں دونا دیکھا نہیں لے جرات تجھ سا کوئی دیوانہ
دماغ گل پریشاں ان تری باتوں سے ہوتا ہی نکلتا بھی لے بلبل تو فریاد و فغان چپ رہ
ہم اپنے چھوٹنے کی کس طرح تدبیر میں ہوتے ہمارائی ہو کیونکر خانہ زنجیر میں رہتے
کیا اس کے بیا باں کو اس ابر کی پروا ہو گر یہ سیتی مجنوں کے تردا من صحرای

جو آلاں۔ ہاشم میر رمضان علی اور محمد شاہ مرحوم بود۔ از دست
رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن جیویں گے ہم سے شخص کیا تجھ بن
مباں جگن خالہ زادہ شیر انگن خاں باسلی تخلص۔ در محمد شاہ مغفور بود۔
از محمد نادر بادلی است و گفتگویش کیفیتے دارد۔

اس دل مرغی عشق کو آزاد ہی بھلا چکا ہو تو ستم ہی یہ بیمار ہی بھلا

۹۶
 زخمِ نازہ کی طرح چرخِ کمین اے جرات
 دل بھڑکے ہو تک صحتِ روحان دکھائے
 اک دم میں نالہ مل ہفت آسمان ہلا دے
 جھڑتے ہیں تختِ دل یوں تک جنبشِ مرہ سے
 رہنے کی جا جہان میں ہم خوب پاس گئے
 ہم گلشنِ جہان میں جیوں آتشین اتار
 کچھ ہم تو نہ سمجھے کہ شبِ وصل کہ ہر تھی
 عزیزِ وصل کی شب ہم جو رو کر نہ سوتے تھے
 نہ دیکھوں کیوں لے مجھ کو ہوں میں لے جرات
 جو آنِ دہلوی۔ ہاش کاظم علی۔ در لکھنؤ می گذرانہ سکلاش جوشِ خرو۔

دارد۔

تمنا ہو اُس کا درس دیکھنا
 دیکھ کر محنِ چین میں تجھے خداں کل و صبح
 مجھے اور میری ہوس دیکھنا
 ہو بنا گوشِ بلوریں یہ آویزہ لعل
 رشک کرتے ہیں چاک اپنے خنکریاں گل
 خدا کے واسطے بھولے سے لب پہ ترے کبھی
 یا نئے رنگ ہوئے آج نمایاں گل
 جو آئے نامِ مرا مت زبان رکھ!
 قسم ہو اجنبی تھیں میری جان رکھ
 منہ لگاتا ہی نہیں افسوس لیکن تو
 جو ہر دہلوی۔ اسٹل مرزا احمد علی۔ آبائش از مردم ایران بعد از شاہ جہا
 بمعرقہ خانہ جنگی بر فاقہ دو ستے کشتہ شد۔ از دست

آتشِ دو چین ہو یا برقِ آشیل ہو
 شاید کہ پہنچے تجھ تک داماندہ کوئی ہم سا
 لے مرغِ مالک کچھ ہو اک شب تو پرفشا
 آلودہ بیا باں اسے گردِ کاروا

محمد علی خان روہیلہ واقع شد بہ جرأت تمام کشتہ شد۔ در انشاے پختہ سلفہ نیکو داشت۔
دانا بان دین فن بہرہ دانی از و برداشت۔ اور است

خط نے ترا حسن سب اڑایا یہ سہر قدم کہاں سے آیا
جب آنکھوں میں ہوئی آشنائے گل تب عند لیب رو کے پکاری کہ ہائے گل
حزین ہوئی۔ امش میر محمد اقر شاگرد مرزا منظر بود۔ بعظیم آباد رسیدہ بر فاق
سعید احمد خاں مولت جنگ بسری برد۔ صاحب دیوان و کلامش در دانیگز این چند بیت
از کلام رتوجہ آثار اوست

غم نے آباد کیا خانہ ویزاں میرا ابو مرزا گل سے ہوا سبز بیاباں میرا
گوارا ہو گیا دل پر بہار جور یار آخر ہیں درد و عالم سے ہو گئی صحت برآر آخر
خوب سوچا ہے مرز عشق میں رسوائی کا معتقد جی سے بول اس دل کی میں دانائی کا
دلبروں میں سے لیا ڈھونڈ مہ سجن تکو ہی میں دانا ہوں ان آنکھوں کی شناسائی کا
ایک دن دیا نے دیکھا تھا مرے رنے کا جوش روز و شب ہوتا ہر غیرت سے تہ و بالا ہنوز
دل سے کر اپنا کیوں عبت افوں کھانا ہو دل جاتا رہا جب ہاتھ سے پھرا تھک سنا ہو دل
غم نے لیا ہے گھیر بھجے یہاں تک کہ اب دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھ کو جواب دل
لنے کے دن جوا شک نکلتے ہیں کچھ نہ بوجھ نکلے ہو دیکھنے کو ترے ہو کر آب دل
آئنا دیکھ کر کے خنزاں کا جن کے بیج کیونکر کرے نہ ہائے حزن اضطراب دل
ضل گل کی ہو چکی کیا دیکھ بول گے خاد ہم کچھ کر لے صیاد اب ہونے کے نہیں آزاد ہم
رحم آتا ہے مجھے اس شہت خالک اپنی پہاے خوبو یوں کی ہوا میں یوں گئے برباد ہم
کیوں نہ ہوے شاد ہم سے حضرت مجنوں کی روح عشق کے صحرا کو رکھتے ہیں حزیں آباد ہم
لوگ کہتے ہیں ہمیں اس دل کے سمجھانے تئیں کیونکر سمجھاویں کہ ہم ایسے دیوانے کے تئیں
ہو رہا ہے درد و غم سے عشق کے ایسا خفا مستعد ٹیٹھا ہے ہو کر جی نکل جانے کے تئیں

چھوڑ عارض، دل نے گھیرا زلفِ مشکیں نام کو ^{۹۸} صبح کا بھولا غنیمت ہی جو پہنچا شام کو
 لگا خوابانہ خط سے یہ ملنے گھسیٹا پھر مجھے کانٹوں میں دل نے
 مولوی آیت اللہ جوہری تخلص بنوٹن پھلواڑی کہ از توابع غظیم آباد است۔
 صاحب علم و دین و بیش مزاج بود۔ گاہے سخنے از دوسری زد۔

لگا یا عشق نے آجھ دل بے تاب میں آتش کہ دے ہر جیوں متوس بوئہ سیاب میں کشت
 جنوں۔ از دوستان خواجہ میر درد است۔ در سخوری عقل رسا دارد این ابیات
 از تذکرہ میر محمد تقی نقل نموده بہ تحریر آرد۔

دیکھ گردش کو تری چشم کے پیمانے کی مجھ کو خواہش نہ رہی جام نہ میخانے کی
 کبھی گرتا تھا قدم پر کبھی ہوتا تھا نثار کیا بھلی موت ہوئی رات کو پروانے کی
 جب سے صورت میں تری زلف کا کوچہ دیکھا راہ بھولی ہو مجھے کعبہ دہت خانے کی
 آفت جال ہو گئی آخر یہ مینائی مجھے جو بلا کیے سوان آنکھوں نے دکھائی مجھے
 مجھ کو لے زلفوں سے الجھاتا ہی دل خطا کے بیچ بیچ دیوے سحاکیں آخر یہ سودائی مجھے

حرفِ الح

حشمت۔ شمس سید عتشم علی خاں ولد میر باقی برادر میر ولایت اللہ خاں از
 مشاہیر سخوران دہلی است۔ شعر فارسی اور کمال لطافت می گفت و در تختہ ہم گاہے
 بنا بر جود طبع انشامی کرد۔ در زمان محمد شاہ بادشاہ دہلی از دنیا رحلت نمود۔ از دوست
 نہکت گل نے جگایا کسے زنداں کے بیچ پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کلان کے بیچ
 بہار آئی دوانوں کی خبر لو اگر زنجیر کرتا ہی تو کر لو
 جھکی آفوج گل اور عند لیبوں کی پکار آئی ارے بیٹھا ہو کیا وہ دیکھ دیوانے بہار آئی
 محمد علی حشمت۔ از ہم محبتان میر عبدالحی تا بآں بود۔ خود ما بہ علیہ زمان می آرا۔
 اما شجاعت مردان داشت۔ گویند ہمراہ قطب الدین خاں محمد مراد آباد کہ عمار بہ پسران

جی جلا بیٹھوں تو دل کتنا ہو یاں ترک ادب
اپنی تلوار کو رہنے لے میاں میان کے بیچ
موج بہشانے نے ڈھونڈھا نہیں ملتا تس پر
باہ لے لے لاکھوں زلیخا سے پڑے بھرتے ہیں
دل ہوا غم میں آب کی سی طرح
ہاتھ میں جام لے ملا ہم سے

چھپاؤں اشک گلگوں کو میں کس طرح
اشک پر اشک چلا متصل آدے باہر
بعد مرنے کے ہماری خاک کو بر باد کر
عجب رونق ہوئی آنے سے خاک کے
ہوا زخار تیرے کا چمن سحر
نہ پاؤں گا بھرا یا با و فادل
پس جا بھی نہ اے ظالم ترا دل
مبادا بکھ نہ جاوے آہ سے میری چراغ دل
مے تھینے میں سل ہو اس انتظار میں دل
میں ایک تیلو دوانا ترا ہزار میں دل
اب ہے سب خلق گرفتار ترا اے ظالم
یوں ہی تڑپھا کرے بیمار ترا اے ظالم
چشم آہو سے چراغال آج ہو صحرا تمام
یہ عیش و شے ہو کچھ پروا نہیں دلبر کے تئیں
کیا لیل و نہار دیکھتا ہوں
اب یہ بھی قرار دیکھتا ہوں

جفا کر کے نہ کھودے ہاتھ سے جہان
عبث ہم عشق میں روتے رہے ہاے
خدا کے واسطے شمع رو آ کر خبر بین
دھال یاد نہ ہو جب تک جیوں کیونکر
تیرے حال جہاں گیر سے بنے کیونکر
تب تو تھا ہم ہی پہ سب پیار ترا اے ظالم
درد میرے کی دعا تو نہیں کرنے کا کبھی
عروس شاید حضرت مجنوں کا ہو جو اس طرح
کوئی سمجھا تا نہیں اس میری چشم ترکے تئیں
زلف و مریخ یار دیکھتا ہوں
وعدے تو بہت ہوئے ہیں جھوٹے

اُس بے وفا کے عشق میں کچھ ہم کو جس نہیں ^{۱۰۰} باؤں تک بھی ہے ہیں دسترس نہیں
 ویران ہوئے غزاں سے جہن بھال تک کہ ہم چاہیں کہ جل مرے تو کہیں خاموش نہیں
 توفیق دے خدا کہ یہ نالے سے چپ رہے آخر کو دل مرا ہو الہی جسرس نہیں
 کیا ان دنوں میں دھوم مچائی تھی اگلے سال جاتی چلی بہار حزیں ہے بس نہیں
 آوے نہ کیونکہ رنگ مجھے برگ پاں سستی لیتا ہو کیا مزہ وہ سخن کے لباس سستی
 خواب کے درد و غم لے کیا نا تو اس مجھے بھال تک کہ ہو بھی تن پہ ہے ہیں گراں مجھے
 کیونکر کروں جفا کی حکایت میں اُس سستی کرتا ہو وہ وفا میں کہیں امتحان مجھے
 وفا میری اگر جو رو جفا تجھ کو نہ سکھاتی تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہے ک جاتی
 کچھ کچھ ہے ہر میں کچھ وصل میں گریاں گزرے کیا مری عمر کے دل ہے پریشاں گزرے
 شان بخوں کی کسوٹی نہ رہی نظروں میں خیل آہوں جو ہم چاک گریباں گزرے

حیدر علی - آتش غلام حیدر موطش معلوم نہ شد - انوسٹ

تمہاری یادیں لے گئیں آنکھوں کے لوہو سے مزہ کے ہاتھ میں یا قوت کے دانوں کا مالا ہو
 میر محمد جات تخلص بہ حسرت و ملقب بہ بیست قلی خاں - موطن عظیم آباد - چند
 سال خدمت دارونگی عرض ذاب سراج الدولہ ناظم ہنگالہ صرف نمود - الحال کہ ۱۱۹۲ھ ہجریست
 در زمرہ موصولان ذاب مبارک الدولہ بہ پریشانی بسر می برد - بکتہ - پنج خوش بیان و مختور

شیریں زبانت دیوانش دو ہزار بیت - انوسٹ

رات کا سچ ہوا یہ خواب مرا لگب صبح آفتاب مرا
 تھیں خطا کی سولے جان لوہو سوہوا بھلا دغفے کو آؤ جلو ہو ا سوہوا
 ہم مے زخمیں کے تیں آدیکہ لے رنگ بہار کو چہ گزار ہو رخسہ تر ہر تیر کا
 ہم نے جو اس شراب میں دیکھا جام جم میں نہ خواب میں دیکھا
 بسکد کچھ دیا ہو میرے دل کو وہ بد خور کل نہیں پاتا ہو کسے دد کے پہلو مرا

۱۰۳
حسرت تو دہانا ہو اُسے کون منادے جاتا ہو مرا جان چلا روٹھ کے لڑکے
ترا غرور مرے عجز کے مقابل ہو اُدھر ہاڑا دھر ایک شیشہ دل ہو

رباعی

ناشا دکا میری کل (کذا) جی سے نہ گیا جب تک میں جیا طال جی سے نہ گیا
یہ لوحِ مزار پر ہمارا لکھنا ہم گئے پہ ترا خیال جی سے نہ گیا

رباعی

میخانوں میں کیا پھرے ہو مشکلی مشکلی زابد و اعطاسے دور بھٹکی بھٹکی
قاضی سے ڈرے نہ عجب سے کافر یہ دختر نہ جو جس سے امکی امکی
حسرت مراد آبادی - کش مراد علی - از موز و نالِ عہد شاہ عالم است - مے را

ست

کیا قافلے یاروں کے آگے کہیں ٹھہرے ہیں فریاد جس کم ہو یا کچھ ہمیں بہرے ہیں
حبیب اللہ از احوال او اطلاق نیست غیر ازین شعر ادا کہ مرقوم می شود -
سوزِ باں سے موبوکتا ہوں میں شانے کی طرح ہاتھ میں تجھ زلف کے ہو دل کے اُلجھانے کی طرح
شیخ محمد حاتم حاتم بولٹن دہلی و معاصر نجم الدین آبرو بدوہ - زبانش بازبان و علی
دکھنی مناسبت دارد - میر عبدالحئی تا باں از تلامذہ اوست - شاعر فصیح بیان و سرآمد رنختہ
گویان - دیوانش دو نہار بیت بکد زیادہ - اور است

رشتہ عمر اگر تار گریباں ہوتا تو بھی گردن پہ مری بار گریباں ہوتا
شانہ نہ کیجو زلف میں زہناں دیکھنا بہتوں کے دل میں اس میں گرفتار دیکھنا
ہوں تری محرابِ ابرو کا غلام کیوں پھرے قبلے شتی اب رو مرا
حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہو کون ہو گا جو نہ ہو گا تو مرا
رخسار گل و عنجہ دہن چشم ہو زنگس اس طرح کا گلزار نہ دیکھا تھا سودیکھا

میں یار پر اپنے آج حسرت
 آرام دیوین عشق میں باد کھ دیا کریں
 کعبے بھی ہم گئے نہ گیا ان بول کا عشق
 سنا ہر آج میخانے میں جام نے پرستوں نے
 ہم دواؤں ہی کے نہیں عشق میں گھر چلتے ہیں
 دیکھ اس لب کو ترے آگ میں لعل ویا قوت
 ان تپنوں کی میں جرات پہ مٹا جاتا ہوں
 تو جو دل گر میاں کرتا ہے کاجھ سے ہر دم
 کوہ کن مجھوں کی جو کچھ گت ہوئی
 کہہ کن کے حق میں لے شیریں سمجھ
 اے دل ہوش میں آیا راتی ہو جگا رہی
 جلدی کی ہوا دھکا گئی کیا آگ سینے کی
 ہماری چشم تر کیوں سرخ تر ہو
 بہا راتے ہی حسرت دیکھے ہاے
 تصور نے کمر تیری کے یہاں مکنا نقش پکڑا ہو
 کیا کہوں اپنے دل کی ڈھاتا ہوں
 آج گل پیراں تر حسرت
 آرزو کوئی نہ لگی آہ کنارے دل کی
 ایک دن سنگ دکھاؤں گا میں درپن کو ترے
 وہ گرم جوشی رقیبوں سے جب کہ ہر دم
 جلا آتا ہو وہ قاتل صبا ہی
 کچھ زور بہار دیکھتا ہوں
 ان ظالموں کی جو ہر رخصا سو کیا کریں
 اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں
 لٹا یا دین و دنیا دونوں ہمت اس کو کہتے ہیں
 اس محبت میں پرندوں کے بھی پر چلتے ہیں
 تیرے دانتوں کی جھلک سستی گھر چلتے ہیں
 بے کلمے ہیں یہ کم نخت تھر چلتے ہیں
 دیکھنے والوں کے حسرت سے جگر چلتے ہیں
 عشق کی سختی کی اک بابت ہوئی
 جی کی دشمن تیری ہی الفت ہوئی
 نگھ میں ہاتھ دے کس پیار سے پیالا پلاتا ہو
 لگے اٹھنے سمجھو کہ آہ کے گئی طہ رخ چھنے کی
 تو بے لب کے تصور کا اثر ہو
 مجھے اپنے دوا نے دل کا ڈر ہو
 کہ میرے شیشہ دل پہ بیج گویا بال ڈالا ہو
 بے طرح تجھ پہ پیار آتا ہو
 کیا لٹا بہار آتا ہو
 ناوسی ڈوب گئی جان ہمارے دل کی
 ہر گھڑی منہ پہ کھڑا رہتا ہو درشن کو ترے
 کہو تو کس طرح حسرت کا جی جلا نہ کرے
 مجھے تو سرخ رو کیجو الہی

جو ہوئے گھائل نگہ کی تیغ سے اُس شوخ کی
 یاد کر کے جامہ زیبوں کے بچے دامن کا گھیر
 یکایک ہو گیا ہم سے جدا دل
 دل میں یوں ہو تجھ خیالِ چشم کے آنے میں دھوم
 تم نہ بولو گو کہ عاشق جان دیو میں آپ سے
 کا فر اتنا کیوں کرے ہو ہم سے ہو کر رام دم
 دو در میں تیرے نہیں سکتے ہو عالمِ مدام
 کیا ہوا اگر بیچ کھا کر دل میں رکھا ہی گرہ
 جیوں کہا تا صدف نے جلِ حاتم بلایا ہو تجھے
 تو نہ آیا اُس طرف جس جا ہو ہم فرشِ راہ
 جو آہ و نالہ اور مرا ہم نفس نہیں
 کون سر ہو کہ ترا اُس کو نہیں ہو سودا
 بڑا جنجال ہو کب ہو سحر گنتے کبیں گھڑیاں
 ملاوہ دریا بجلی ادا حاتم کے طالع سے
 دکھاؤ مت غصہ کے تیوروں سے بار بار آنکھیاں
 محبت کی لو میں پرائشک کے دالہ کو بولی ہیں
 تو صبح دم نہ نہا بے حجاب دریا میں
 چلو شراب پیئیں بیٹھ کر کنرے آج
 صنم کی زلف کی لہروں کے بیچ سے حاتم
 تجھ پہ قربان سر کے تو کروں
 دل گیا پھوڑ تجھ نگہ کا تیر

دیکھتی نہیں اُن کی چشم زخمِ مرہم کی حسرت
 ہاتھ دوڑانا ہوں رحمت سے گریباں کلر
 نہ تھا گویا کبھی کا آستانِ دل
 نچ رہی ہو جس طرح مستوں سے بیگانے میں صوم
 ہوگی لے پیاے تھاے ہنہ سے فریاد میں صوم
 حال میرا دیکھ لے کر ظلم اے خود کام کم
 کیوں نہ ہو اس غم سو گ گردان لیکر جامِ جم
 تاب کیل اُس میں جو مارے زلف سے آدام دم
 دل سنی جا مارا سنستے ترا پیغامِ غم
 مفت خاک اپنی کو ہاتھوں سے دیا برباد ہم
 پر مات کیا کروں کوئی فریاد رس نہیں
 کون آنکھیاں ہیں کہ تجھ جو رسے خونبار نہیں
 شمع کی سید زلفوں کی ہیں راتیں بہت بڑیل
 کہ جب دور کے آنکھوں گئیں برسا کی بھڑیل
 کہ میرا دل اپر کئی ہیں جیوں تلوار آنکھیاں
 تھاے شوق میں دور کے لنگ زار آنکھیاں
 پڑے گا شور کہ ہو آفتاب دیا میں
 کہ ہووے رشک سے ماہی کباب دیا میں
 نہیں ہو موج یہ ہو بیچ قباب دیا میں
 جی میں تیری نذر کے تو کروں
 اب نشانہ جگر کے تو کروں

آنکھوں سے برستے ہیں مری انگ کے موتی
اُس شمع رونے رات کو آگھر جلا دیا
دل مرال کے بتاں ساتھ سماں نہ ہوا
کیا بڑا عیب ہے اس جامہ عریانی میں
مثالِ محرموجیں اورتا ہر
لیا اُس گلبدن کا ہم نے بوسہ
ساقی مجھے خمار تادے ہو لا شراب
وصف آنکھوں کا لکھا ہم نے گلِ بادام پر
بننے نظر بڑا ہے مجھے گلخزار آج
حاتم خوشی سے کھول نین اور نگاہ کر
ایک دن ہاتھ لگا یا تھارتے وہن کو
صلے میں بندگی کے تری دل سوں ہوں صنم
سالہ قافلہ ہوں میں اہل جنوں کا
ایک تو تھا ہی تمہارا مسکراتا بے طرح
اُس کمان ابرو کے اب ہاتھوں سے جی کیونکر نہیے
برستا ہو سراپا خون مردم
بحن نے یاد کرنا مہ لکھا اور ہم رہے غافل
آج زگس کو قلم کر کے سخن لکھتا ہوں
جان و دل سب لے گیا ظالم نے کچھ چھوڑا نہیں
نمھاری نے کشی کا سن کے جڑھا لعل لب میر!
مذہب مجنوں کے پھرنے کا شب بھر لک کے بیچ

یہ ابرگر باد نہ دیکھا تھا نہ دیکھا
دوشن کیا جوا غ مرادل نہکھا دیا
سخت کافر ہو کہ کافر ہو پیشیاں نہ ہوا
چاک کرنے کو کبھی اس میں گریاں نہ ہوا
کیا ہوجن نے اس جگ سے کنار
تو کیا جوا رقیوں نے ہمارا
مرتا ہوں تشنگی سستی ظالم بلا شراب
کر کے زگس کو قلم اور چشم آہو کی دوات
دل کے جن میں پھر کے ہوئی ہو بہار آرز
مدت کے بعد یاد ہوا ہو دو چار آج
اب تک سر ہر خیالت سے گریبان کے تپا
ابرو کو مست چڑھا تو مجھ اور پرکمان کی طرز
جاتے ہیں اشک چشم مرے کارواں کی طرز
تس اوپر لکھے ہواب آنکھیں لڑا نا بے طرز
اُن نے ناما ہو مے حل کا نشا نا بے طرز
ہیں ظالم اس قدر تیرے نین سرخ
بجا ہو معذت لکھنا مجھے کاغذ خطائی ہے
وصف آنکھوں کا تری کاغذ بادامی ہے
اک نگہ کا لکھتا ہے مجھ سستی تاواں ہنو
نمھیں ملائی نذر پھر لک کے پایاے بتا زگر
حق میں اُس کے دیدہ آہو ہوے بن بن

تو صبر میں ہو خواہ تو ہو کفوں میں
 بپائش کیا مجنوں صفت کیسریاں کول
 نہ جھوڑا تو بھی زلفوں تری مجھ سے پٹیاں کول
 تعابلیں مت کرو باروں سے میری چشم گریاں کول
 کیا اُتار آؤ خربلکوں نے مجھ غزل خواں کول
 تو بھی کبھو وہ سنس کے نہ بولا کہ تو نہ رو
 اُن کا کبھو جہاں میں الہی بھلا نہ ہو
 عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو
 نام اپنے کے سبب تم اُسے نامور کرو
 دل کو نذر کرو تب اُس اوپر نظر کرو
 کبھو تو ترش روئی چھوڑ کر سبب شکر دیکھو
 ہماری عاشقی کے نقش کا یا رو اثر دیکھو
 کوئی اُسے کارگر کہو نہ کہو
 درد سہی اگر کہو نہ کہو
 گل کو نگہ کے جام سے بیہوش مت کرو
 گردشمنوں کا ڈر ہو سخن گوشت مت کرو
 حاتم کی بندگی کو فراموش مت کرو
 عشق کے کشور کا میرے نام پہمانہ کرو
 جینا ہوا محال مجھے آشنا کے ہاتھ
 مینا لگا ہے جب سستی مجھ بے نوا کے ہاتھ
 ہونیں سکتی کچھ اُس کی ہم سستی تدبیر آہ
 تو صبر میں ہو خواہ تو ہو کفوں میں
 بپائش کیا مجنوں صفت کیسریاں کول
 نہ جھوڑا تو بھی زلفوں تری مجھ سے پٹیاں کول
 تعابلیں مت کرو باروں سے میری چشم گریاں کول
 کیا اُتار آؤ خربلکوں نے مجھ غزل خواں کول
 تو بھی کبھو وہ سنس کے نہ بولا کہ تو نہ رو
 اُن کا کبھو جہاں میں الہی بھلا نہ ہو
 عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو
 نام اپنے کے سبب تم اُسے نامور کرو
 دل کو نذر کرو تب اُس اوپر نظر کرو
 کبھو تو ترش روئی چھوڑ کر سبب شکر دیکھو
 ہماری عاشقی کے نقش کا یا رو اثر دیکھو
 کوئی اُسے کارگر کہو نہ کہو
 درد سہی اگر کہو نہ کہو
 گل کو نگہ کے جام سے بیہوش مت کرو
 گردشمنوں کا ڈر ہو سخن گوشت مت کرو
 حاتم کی بندگی کو فراموش مت کرو
 عشق کے کشور کا میرے نام پہمانہ کرو
 جینا ہوا محال مجھے آشنا کے ہاتھ
 مینا لگا ہے جب سستی مجھ بے نوا کے ہاتھ
 ہونیں سکتی کچھ اُس کی ہم سستی تدبیر آہ

دھت کھتے ہوں تمھاری چشم کا لہ فتنہ جو
 یاد کر کے تیغ ابرو کو تری اے خوش بین
 جن جہیں کو دیکھ حاتم مشتری ہوئے نثار
 اُس کی جفا کی غیر سے فریاد کیا کروں
 میری بساط شیشہ دل تھا سودے چکا
 آکر سا ہجیب سول وہ بادہ نوش دل میں
 دُرِ فانی تھا ادیل کام مری چشم کا
 لوحِ دل پر نقش ہیں میری تے حرفِ درشت
 حیرت جی مجھے کہ اُس سخن بن
 اُس شمع کی میں لگن میں جل جل
 ترے لبوں کو میں تنگ نبات کہہ تو کہوں
 مجھے گمان نہ تھا نس پہ ماہ رو آیا
 تمھارے خط کے یظلمات تیغ چاہِ ذقن
 اُس وقت دل مرا ترے بنجوں کے بیچ تھا
 آج کس ہمدرد کیس کے ہیں س گلشن میں پھل
 ہر قدم پر اُس کے چلنے سے ہوا ہر فرش گل
 کیا کرو گے لے کے اب دل کو مری جاں ہاتھ میں
 شانہ مزرگاں بنا کر موبو کس گھی کروں
 دل بدو اولوں کے پر نمود کی طرح اُڑنے ہیں
 ہم نے بوجھا کوئی حاتم بھی تمھارا ہی غلام
 سد ظالم جو کرتا تھا جفا ہو کر خفا مجھ کوں

۱۰۶
 مجھ کو واجب ہے قلم گر ز گس نہ سلا کر
 نیم بسل کی طرح میں کب تک تڑپا کر
 ماہ کو کس طور اُس بے مہر کے بہت اکرا
 گزری سو گزری پھر پھر اُسے یاد کیا کر
 تیری نذر میں اب اے پری زاد کیا کر
 مانند ستری آتا ہے جو شش دل
 اب ہمارے اشکِ خونین لعل ہوتے ہیں
 اب تک مٹتے نہیں ہر چہ دھوئے ہیں
 کیونکر کے میں اب تک جیا ہوں
 پروانہ صفت ہو جی دیا ہوں
 دہن کا دھت ترے، منہ سے بات کہہ تو کہ
 میں ایسی رات کے تئیں چاند رات کہہ تو کہ
 بجائے چشمہ آب حیات کہہ تو کہ
 جس وقت تولے ہاتھ لگایا تھا بات اک
 ہاتھ دھو بیٹھی ہوتے روتے بل چشم
 نقش پاسے اپنے قالی ہو بچھائی باغ
 شیشے ٹوٹے کو کیس لیتے ہیں خواں ہاتھ
 جو کبھی آفے تری زلف پریشاں ہاتھ
 اس دیا باں میں کیا ایک بھی صیا د نہا
 کما ہوئے گا کوئی اب تو ہیں یاد نہا
 میں پھر جاتا ہوں پاس اُس کے ہوئی ہو کیا بلا

جہاں کے خوبصورت دیکھ تجھ صورت کو مجلس میں
 جہن جاتم تری ہر آن پر قربان جاتا ہوں
 کیا ظلم ہو کہ سب سے بجز تیغ بات نہیں
 دیکھ لے میرے من ہرن ہارے
 ڈوبی رہتی ہو سدا انک کے پانی میں مگر
 نظر کرتے طرف اس کے دہن کے
 کھپ پادیکھ تیرے غل سے
 میں نے جس روز کہ دیکھے تھے تھے بال کھلے
 گھات چڑھ من ہرن لگا رہنے
 غم ابرو کی یاد سے دل پر
 چل چین میں کہ فیض قدسوں سرود
 ایک سے ایک گھٹا دل میں سرس آتی ہو
 موسم گل کا مگر قافلہ جاتا ہو کہ آج
 صنم کو دیکھ کر دیکھ درد اپنا بھول جاتا ہوں
 تجھ خال کے خلل میں دل میں دل نہیں
 پہن کر جا رہی ہستی کو جب آیا گھر سوں
 گھٹا تجھ بن مجھے یہ آج کاری
 گھٹا کر دل مرادہ ابرو رخت اٹھ گیا بر سے
 ہو زندگی جدیدیے آب حیات لب سوں
 بھی غصے میں جب آتا ہو کھ کوجی سے بھاتا ہو
 اُس سناری سیر کے کیونکے جانک باٹ میں

ہوے خاموش حیات سوں گویا پتلے تھے سب کل کے
 تری سچ کے، اکڑ کے، چال کے، اور زلف کے بل کے
 کیسے ابھی تو دم میں جاتن سے سر کرے
 تیری آنکھوں سے من ہرن ہارے
 پستی آنکھوں کی مری مردم دریائی ہو
 گئے غنچوں کے دھل گردن کے سکے
 چشم زرگس کو خواب آتا ہو
 موبو مجھ کو اُسی دن سے پریشانی ہو
 دوڑو پڑو یہ ہسکار جاتا ہو
 زخم ناخن ہلال ہوتا ہو
 ہر قدم میں نہال ہوتا ہو
 ہر گھڑی مدد پہ ترے جا کے برس آتی ہو
 سائے غنچوں سی آواز جس برس آتی ہو
 کہہ کہ کہیں بولنے میں غنچہ لک پھول جاتا ہو
 آرام زندگی کا مجھے ایک تل نہیں
 دیکھ آنکھوں میں مے بھول گئی ہو سر سوں
 لگے ہو دل پہ ہر بوندی کٹاری
 لگی ساون کی جہاں اس غم سے سیر دیدہ تر سے
 مرنے ہیں تشنگی سے کہتے ہیں ہم پیاسے
 کر غصے کے بہانے سے مجھے آنکھیں دکھاتا ہو
 زندگی کر کے بچھا رکھتا ہو کانٹے باٹ میں

۱۰۸ اکھنچ نہیں سکنے کی میری آہ کی تصویر آہ

لگ گیا دل پر پک لگنے لگے ہکا تیر آہ

اس جواں کو کن نے مارا آج بے نصیر آہ

کہ سب کہتے ہیں اس کو آج کیا بجلی چکتی ہو

اُدھر بل سسکتی ہو اُدھر قمری بلکتی ہو

کہ زنگس کی چین میں دیکھتے گردن ڈھلکتی ہو

یہ تو بھی دخیتر زبردہ مینا سے نکلتی ہو

جے تو ہو اس لذت کے تئیں پروا نہ کیا جانے

ہو واقف ہو ہو اس جستجو کو شان کیا جانے

ارے کیا ہو جو ہاتھوں ہاتھ جامیاد کو پسینے

ابھی تو طوق ہو پر اب کئے کی گردن لے قمری

تو اپنی جان کی آپ ہی ہوئی ہو ٹھن لے قمری

نہیں کوئی اور عالم میں مگر آئے تو تو آوے

ابھی دیکھت ہوئے جو اس میں ایک سو آوے

کہ شاید مہر و الفت کی کسی بھی گل سے بو آوے

نہ پایا کھوج اُس کا کون تھا قاتل خدا جانے

کہ ہر کس طرف ہو اور کہاں ہو دل خدا جانے

کرنا ہو ضرور سخن ترک سر مجھے

حاصل ہوئی ہو سلطنت بحر و بر مجھے

اُس سمت کی گھبراہٹ ہو اہو اثر مجھے

جو کرے سو بار وہ قرباں مجھے

اس ارادہ پر اگر سارے معذور جمع ہوں

اُس کماں ابرو سے کا ہے کو ہوا تھا چرخیم

جن نے دیکھی لاش حاتم کی یہی کہتا گیا

بتیسی اس طرح ہنسنے میں تیری اب جھکتی ہو

تیرے رخسار قد نے دھوم ڈالی ہو گستاں میں

دو چار اب تجھ سے کیوں کر ہو ہم جھمی کے دھوے

پری ہم جان کر اُس کو چھپا یا شیشہ جاں میں

مزلے لے کے چلنے کی طرح سے شمع واقف ہو

دل صید چاک میرا زلف کے کوچے کے نیچوں سے

ہم سے شیشہ پر یاد یو ہیں برباد جاتے ہیں

اتنا بھی مت لگا تو سرو سے جا جا میں لے قمری

رکرتی عاشقی تو طوق کیوں تیرے گلے پڑتا

اٹھی ہیں غم کی فوجیں کون ہو جو برو آوے

تیرے بالوں کو چاہیں ہوں کھلے دیکھوں کہ دل میرا

جہاں کے باغ میں کرتا ہو سیر اس واسطے حاتم

ہوا ہو گا کہاں جا کر یہ دل بسل خدا جانے

میں جتنا ڈھونڈتا ہوں اُس کو اتنا ہی نہیں پاتا

تجھ ابرو اں کی تیغ جب آئی نظر مجھے

زینت ہو عاشقوں کی لب خنک چشم تر

سرشار ہوں نشے میں نہیں دل کو شوق نے

ادھی بھی ہوں جیوں کماں حلقہ گوش

کیا ہوا دل دیا قسم لے کر
 نا تو اس قدر ہوے کہ حضور
 مشہد پہ عاشقوں کے کوئی گونہ لائے شمع
 یہ خون نہیں ہے کہ آج رہا ہے آنکھوں میں
 خدا پھر آ مرے قاتل کہ دیکھنے کے لیے
 سخت برگشتہ میں کیا پڑ گئی ہے سخت گرہ
 کھل کے رو بھی نہیں سکتے کہ مٹے کلفتِ بھر
 بکھری ہوئی جو چہرے پہ یوں زلفِ یار ہے
 تیر نکاو یار بلا ہے، اگر کہیں
 دل لے چکے تو کیا ہوا حاضرینِ حضور
 حضورِ امینہ رو میرا تو دل میں عکس رکھتا ہے
 حسرت وصال کی ہر گلوگیر، بحر میں
 نا چار ہے دل زلفِ گرہ گیر کے آگے
 دل تو تھیں بے ہی چکے جان بھی
 اب کی بچے جی تو کسو کے تئیں
 دل بھی جواہر ہے، لیکن حضور
 ادا کوں تری میرا جی جاتا ہے
 کر دو قطعِ الفت بتاں سے لیکن
 پھرے گانہ یہ دل تری بندگی سے
 مجھ سے مرنے کی نہیں کسی رو سے
 عشق میں دو ہے ہو مرستِ دل
 پھر دیتے ہیں کوئی صنم لے کر
 دل سے نکلی ہے آہ دم لے کر
 روشن رہے گی آہ انھوں کی بجائے شمع
 ترے لیے مراد تم رہا ہے آنکھوں میں
 مٹے پڑے ہیں پنکھ رہا ہے آنکھوں میں
 کھلتی ہی نہیں ہر کسو طرح یہ کم سخت گرہ
 ہو گئے چشم میں آدِل کے مرے سخت گرہ
 میں پوچھتا ہوں سب میرے دل پہ مار ہے
 تر چھا بھی لگ گیا تو کھینچ کے پار ہے
 حاضر ہے بندگی میں اپنی جاں تنک
 میں حیراں ہوں کہ کس صورت کے جاؤں مدبرِ اس کے
 ورنہ بھی میں بھاڑوں گریبانِ ندگی
 دیوانے کا کیا چلتا ہے زنجیر کے آگے
 بچے حاضر ہے، اگر چاہیے
 پھر نہ کبھی بار دگر چاہیے
 اس کے پرکھنے کو نظر چاہیے
 حرفِ اپنا ہر کوئی پہچانتا ہے
 یہ کافرِ اہل نہیں مانتا ہے
 یہ بندہ ہے تیرا خدا جانتا ہے
 چشم رکھتا ہوں تیری ابرو سے
 چشم کو آبرو ہے آنسو سے

تیرے ہاتھوں سے عاشق کو معشوق کو چین ۱۱۰ دونوں جلتے ہیں ادا مرشح ادا مر پروانہ
میر حیدر علی حیران شاگرد لالہ سرب مکہ دیوانہ، دوزمرہ نکتہ سنجان پسندیدہ

محبوب است۔ ایش دہلی واکون در لکھنؤ بسمی برد۔ از کلام اوست
ہوانہ ہم کو کبھی سیر باغ و کشت نصیب کریں گے زیت کا کیا یاد ہم سے زشت نصیب
دلِ ستم نہ کا آج بچھتے ہو حال غم فراق سے کب کا ہوا بہشت نصیب
دکھ اس سے کون کے تاب التماس کہاں کسے ہر ہوش بجادل کہاں جو اس کہاں
ہوا ہوا اب تو نئے دوستوں سے ربط دلی تمہیں اب آنے کی فرصت ہمارا پاس کہاں
میر حامد۔ مردیت آزمادہ صفت دیکھو خصلت در لکھنؤ پنجمت پیر خود میر
نصیر کہ جانشین خواجہ باسط مغفور است بسمی برد و ذوق بیار بہ سخن دارد۔ از دست

دنیا سے دلی کو جو کافانی بکھے وہ قصہ عمر کو کافانی بکھے
در! حقیقت کو وہی جانی بکھے جوشِ حباب زندگانی بکھے
حضور۔ ایش شیخ غلام محلی از اغرہ عظیم آباد است۔ در نحو صرف مہارتے
دلدار۔ کسب تجارت معیشت خود می کند۔ تلاش معنی در عایت صنائع فطری از دست
نمی دہر۔ از دست

گر ایسی ادا تو دکھا تا رہے گا تو کب تک کوئی جی بچاتا رہے گا
مرا ہوں در عشق سے آرام ہو چکا بس اے طیب عشق مرا کام ہو چکا
گر کہیں تجھ کو نظر آجاوے وہ رنگ چین سحر تری آنکھوں میں کھلے گل خلد اسن زلیب
اُسے اس واسطے میں دیکھتا ہوں راستی یہ ہر کہ ہوتا ہو نہ نوا بروئے غم دار کی صورت
کبھی شوقی تو کیا مارے لب کے دم نہیں مارا غبار اس آئینہ رو کے ہر دل میں اس کا کیا باعث
دیکھنا تو ہی گانٹھا ہر دل یار سے دل سنگ و شیشہ کو کیا ہر میں ہنر سے پیوند
میں تجھ سے کیا کہل لے شعلہ و مانند شمع حال دل روشن ہو کچھ برقوت نہیں اظہار ہو

کس طرح سے آج پہنچوں دا دکو
 نہیں رہتے تو کم ہر چند میں کتا ہوں رہنے کو
 پہنچا دے میرا کوئی یہ پیغام یار کو
 خدا جانے کہ ہووے گوریں کیسا الم دل کو
 میرا احوال مت کسی سے بلو جھ
 جی دھڑکتا ہے مرا ہجر کی پھر رات آئی
 کیا بات تھی اب تک جو ترے جی میں رہی ہے
 اس دوانے سے جو اتنی خفگی رہتی ہے
 جو کیا زلف یار نے ہم سے
 جی میں آتا ہے کسی صورت اس تک جائے
 میرے حمل کا ان دنوں کچھ اور رنگ ہے
 صفائیں سادہ ہو کی دیکھ یہ سہراں
 اگر تیری صورت بنائی نہ ہوتی
 جی میں رہ کر یاوے ہے اسے اب دیکھے

رباعی

دنیا کا شوق دل سے جانا معلوم
 اور اتنا خیال جی میں آنا معلوم
 یہ وہ ہے طلسم جس سے رب اک روز
 جانا ہو ہاں جہاں سے آنا معلوم
 مولا جعفر علی حسرت و لد مرزا ابوالخیر از شاہیر زخمتہ گویاں لکھنؤ است۔ اکثر
 تازہ گویاں آن شہر شاگرداوند۔ صاحب تصائد و غرملیات۔ و تا حال کہ ۱۹۲۲ء ہجری
 نبویست در قید حیات است۔ اور است

اتنا رسوا یہ دل زار ہوا کچھ نہ ہوا
 کچھ بھی عشق سے بیزار ہوا کچھ نہ ہوا

آہ کچھ اُن نے نہ بوجھا ہم سے جی کی جی ہی میں رہی جاتی ہے
 میرٹو حیرانِ غلّس و غلّشِ غلیم آباد - از مفتیان بعد کار بودہ - دس سی سالگی
 ودیعتِ حیات نمود - دہر تیر گئی ہمارت خوب داشت و مظلم غلّس ہی کرد - اشعار شش
 بوجھت کم چورچ زیادہ و بلا غصہ بے اندازہ دارد - سرحد شعرا ذو دیدہ شدہ - از دوست

کیا مجھ کو تیری آنکھوں نے رسوا کوئی اب مجھ کو کیا رسوا کرے گا
 مدت کے بعد آج وہ جھلکی دکھا گیا اس دل جلے کو پھر نئے سرے سے جلا گیا
 شہد پہ ہمارے وہ کبھی آن نہ نکلا مرنے کو موے جی کا یہ ارامان نہ نکلا
 جس وقت یار آکے ہم آغوش ہو گیا شکوہ جو دل میں تھا سو فراموش ہو گیا
 یار جب بے حجاب ہووے گا ایک عالم خراب ہووے گا
 غیر کے ساتھ تو شراب نہ پی دل ہمارا کباب ہووے گا
 اُس جفا جو سے دیکھے حیران کب تک کامیاب ہووے گا
 جو تو نہ بد چن آرا ہمار میں ساتی ہر ایک گل کی چھبے ناک خار کی صورت
 دیکھ کر اُس کے گلے میں ہار آج ہو گئی حسرت گلے کا ہار آج
 دیکھے کس کس کی آتی ہر اجل یار نے کی ہر علم تلوار آج
 گر پڑے آنسو مے اس کے حضور راز دل کا ہو گیا اظہار آج
 آتی نہیں زبانِ تلک آہ سرد دل اس درد مجھ کو میں کس کس دردِ دل
 ہے مجھے ایسے بدگماں سے کام جس کو ہر دم ہر امتحان سے کام
 یار کے زلف و رخ پر مہتا ہوں نہ غرض صبح سے نہ شام سے کام
 گلشنِ دنیا میں بس دل گیر ہوں میں برنگِ غنچہ تصویر ہوں
 نہ بعد اے غزلو اس قدر محبوب کے نام میں بہار آنے دو میں مک جنوں آباد کرتا ہوں
 وہ ظالم ایک دلی بھی سن کر مٹھا نہ پہلو میں تڑپ کر مر گیا آخِ دلِ دیوانہ پہلو میں

حسن دہلوی نامش میر محمد حسن۔ بسیار خوش فکر۔ احوالش مفصل تا بر قیم این محمود

مدیافت نشد۔ متفرق اشعارش نظر آمد۔ اور است

گستاخ بھوکہ آج یہ سارا جہاں خراب شاید کہ مر گیا ہو کوئی خانہاں خراب
قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑ دو خنجر کو ایک دم کے لیے نہ نہ موڑ دو
حق نہ جانتا ہو دل کا ندل کی بیانی یہ کچھ بھلے نہیں آثار دیکھیے کیا ہو
ہر دم آئینے میں نہ دیکھنے لگتا ہو گا ایک دم آپ ہیں وہ شوخ جو پاتا ہے مجھے
کوئی نہیں کہ یا کی لادے خبر مجھے لے سیل شک تو ہی ہمارے اُدھر مجھے
یہاں کہ تو صفت ہے کہ جبر مجھ گئی مانند نقش پاکے وہیں لگ کے رہ گئی
پیر دیکھ اٹھی آگ دل کی ہے میں نے روروا بھی بھائی تھی
دل کو دلوں میں یا جگر کو حسن مجھ کو دو لوں سے آشنائی تھی

خواجہ حسن بن ابراہیم معروف بخواجہ کمال۔ سید حسینی دموطن آبائش پہاڑ گنج
دہلی سے چند سال بزمہ منتہاں مرزا حسن رضا خاں کی گزراوند و کلاش حالتے دار۔ تخلص

اوحسن۔ اور است

پہنچے وہاں کچھ جب تیں پیغام ہمارا یہاں تب تیں آخر ہی ہوا کام ہمارا
دل دلا سوں سے کہ ہو بقراری بیشتر خانہ ماتم میں ہو پڑے سے زاری بیشتر
چلنے سے کب انک بار تا ہو دریا ہو کہ جوش مارتا ہو
آکر بلا سے قتل ہی کر جائے مجھے صورت اسی بہانے سے دکھائیے مجھے

میر غلام حسن تخلص دہلوی ابن میر غلام حسین فاضل کہ دہشہر کہنہ دہلی مکین
داشت۔ و شاگرد میر ضیاء بود۔ از دہلی سفر گزیدہ دار و کھنڈو گشتہ با ذواب سالار
جنگ و خلعت ایشان نوازش علی خان می گزراوند۔ مضامین سخنمناشیں تازگیں

دلروہ۔ اور است

کاش کے مفتی جانا میں اُس کو حسرت
 قیہوں کے حوالے کر کے خط کو نامہ بر آیا
 نہیں غنچوں پہ شبنم اُس دین کے وصف اُن کو
 تصور نے تمے ظالم یہاں تک تفرق ڈالا
 بزرگ بدلے دے یہ کیا زندگانی ہو
 کس کا ہو جگر جس پہ یہ بیدا کرو گے
 ناراج کیا صبر و دل و جان پھر آگے
 تے بن کس طرح پیائے مری او قاتل کے گی
 اُس زلف میں جاو فات پائی
 اس دل نے عجب ہی رات پائی
 ہمارے کام پہ ہر چند آسمان پھرے
 چلا تھا لشکر غم چڑھ کے گھر پہ مجنوں کے
 حیدر مری دہلوی - امش شیخ غلام علی - پندش مدام در پنیہ عالمی الموت و بقوی
 و صلاح موصوف بود - بسبب گردش زمانہ جلالت وطن اختیار نمودہ در عظیم آباد مقیم شد - ہر چند
 فو مشق سخن است اما روش کلامش روانی دارد - دے راست

یہ دل اسیر زلف گرہ گیر ہی رہا
 سو بار تار تار گریبان ہو چکا
 جاتی ہو بندگی میں قاتل کی
 ہم کیس وہم میں نہیں اُس کے
 حیدر مری کے قید کرنے کی جثت تدبیر ہو
 اُس پریشاں کو خیالِ لعل ہی زنجیر ہو

حضور تخلص دہلوی - از طبقہ ہندوستان است - دے راست

زبانِ شمع سے روشن ہوا یہ اہل مجلس پر
 کہ جہاں جو دم گزرتا ہو ترقی میں تنزل ہو

اشک کا ذکر کیا ہے آنکھوں میں خون دل آ رہا ہے آنکھوں میں
خون دل کیا بلا ہے آنکھوں میں آپ دل آ رہا ہے آنکھوں میں
خلیقِ دہلوی: ہاشم مرزا ظہور علی خٹک مرزا ہوشیار - در علم موسیقی و مرثیہ خوانی
دستگاہ تمام دارد - در عہد محمد شاہ مغفور حسبِ مطلب شہامت جنگ وارد و بنگالہ شد -
بالفضل و سرکار نظامت مرشد آباد شک - اور است

آئی بہار، کیوں ہے دل افسردہ لے خلیق ماند گل کے تو بھی گریبان چاک کر
خیالی: ہاشم راجہ خیالی نام از اغزہ ہائے عظیم آباد است - از چند بھر کرک
راجہ کلان سنگھ پسر راجہ شباب راے مال گزاری صوبہ عظیم آباد باو تعلق دارد - مرد
عادل و قابل و موزون طبع - ذوقِ سخن بسیار دارد - از دست -

حالت نزع ہوا سے یار کہاں جاتا ہے ابھی مرزا ہے یہ بیمار کہاں جاتا ہے
دم تو لے بات تو سن کس سے ہوا ہے برہم تیغ لے ہاتھ میں خوشخو اکھاں جاتا ہے
ہو خیالی کو اگر دولت کو نین نصیب دود قدموں سے تھے یار کہاں جاتا ہے
آپ سے ہم نے جگہ ہنسائی کی کیوں کسو سیتی آشنائی کی
ماڑنا بھر جلا ناک دم میں لے بناں تم نے یہاں خدائی کی

رباعی

کس کس کو چے میں عشق لایا ہم کو کیا کیا ستم وجود دکھایا ہم کو
منظور یہی اگر دل آزار ہی تھی سوتے تھے عدم میں کیوں جگایا ہم کو
خاکسار: ہاشم محمد یار - طوش دہلی - خادم قدم شریف - معاصر مرزا رفیع
سودا گفتارش آبدار است - دے راست

خاکسار اُس کی تو آنکھوں کو کہیں مست لکھو بجو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا
تیغ قاتل سے ہے محروم بے تقصیر ہم روز عشر کو اٹھیں گے گور سے دل گیر ہم

چو نہ اندو حال تغافل اُس اپنے مہرباں کا
 دامن مجھ سے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں
 دم زلنا ہوا آتا ہو لب تک ترے غم سے
 کئے کی بیچ باتیں کس بن نہیں گذر تی
 نغمہ عشق میں ہیں سجتہ وز تار ملے
 رہنے نہ دے گھاؤں بن یہ دل تو ایک دم بھی
 کیا ہے اب کوئی اور کیا رو کے
 جو چاہے آپ کو تو اُسے کیا نہ چاہیے
 مجھ سے نہ تجھ کو چاہا تو چاہا با عجب نہیں
 حقیقت - امش موتی لعل - شاگرد میر محمد سوز - در لکھنؤ ساکن ہست

بیاگوش بلوریں میں یہ دُر گستا پیارا ہر
 جو ہو اک بات میں قتل کی تو میں کہوں اُس کو
 گلشن دہریں کو نہ کرو بھلا شاد پھرے
 کد جیسے نعل مہتاب کے ہوتا سارا ہر
 ادا ہو تازہ ہو، غمزہ ہو، آنکھوں کا خارا ہر
 رات دن جس کے لیے گھات میں صیاد پھرے

رحمت اللہ حسرت - از موندان عظیم آباد است - وہ راست

جتنا سنی کھنڈ لہار کب ہو رنگ آمیز
 آکر کے تم تو بزم میں بے نوش کر چلے
 کس کے قتل کی ہر اس کے ہاتھ دمیت آویز
 ادب ہم کو چشم مست سے مدہوش کر چلے

حرف الخا

میر سبحان علی خا کسار - احوال معلوم نیست - ایں ابیات از دست -

دیدہ خونبار سے بھال تک تو دکھ پانے لگا
 جو ستم جو ترے ہست تھا
 خون دل سے ہائے پار وختِ دل آنے لگا
 مرگ آج کوئی کستا تھا
 خواب کا ذکر کیا ہو آنکھوں میں
 اشک حسرت بھرا ہے آنکھوں میں

اٹک نے میرے لائے کتنے ہی دیا کے پاٹ
 کی تو تھی تاثیر آتشیں نے اس کو بھی
 شیخ کہے ہو کے پہنچا ہم کشتِ دل میں ہو
 اگر یوں ہی یہ دل سنا تا رہے گا
 میں جاتا ہوں دل کو تو بے پس چھوڑے
 غل مری زنجیر نے رفتار میں ایسا کیا
 جیوں غنچہ بھراک دل صدا چک نہ پایا
 جان پہ کھیلایوں میں میرا جگر دیکھنا
 گلا کرنا نہیں کچھ میں ترمی نامہ ربانی کا
 جگ میں آیا اُدھر ادھر دیکھا
 جان سے ہو گئے بدن خالی
 اُن لبوں نے نہ کی سیجائی
 ناصح میں دینِ دل کے تیئں اب تو کھو چکا
 جیوں چاہیے اُس طرح بیان ہم سے نہ ہوگا
 شب گزری اور آفتاب نکلا
 ہر چند کیے ہزار نالے
 تسلی ہو گئی دل میں خیال اس کا جیسی آیا
 آشیانہ میں دردِ بیل کے
 رسوائیاں اٹھائیں جو رو عتاب دیکھا
 ہم نے چاہا بھی پر اس کو بچے سے آیا نہ گیا
 مگھل سے تیری کوئی ایک بار ہو نہ گیا

دامنِ محراب میں در نہ اس قدر کب گھر تھا
 جب تک پہنچے ہی پہنچے راگ کا بھالہ میر تھا
 درِ منزل ایک تھی ملک راہ کا ہی بھیر تھا
 تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
 مری یاد مجھ کو دلا تا رہے گا
 حشر کو بھی شور جو ہونا نہ تھا ہر پا کیا
 منہ ڈال کے جب اپنے گریباں میں دیکھا
 جی نہ رہے یا رہے مجھ کو اُدھر دیکھنا
 مجھے شکوہ ہے لے ظالم اس اپنی سخت جانی کا
 تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
 جرطرت تو نے آنکھ بھر دیکھا
 ہم نے سو سو طرح سے مرو دیکھا
 حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا
 کراپنے دین سے تو ہی وصف اپنی کمر کا
 تو گھر سے بھلا شتاب نکلا
 پر جی سے نہ اضطراب نکلا
 بچے مرنے سستی گویا ہائے جی میں جی آیا
 آتش گل سے آج بھول پڑا
 عاشق تو ہم ہوے پر کیا کیا عذاب دیکھا
 وصل سے جو نقش قدم لگا اٹھا بانگیا
 کہ نقدِ دل کے تیئں وہ غریب کھو نہ گیا

دل شیفہ کر کے کیا لیا تو اے خانہ خراب کیا کیا تو
 کیا ہو چل تھے ناصح مرے سمجھانے سے آہ جیوں شمع ہو راحت مجھے جل جانے سے
 تیری زلف سیہ سے اے پیارے بھ کو یک سر ہزار سودا ہو
 کیا ہو اس خاکسار کی تقصیر یہ مگر تم کو پیار کرتا ہو
 قیامت بھی ہوے تو میری بلا سے مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہو
 رونے سے خاکسار کے سزا نہیں کوئی اس خانہ خراب کو چپکا خدا کرے
 خادمِ عظیم آبادی - ناسخ خادمِ حسین - خلف حاجی احمد قیامتِ تخلص از
 منصب داران و علم زادگان علی ابراہیم خاں است - دے راست
 بے پری جب تھی مجھے تب نکلا آزادی نہ تھی خوب تھا آرام جب بے رحم وہ صیاد تھا
 میر منظر علی خوب تخلص - از دوست

ہر جنوں کا دورِ طوفان ان دنوں میں ہوں اور میرا اگر بیاں ان دنوں

حرف الدال

خواجہ میر درد و خلف الصدق خواجہ ناصر دیلویت - مرکز دائرہ اہل کمال -
 سخن سخن کہتے ہیں شیریں مقال - قطع نظر از مہارت فنون سخن کہ دون مرتبہ آن و لا
 تعلیم است در خدا پرستی و تحمل معائب و تسلیم نوائب نظیر خود نداد - سید عالی مرتبت -
 بقیم گوشہ عزلت، رہبر و شہرستان تفرید و سائر کوچہ تجرید - دیوان ز تختہ
 اش اگر چہ از ہزار بیت متجاوز نیست، لیکن ہمہ یک دست و محتاج بہ انتخاب
 نداد - در شاہجہان آباد تا این زمان کہ سنہ یک ہزار و یک صد و نوہ و چار
 ہجریست گوشہ انزوا اختیار نمودہ بہرہ یاب فیوضات ناقصا ہی الہی است -
 این چند شعر ز تختہ از خلاصہ نالہ ماے شود انگیزا دست

عاشقِ بدعلی ترا بیاں تک تو جی سے میر تھا زندگی کا اُس کو جو دم تھا دمِ شمشیر تھا

بارے یہ داغِ عشق ہوا شہرِ یار دل

موت سے بے چراغ بڑا تھا دیار دل

حیراں آئینہ دار ہم ہیں

آپ تو تھیں جی پراس کا بھی کیا خانہ خراب

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں

موت تک جہاں میں ہنستے پھر اکیے

پھرتے تو ہونائے سچ اپنی جدِ مرتد مصر

آہ پردہ تو کہیں مانع دیدار نہیں

آہِ مشتاق ترے صفت ہو جاتے ہیں

گیلیم تختِ سیاہ دار رکھتے ہیں

یہ کس نے ہم سے کیا وعدہ ہم آغوشی

جہاں کے باغ سے ہم دل سوانہ بھل پایا

اُس کی باتیں مجھ سے کیا پوچھو ہو تم

درد کو تو پہنچا معلوم ہے

جر کے بن دیکھے نہ زند آتی ہیں

برہم بناں کی صورت رکھتا ہر دل نظریں

کہیں ہوے ہیں سوال و جواب آنکھوں میں

کرے ہر دست بنگا ہوں میں ایک عالم کو

آگے ہی بن مئے تو کہے ہے نہیں نہیں

ہیں معنی بلند مرے عرش کے پرے

اگر میں نکلتا رہی سے ترادہاں پاؤں

یہ رات شمع سے کہتا تھا دردِ پروانہ

کس سے یارب دو چار ہم ہیں

درد اپنے ساتھ نکلیں دل کو بھی لے ڈوبیاں

پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

جی میں ہر خوب روئے اب ٹھیک کر کہیں

لگ جائے دیکھو نہ کسو کی نظر کہیں

اپنی غفلت کے سوا کچھ درد دیوار نہیں

اک نظر بھولے سے بھی ہوے تو جی پاتے ہیں

یہی بسا طیس ہم خاکسار رکھتے ہیں

کہ مثل بحر سراسر کنار رکھتے ہیں

نقطہ ہی ثمرِ داغدار رکھتے ہیں

مدتیں گزریں کہ دیکھا بھی نہیں

کوئی بھال فریادِ مندا بھی نہیں

خواب میں بھی دیکھتے اُس کو نہیں

ہوتی ہر بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

یہ بے سبب نہیں اتنا حجاب آنکھوں میں

لیے پھرے ہر یہ ساقی شراب آنکھوں میں

تجھ سے ابھی تو ہم نے وہ باتیں کہیں نہیں

موت کہہ کہ باتِ درد کا کرسی نشیں نہیں

کر کر کو چاہیں تو اس کے تئیں کمال پاؤں

کہ حال دل کوں گرجاں کی اماں پاؤں

دل بھی لے دردِ قطرہ خوں تھا
 آنسوؤں میں کہیں گرا ہو گا
 تجھی کو جو یہاں جلوہ فرما نہ دیکھا
 برابر ہر دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
 کیا مجھ کو داغوں نے سرور چاغاں
 کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا
 مثلِ نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا
 ہم دریاہ جاتے رہے نام رہ گیا
 جی میں ہر سیرِ عدم کیجیے گا
 یک بہ یک خلق سے ہم کیجیے گا
 سودِ قہر تو یاں ہم ہی ہیں
 اور کس پر یہ کرم کیجیے گا
 وہ ہو کر کہیں تو ہوا بے حجاب رات
 تھاخل زلفِ دل کو عجب تیج و تاب رات
 تیرے گناہ آتے ہیں کوئی شمار میں
 اے دردِ ہم نے جی میں کیا تھا حساب رات
 جائیے کس واسطے لے دردِ میخانے کے تیج
 اور ہی مستی ہو اپنے دل کے پانے کے تیج
 تیج و تاب تنہا جو یہاں اس دل صد چاک کو
 زلفِ لہجی ہو کسو کی ظاہر شانے کے تیج
 باکرم تھا اس قدرِ ناظلم رانی اس قدر
 جان کو آنے سے لبِ بیک نزع میں کب تک ہو
 زخم تو کرتا ہر معنی کے تیس صورت پذیر
 حیرت ہو یہ کہ تجھ سے ستم گر کے ہاتھ میں
 موڑنا منہ نہ ابھی سوزِ نِ مرزاں ہم سے
 نہ کیا تو نے ایک بار افسوس
 دل پہ ہونا جو کچھ تھا سو گزرا
 حلِ میرے پہ صد ہزار افسوس
 نہ کراے دردِ بار بار افسوس
 ہا یا نہ تھا تو آج تیس ہاتھ سے تیغ
 دابہ میرے قتل سے تھی آرزو سے تیغ
 جاننا زد بھی ہیں پر اے ابرو دان بار
 میری طرح نہ ہو گا کوئی دوبرو سے تیغ
 لے دردِ مثلِ زخمِ زمانے کے ہاتھ سے
 دیکھا نہ آنکھ کھول کے ہم غیر رو سے تیغ
 پیغامِ یاس بھیج نہ مجھ بے قرار تک
 ہوں نیم جان سو بھی ترے انتظار تک

اپنے ہاتھوں کے بھی میں زور کا دیوانہ ہوں
 جو جفا جو ہیں انھیں سنگ دلی لازم ہو
 آج ہو آہ کی ہو اکچھ زور
 زلف کی کج ادائیاں دیکھو
 مزاجی ہو جب تک ترجی جستجو ہو
 خدا جانے کیا ہو گا انجام اس کا
 تشا ہو تیری اگر ہو تشا
 کسو کو کسی طرح عزت ہو جگ میں
 نظر میرے دل کی پری دس کس پر
 آتش عشق جی جھلاتی ہو
 تو ہو اور سیر باغ ہو ہر وقت
 گریباغ میں خنداں وہم الب شکر آوے
 قاصد سے کہو یہ خبر ادمر کو ہی لے جا
 کہتے ہیں یک دست تری تیغ چلے ہو
 گرچہ بنیرا ہو پر کچھ تو اُسے پیار بھی ہو
 دل بھلا ایسے کو لے قد نہ دیتے کیونکہ
 تا ابد جوں قطرہ مجھ سے مانفعل
 غنا کی بیودہ رونے کو ڈبوتی ہو
 دم لینے کی فرصت جیل ٹک سی نڈی نے
 لبتی ہو فرخہ کا کام ابرو
 اس طرح جی میں مانس کھٹکے ہو

رات دن کشتی ہی رہتی ہو گریباں کے ساتھ
 کلام توار کار رہتا ہو سدا سان کے ساتھ
 دیکھیے کس طرف پلٹتی ہو
 ہر گھڑی منہ سے جالیتی ہو
 زباں جب تک ہو تری گفتگو ہو
 میں بے صبر تر ہوں وہند خو ہو
 تری آرزو ہو اگر آرزو ہو
 نیچے اپنے روتے سے ہی آبرو ہو
 جدھر دیکھا ہوں وہی رو برو ہو
 یہ جہان ہی پر آتی ہو
 داغ ہو اور سبز چھاتی ہو
 گل مانتو اہل سے منہ ڈھانپ کر آئے
 بھال بے خبری آگئی جب تک خبر آوے
 تب جانے جب تک دو قدم چل ادمر آئے
 ساتھ انکار کے پرست میں کچھ اقرار بھی ہو
 ایک تو بار ہو اور سب طرح دار بھی ہو
 جس جگہ سجدہ کرے ٹھان نہ رہے
 گرا تک بجا ٹھیکے آسٹو نہیں موتی ہو
 ہم تجھ کو دکھا دیتے کچھ آہ بھی ہوتی ہو
 یہ تیرے نہ گو کمال سے
 سانس ہو یا کہ پھانس کھٹکے ہو

دل میں رہتے ہوا دھڑکھول دیکھتا مقدر نہیں
 چاہیے دھول جہاں جل جاوے اس شعلے کے سہم
 نزع میں ہوں بہو ہی نالے کیے جاتا ہوں
 ہم تجھ سے کس ہوس کی فک جستجو کریں
 جب تک ہر ہستی ہمیں اسی اضطراب میں
 میں اور مجھ سے درد خریداری بستان
 وہ نگاہیں جو چار ہوتی ہیں
 بے وفائی پر اس کی دل مت جا
 نزع میں تو بولے تیرا گلہ کرتا نہیں
 عشوہ دنا زور شہر میں بھی جان بخش لیک
 نئے جوں سایہ ہم تجھ بن ادھر او دھر بھٹکتے ہیں
 مانع نہیں ہم وہ بت خود کام کہیں ہو
 کیا فرق داغ و گل میں کہ جس گل میں نہ ہو
 نیکنے کے سوا کوئی بھی ایسا کام کرتا ہو
 مجلس میں بار ہوئے شمع چلے گو
 اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیدار کرو
 کبھی ہم نے نہ پایا امراں نے تند خو تجھ کو
 تنائیں مبتدل حسرتوں سے ہوئیں دلیں
 رکھتی ہو میرے غنجہ دل میں وطن گرہ
 کیونکہ یہ کام عشق گرہ در گرہ نہ ہو
 رہا ہو تو بیک کو بھی مری جان کے ساتھ

۲۳
 گھر سے دروازے تلک و توجہ دل دور نہیں
 درد ایسی سردا ہیں عشق میں منظور نہیں
 مرنے مرنے بھی ترے غم کو لیے جاتا ہوں
 دل ہی نہیں رہا ہر جو کچھ آرزو کریں
 جیوں معن آجھ سے ہیں محبت بیچ و تاب میں
 ہر ایک دل باطامیں سو کس حساب میں
 برجیاں جی کے پار ہوتی ہیں
 ایسی باتیں ہزار ہوتی ہیں
 دل میں ہر وہ ہی وفا پر جی و فاکر تا نہیں
 درد مزا ہو کوئی اس کی نہ داکر تا نہیں
 جہاں جا ہیں قدم بھیں تو پہلے سر چلتے ہیں
 پر اس دل بے تاب کو آرام کہیں ہو
 کس کام کا وہ دل ہو کہ جس دل میں تو نہ ہو
 کہ ہونا ام اور کا دلشن اور اپنی رو سیا ہی ہو
 لاویں اگر ہم اپنے دل داغ داغ کو
 پر نہ آجائے کیس جی میں کہ آزاد کرو
 نہ دیکھا ایک دم بھرا کھلے خورد خند و خجہ کو
 رہی تو بھی نہ ملنے کی ہمارے آندو تجھ کو
 تجھ سے نہ کھل سکے گی مبادیہ کٹھن گرہ
 بھال مل گرو کی شکل ہر اور وہاں دہن گرہ
 جی ہو وابستہ مرادیکھو ہر ایک آن کے ساتھ

سینے کو چاک صبح کے مانند اگر کروں
 اے درد غیر کا نہیں شکوہ مرے تئیں
 آنکھوں کی راہ ہر دم انجان ہی رواں ہو
 آہوں کی کشکش میں ٹک دیکھو نہ ٹوٹے
 میرے غبار کا کچھ پایا نشان نہ ہرگز
 آج نالوں نے مے زد ہی دل سوزی کی
 آرام سے کبھو بھی نہ اک یار سو گئے
 خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
 اٹھتی نہیں ہو خانہ زنجیر سے صدا
 ہو غلط گر گمان میں کچھ ہو
 دل بھی تیرے ہی ڈھنگ لکھا ہو
 بگھلا دل اثر نہ مے محل پر کبھی
 چاہو وفا کرو نہ کرو اختیار ہو
 سیلاب شک گرم نے اعفائے تما
 نہ وہ نالوں کی سوزش ہو نہ آہوں کی ہر دہ دھونی
 گل رُخاں کا بحر و بریں جو ہو سود ہوش ہو
 مرا تو جی وہیں رہتا ہر نت جہاں تو ہو
 جھاتی ہے گر پہاڑ بھی ہوئے تو ٹل سکے
 جان تو اک جہاں رکھتا ہو
 نالہ جاں خراش مست کرنا
 اک حق سیہ مست نے بے خبری ہو

جیوں آفتاب نکلے مراد ل کنا رے
 جو کچھ گلہ ہو مجھ کو سواپنے ہی یا رے
 جو کچھ ہو میر دل میں نہ پر سر عیاں ہو
 - افس سے دل داہستہ میری جان ہو
 صحرائیں جا صبا نے ہر چند خاک چھانی
 زخم دل جھنسنے تھے یہاں سب کی جگر دوزی کی
 ایسے ہمارے طالع بیدار سو گئے
 آخر کو جاگ جاگ کے لاچار سو گئے
 دیکھو تو کیا سبھی بے گرفتار سو گئے
 تجھ سوا بھی جہاں میں کچھ ہو
 آن میں کچھ ہو آن میں کچھ ہو
 ہر چند پڑتے روتے میں نالے بہا دیے
 خطے جو اپنے جی میں تھے وہ اٹھادیے
 لے درد کچھ بہا دیے اور کچھ چلا دیے
 ہوا کیا درد کو پیائے گلی کیوں آج ہو سونی
 ہم نے دیا میں بھی دیکھا بلبلوں کا جوش ہو
 اگر چہ میں یہ نہیں جانتا کساں تو ہو
 شکل ہو جی میں بیٹھے سو جی سے نکل سکے
 کوئی میری سی جان رکھتا ہو
 بلبلو گل بھی کان رکھتا ہو
 کس زلف کے کوچے میں نسیم سحری ہو

دشنام دے ہو غیر کو تو جان کر مجھے
ظالم سمجھ کے اپنی نظر پھینکیو کہیں
نہ مرتے ہیں نہ فید آئی نہ وہ مورت بستی ہو
دند اپنے حال سے تجھے اسکا ہ کیا کرے
دل دے چکا ہوں اس بت کا فرکے ہاتھ میں
سر سبز تھانستان میرے ہی اشک غم سے
اذیت کوئی تیرے غم کی میرے جی سے جاتی ہو
کب تراد روانہ آوے قید میں تدبیر سے
اس کو سکھائی یہ جفا تو نے
دیکھ کر نبض طیب آج یہی کہہ کے اٹھا
یار و مرا شکوہ ہی بھلات کیجئے اُس سے
جیوں جیوں وہ کٹے ہو تو یہی کافے ہر دل میں
ہم کہتے نہ تھے دردِ دیاں جوڑ یہ باتیں
گو نام عاشقی ترے نزدیک تنگ ہو
کرتا ہو اس قدر تو خفا درد کو عبث
نہ ہاتھ اٹھاوے فلک گو ہائے کینے سے
نہیں خیال نہ تھے خاتمِ سلیمان کا
بسانِ دانہ انگورے پرستوں نے
بسا ہو کون ترے دل میں گل بدن لے درد
آہستہ گزریو تو صبا کوے یار سے
اُس سنگدل کی دودھ خسانی کو دیکھیے

پیارے یہ لطف کیجئے پہچان کر نہ تھے
گزارا جدھر یہ تیر تو پھر وار بار ہو
یہ جیتے جاگتے ہم پر قیامتِ شب گزرتی ہو
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے
تھے سیکڑوں ہی نالے وابستہ ایک دم سے
کبھونک جی کیا خالی تو پھر جھپاتی بھراتی ہو
جیوں مدد نکلا ہی جاوے خانہ زنجیر سے
کیا کیا اسے مری دنا تو نے
مر گئے ہائے اسی درد سے بیمار کئی
مذکور کسی طرح تو جاکھیے اُس سے
پھر چھڑیے اور باتیں سنا کیجئے اُس سے
پائی نہ سزا اور دنا کیجئے اُس سے
کریے نہ قتل ہم کو تو پھر کیا درنگ ہو
ظالم وہ اپنی جان سے آپ ہی بہ تنگ ہو
کے دماغ کہ ہو دو بدو کینے سے
برنگ نام ہوں برکنہ دل ٹپکنے سے
لیا ہو فیض مرے دل کے آگینے سے
کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے
بیجوش نہ کیجیو مرے ہر گز غبار سے
پتھر لگئی ہیں آنکھیں مری انتظار سے

خواب میں رات خیالِ رُخِ دلہ ار کیا
 کیا کرے میری وہ خوب بھتا ہو طیب
 جنوں کا ہو گریباں کو دستِ کا رنیا
 ہو نہت انھیں خیالِ مرے امتحان کا
 کیوں نہ ہو دل اور جگر دل جو تپے پکیاں کا
 گلہ کم سختی تانہ کر کے کشتہ ناز
 ۱۲۴ منہ پہ آنسو کو چھڑک چشم نے بیدار کیا
 کہ تری چشم کا بیدار نہیں جینے کا
 نت اٹھکے توڑ رہے ہو دو چار تار نیا
 عشق تباہ کمال ہو کہ سودا ہو جان کا
 دیکھا ہی کرتے ہیں منہ اہلِ کرم مہمان کا
 ایک شام سے تو کارسیا کا کرنا

اضطرابِ ہجر میرے دل پہ زور آور پڑا
 زلفوں سے لہر دل سے کب تک نہ ساز ہوتا
 بدنام ہوے صفت میں حاصل نہ ہوا کچھ
 ہمیں لے یک تری زلف کو نہیں چھیڑا
 جو امتحانِ جہا میں نکل گیا یہ دل
 اب تک میں غیث اور کس ڈھونڈ رہا تھا
 پہنچے پائے نہ عارضِ تلکس یار کے ہات
 سنے تیرے تولا ئی ہو مجھے تقدیر کھینچ
 چھوڑتے ہیں بار بار اگر نصیحت کر مجھے
 جو تیغ کھینچی ہو قاتل تو درگزمست کر
 دلِ بیارہ کو چھوڑا نہ قضا نے آخر
 لے کے ہاتھوں میں سے اپنے لہو کو ظالم
 دل نہ کہتے تھے شبِ ہجر میں بھید ہو
 شکوہ احسانِ قضا تیر کی زہ سے چھوٹ کر
 فتح کا ناقوس بجوایا فغانِ واہ سے

پرے میں اسی دل کے مرا یار حبیب تھا
 زلف نے باندھ لیے اپنے گنگار کے ہات
 قاتل اب ترکش سے اپنے تو بھی کوئی تیر کھینچ
 مار بیٹھوں گا کسی دن پاؤں کی زنجیر کھینچ
 مرے گناہ نہ کرنے پہ تو نظر مست کر
 نہ کیا سو طبیعوں کی دوائے آخر
 خون ثابت ہی کیا توجہ چٹانے آخر
 دل کی صبح دکھائی نہ خدا نے آخر
 جا لگا اغلیہ کے دل سے ہمارے بھوٹ کر
 ان بتوں نے کعبہ دل کو ہمارے لوٹ کر

۱۲۶
جب کہ پہلے سے یار اٹھتا ہو درو بے اختیار اٹھتا ہو

رباعیات

لے درد بیدار جی سے کھونا معلوم جیوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
مکمل درجہاں ہزار چھو لے لیکن میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم

لے درد بہت تو نے ستایا مجھ کو بے درد بہت تو نے ستایا مجھ کو
اک جاں چور کھتا تھا سو کرتا ہوں شمار لے درد بہت تو نے ستایا مجھ کو

تیرے لیے درد کی کسی سے نہ بنی بہتیروں نے چاہا یہ سبھی سے نہ بنی
یہ خانہ خراب رفتہ رفتہ آخر ایسا بگڑا کہ اپنے جی سے نہ بنی

لے درد بہت کیا پر کیا ہم نے دیکھا عجیب اس جہاں کا لیکھا ہم نے
بنائی یہی تو دیکھتے تھے سب کچھ جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

کو بچے میں تھے جب ان کو بیٹھ گئے اتنا روئے کہ جنم تر بیٹھ گئے
جس سمت کو پھر نظر اٹھا کر دیکھا مانند جباب گھر کے گھر بیٹھ گئے

محمد عابد متخلص بدول برآمد کلاں محمد روشن خوش شمش مولد و مولف عظیم آباد۔
دہ تھوڑی و چراغ نیکانہ عہد و نہ کہہ سی و قابلیت خلاصہ دہر از چندے شغل طبابت
مہوئی باشد۔ دیوانش ہزار بیت دیدہ شد۔ این چند شعر از خلاصہ کلام او کہ تاثیر بہ
دل و جان نکند یہ تحریر می آید۔

گر بارے آنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا اب تک دل مضطر نے کیا کیا نہ کیا ہوتا

دہ نکلے نہ نکلے پہ بہر تسلی

وہ اپنی جفاکاری افسانہ زاد ادا کرنے

تھامے درد پہ جو دریاں نے آستیں کپڑی
جس گھڑی رخصت ہم اپنے یار سے بھونے لگے

لے دو دو آہ کیو اس ابر بہار سے

دل میں ہوائے عشق کا جو درد ہو سو ہو

قاتل ٹٹولتا ہو عیث لاش کو مری

مجھے تو حکیم ضعیف نالہ و فریاد ہوتا ہو

بھالیں حسرت دل اپنے دیدہ گریاں

اگر تیغ جفا سے یار سے بھال جی بھاویں گے

جو تک فرصت طمس نا توانی سے تولے گرد

اس دل کے پار کس کی نگہ کا خدنگ ہو

شاہ دانا۔ امش شیخ فضل علی از معتقدان شاہ برہان الدین و از شاگردان

مضمون دہنوی مست۔ در نیولاب لباس فقر و ارستگی در جگالہ بسری برد۔ گفتار بیشتر

بطرز ایہام است۔ اور است

اب ہم کنار ہونے کی کب ہو مجھے امید

تمہاری تیغ گو یا اس کے حق میں ابر دست ہو

تجہ انتظار میں پیائے عیشال آئینہ

جس وقت وہ کرے ہو زلفوں کو اپنی شانہ

دل میں ہر ایک کے سودا ہو خسریاری کا

نہ چائے خون کو جس روز میرے اس کو فنا ہو

۲۹؎ ایک اک حلقہ مد ہلا دیکھیے تو

جو ہم پہ گزرتی ہو سوس کی بلا جانے

بزرگ نقش قدم ہم نے بھی زمیں کپڑی

وہ اُدھر رونے لگا اُدھر ہم اُدھر رونے لگے

تو جو سیاہ مست مروں میں غمار سے

چہرے کا میرے رنگ ہی زرد ہو سو ہو

حسرت کا مجھ میں وہ جو دم سو ہو سو ہو

ہراس بیتاب لکے حق میں کیا اوشاہ ہوتا ہو

کوئی دم اور اگر تیغ یار فرصت دے

قیامت میں دفا کو ہم نہ اپنا کیا دکھاویں گے

نہ مجھے بھی آہ و نالے کا تماشا ہم دکھاویں گے

آنسو کو دیکھتا ہوں تولو ہو کے رنگ ہو

شاہ دانا۔ امش شیخ فضل علی از معتقدان شاہ برہان الدین و از شاگردان

مضمون دہنوی مست۔ در نیولاب لباس فقر و ارستگی در جگالہ بسری برد۔ گفتار بیشتر

بطرز ایہام است۔ اور است

خبر گر ترا ہی کبھی آگے لگے

شہیدوں میں تو اسر سبز و آنا کھیت میں آگے

تمام عمر ایک سے کب ہو ایک نہ لگی

اُس آن کیوں نہ میری چھاتی پہ پناہ پھر جا

یوسف مصر گر تو ہی ہو اسے یار عزیز

رگ گردن سے میری اُس کے خبر کو علاء ہو

۱۲۸
 کچھ اتھا کل گریبانِ قاتل نے میرا کر
 دل تو میں مے چکا ہوں تجھے بلکہ جانِ تنک
 تیری زلفوں میں بھسا دل سے یہ تعصیر ہوئی
 زلفِ سلجھا فی صنمِ آسان جو
 دل تو جلتا ہے مرے سینے میں پر جانے کون
 تو نے بدست کو میرے تو اٹھایا لے دل
 دل مضطرب کو مے دردِ غمِ ناحقِ جدائی میں
 دکھانا ہے جو ابنی کانٹھ میں یہ نقد حیرت کا
 توقع اور تو کیا ہے مگر سنگِ جھالے دل
 گو دل بھی دیں پڑاؤں سے نہ بوسطِ طلبِ کوس
 رچا ہے اس قدا ب انتظار آنکھوں میں
 سُن خریدارِ مول ہنستے ہیں
 شرمندہ ہوا آخر میرے دل پر خوں سے
 لے ابرہم تو وہ ہیں اگر چشمِ غم کریں
 ندیکہ اُس طرف وہ ظالم بباد دیکھتا ہی ہو
 اگر محض کریں فریاد کے خوں کا تو لازم ہے
 نے ناوک کا ترے گشتہ احسان نہ ہو
 دُلوں کس واسطے میں آفتابِ روزِ محشر سے
 غیر کو شربتِ لطف اور مجھے زہرِ نگاہ
 مری خاکِ تنک آپ آدیکھیے تو
 ہماری وفا ہے اور اُس کی جفا ہے

منت نے جی چھڑایا بارے خدا خدا کر
 دیکھیں تو اب کرے ہی جھاٹو لگاں تنک
 نقدِ جاں لیجیے حاضر ہے گنہگارِ سی دل
 کھولنا دل کی گرہ کا ہے کٹھن
 درد مندوں کو ترے عشق کے پہچانے کون
 نام سے توڑے گا اب شیشہ و پیانے کون
 یہی انصاف لکھیا ہے خدا تیری خدائی میں
 مگر یا یہی آئینے نے اُس کی رونمائی میں
 سو تبصرہ بھی نہ ہاتھ آیا بتوں کی آشنائی میں
 یہ ہم سے ہو سکے ہے کہ ترکِ ادب کریں
 لگے ہے آنکھ تو بھرتا ہے بار آنکھوں میں
 دل بھی کیا ان دلوں میں کہتے ہیں
 منہ ڈال کے جب دکھا غنچے نے گریباں میں
 طوفانِ نوح سے نہ ہوا ہو سو ہم کریں
 دل اپنی جان کا دشمن تو مت خواہی نہ خواہی ہو
 کہ میرے دلِ غمِ دل کی مہر سے اُس پر گواہی ہو
 جب تنک سینہ عشاقِ زیستہ ان نہ ہو
 مرے بھاویں قیامت آجکی دکھا جی اُس کو
 آہ مارا کہے اور تو نے حبلا پا کس کو
 ذرا دامن اپنا لٹا دیکھیے تو
 اب آپس میں ہوتا ہے کیسا دیکھے تو

دو دن ہیں کمال کہ خوش معاشی کیجیے باہمی دے بار کہاں کہ یار باشی کیجیے
اک گونے میں بیٹھ کر دو آنے تنہا اب ناخن غم سوں دل خراشی کیجیے
داؤد بیگ از موزنابین عہد محمد شاہ غفران پناہ تخلص او داؤدین بیت

از دست

زلفِ دلبر سے مجھ کو سودا ہے لوگ کہتے ہیں تجھ کو سودا ہے
شاہ فتح محمد تخلص بہ دلِ معاصر نجم الدین آبرو از فرزندان شاہ ابو الفوش

از دست

کیا نکلی تیز زد کھیں ہیں مڑ کھاں یار کی ہم نے مٹیاں بھی نہیں دکھیں کیں سار کی
درخشاں ہوش نکلویگ۔ از م تے مقیم فیض آباد بود و ہما بخار حلت نمود۔

از دست

یاراں و دایع عمر کو بجزاں کی رات ہے مانند شمع میری محسوس کو دنات ہے
حرف الذال

ذہین۔ اش میر مستعد از دستاں میر محمد تقی بود۔ از دست

باتیں ہماری رات انھوں نے نہ جانیاں کیا کیا باتوں کے جی میں رہیں بد گمانیاں
ذاکرہ اش میر حسین دوست ابن میر علی دوست۔ متوطن مراد آباد سنبھل۔
چند سال در شاہجان آباد میر مسطور مدین خسرو پور بات ہے اقام مرزا محمد رفیع خاں و
بدیع الزماں خاں بود۔ مرد ظریف و شعر فہم خوب۔ در صرف و نحو ہم فی الجملہ مہارت
داشت بہ ہندت کافہ ہے شعرے می گفت۔ از دست

جو چاہو سو کو مختار ہو عند کو دے حسین دوست کے دشمن کے دشمنیں زید کو

کرم اللہ خاں درویشیو زادہ ذواب میر خاں۔ مروغجام وزبان آدر بود۔
در معرکہ مرہٹہ ہمراہ میر علی امیر کبری داد شجاعت داد و بروضہ نعیم شرافت۔
کلامش الم انگیز است۔

سنانے ہوتے ہی پھر نفس نہ پائی دل کی
بٹ گیا لوگ سناں پھٹ بیڑ گان کے بیچ
اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے
تو پوچوں اس عقیدت سے کہ کھرا سلام ہو جائے
مے سینے میں ہرک سانس ہرک بھانس کھلے ہر
خلش دل کی نکل جائے تو کیا آرام ہو جائے
ادب ضرور ہے اس خاک آستانے کا
ترہ پھو ایسا تو بسل کہ بال و پر نہ لگیں
کھارے سے کنار اک ہر کھرا یارو
درومند۔ ہنس نقیہ۔ ولدا آبائش و کھن۔ و خود در دلی نشو و نما و تربیت
از مرزا مظہر جان یافت۔ حسب اطلب ذواب شہامت جگہ ازدہلی مرشد آباد آمد۔
بازندہ بود از مسلکای ذواب مسطہ بود ساقی نامہ رختہ اوزبان دہانام است و
سیاہے آن شعرے ندیدہ شد۔ مگر این رباعی کہ بہ تخریر می آید۔

رباعی

کُسا میں جاگرا ہے ناحق کے تئیں
بروڑے آکھڑا ہے ناحق کے تئیں
مگر کوئی پہاڑ سے لیتا ہے
فراد کا سر پہاڑی ناحق کے تئیں
دوست۔ نامش غلام محمد۔ طوفش بہار۔ مرد عاشق مزاج است۔ اور است
کافر و جن کے دل میں تری آرزو نہ ہو
کس کام کی زباں کہ تری گفتگو نہ ہو
منم جو دیکھ نہجہ کی کہ ہے دور آنکھوں سے
کچھ اپنا پس نہیں ظالم میں ہیں مجبور آنکھوں سے
دیوانہ۔ ہنس سرب سکھ راے۔ ازا قریبے راجہ ہما ز این بغیر فارسی
می گوید۔ بھنے رختہ گویان لکھو شاگردا ویند۔ گاہے فکر رختہ می نماید۔ اور است
دلہا کہ نہیری تیغ کے گائے سے ٹل نہ جائے
رستم کا کیا جگر ہے جو زہرا بگمل نہ جائے

سمجھ کے کچھ جن میں خرام لے گل رو
 مرگے شب فراق سے لے آفتاب صبح
 صفحہ جاں پہ جو نقش رخ قاتل کھینچا
 گر بے حجاب ہو کے ہیں منہ دکھائے دوست
 ہے ہی جن ہی ابر ہی مینا ہی جام ہی
 خوشبو کی بٹیس لاتی ہے لے رتد اب نسیم
 شب بجرال میں تیری نیند آئے کس طرح مجھ کو
 گرو خوش آئی ہے تجھے جلنے میں پڑنے کی طرح
 چھپا ہی ہلک میں ل میلا اس کو دھندوں گہ
 جانہ سے کھڑے پتیرے یں کبھر جاتی ہی زلف
 لے رتد نے کی طرح سے شور و فغاں کے تیج
 آستیں آنکھوں پہ یا دل پہ رکھوں اپنے اتمہ
 گر نہ بیتا شربت صلو کیوں
 غم خوری کا جب سستی آیا ہیں پیغام غم
 توڑتے ہیں اس لیے سر اس کا لے پستہ دہن
 نہ مہر ہی نہ مروت نہ کچھ وفا ہی یہاں
 تری گلی سے جواٹھا ہی ہر گھڑی شعلہ
 ہر آن اس کو دیکھوں میں ناز و عتاب میں
 گرچہ جوں سایہ میں پامال ہوا جاتا ہوں
 تھا کل جو ساتھ غیر کے توالہ زار میں
 یہ دن فراق کے ہی جی میں یوں تمام کریں
 ہے تیرے پاؤں تلے فرش دل ہزاروں کا
 لے آفتاب صبح اٹھلا لے نقاب صبح
 جان سے اتمہ گرتو نے اب لے دل کھینچا
 مرجائے بلاستی لے کر بلاے دوست
 لیکن ہزار حیف کہ خالی ہو جائے دوست
 شاید کسی نے کھولا ہی بند قباے دوست
 لگا کر آنکھ تجھ سے کوئی سوکتا ہی کیا قدرت
 دل بھی میرا جانتا ہی خوب جل جانے کی طرح
 کہ آدمی رات اُدھر دے اور آدمی رات اُدھر
 جس طرح سوچ کے منہ پر کئے بھٹ جاتا ہی ابر
 جب تک کہ تیرے دم میں ہی دم تو کمی نہ کر
 ایک مہریت میں کار دو جاں ہی دہش
 کھینچنا ہجر کا خار یہ دل
 دل ہوا بے تاب تب سے اور کیا آرام دم
 ہمسری کا! ہے ہی تجھ چشم سے بادام دم
 نہ جانے کیا ہی سبب دل جو مبتلا ہی یہاں
 نہ جانوں کون سے عاشق کا دل چلا ہی یہاں
 لعل پھنسا یا تو نے مجھے کس عذاب میں
 تو بھی قدموں سے ترے یار لگا جاتا ہوں
 سن کر لگی ہی آگ دل داغ دار میں
 سحر سے باد میں تیری جو روئیں شام کریں

حرف الزاء

رند۔ آتش میر ہزہ علی۔ ترک علائق دنیوی نمودہ در مرشد آباد چندے
سویا بر بنہ می گشت و اشعار خودی خواند می گریست۔ الحال کہ ۱۹۴۴ء یک ہزار
دیکھوہ نمودہ چار است در عظیم آباد بوارستگی تمام بلا تعین مکان زندگانی می کند۔
پہلوان معرکہ سخنور است۔ اکثر اشعارش در کمال لطافت واقع شدہ اند۔ از لطیف
ترین آہناست۔

دل مرا شوخ شنگار سے اب یار ہوا
سینے سے داغ عشق مٹایا نہ جائے گا
تہا وہ شوخ رات کو آوے گا تو سہی
تسے بن دیکھے لے ظالم ذرا میں جی نہیں سکتا
ترے لعل جان بخش کو ہم نے بتلا
اٹھا جانا ہر جی میر تو لے جاں زندگانی سے
مجھے لے رند وہ بال کر باہر کہاں بھاگول
پھر اُسے ہم نے چشم تر دیکھا
چشم بد دور آج لے مردم
قطرہ گرا جو منہ میں ے خوش گوار کا
قمریاں بولیں جن میں تری رشتہ کو دیکھ
یوں ذریب میں ہیں تسے منہ پہ داغ چپکے

آپ سے جا کے بلا بیچ گرفتار ہوا
ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
پریم سے گھر میں چاند چھایا نہ جائے گا
اے جینار با یک طرف میں مر بھی نہیں سکتا
کیا آب حیا کو پانی سا بتلا
نہ کر تو پاس میرے بیٹھ کر نہ گوارا ٹھنے کا
نہیں جیو نقش پا میرے تن مقدور ٹھنے کا
تیرے تئیں جس نے یک نظر دیکھا
یار کو ہم نے بھر نظر دیکھا
دُشنام یاد آیا مجھے اپنے یار کا
اب تک سر و زماں نہ ہوا تھا سو ہوا
ہر گرد چاند کے گویا ہجوم تاروں کا

لے دونوں نسخوں میں یوں لکھا ہے۔ ردیف تہم میں میر مدائنہ والہ (۶) میر ہزہ علی اند۔

اگر جن میں تو زگر کے پاس جا بیٹھے وہ شوخ دیدہ وہیں اکھڑیاں لڑا بیٹھے
 مجھے تو کم سخی سیتی یا رقت س کی پھلاکھول جی اٹھیں گز رکاب زباں بلا بیٹھے
 وہ دن گئے کہ نہ اٹھتا تھا میری صحبت سے زمانہ اور ہوا اب تیری بلا بیٹھے
 دم تنہوں میں میرے نفس باز پس ہو چپ نالے کہ دم مارنے کی بات نہیں ہو
 آنکھوں میں غیر سے نہ اشارات کیجیے مانع ہو کون شوق رستی بات کیجیے
 اس چشم اشک بار سے اتنی تو ہر امید بل مارنے میں موسم برسات کیجیے
 بے پرواں ہی رہنے کا خیال اپنا ہو سو رکی طرح پردہ بال و بال اپنا ہو

رباعی

اب تم سے کیوں جو کچھ ہی میرے دل میں سب تم سے کون جو کچھ ہی میرے دل میں
 پہلے کہہ لو کہ ہم نہ مانیں گے بُرا تب تم سے کون جو کچھ ہی میرے دل میں
 محمد جعفر خاں راغب دہلوی، برادر زادہ نواب لطف اللہ خاں صادق
 تقرب بندگان ایشان نزد سلاطین ہند مشہور۔ از مدتی خان مذکور در عظیم آباد مقیم گردیدہ
 شعر فارسی در محنت ہر دوی گوید۔ این ابیات در محنت اور است

بتوں کے دل جاں کا تجھ سے تو زیاں ہوگا لڑکے تو غضب ہوگا جس وقت جواں ہوگا
 راغب کو کوئی دھونڈے کو بچے میں نہ اُس کے وہ سوختہ دل یا در شاہد کہ وہاں ہوگا
 تجھ میں یثرب لے یا زبٹ ہم پہ کر دی ہو ہر اس کی گھڑی روز قیامت سے بڑی ہو
 رفعت۔ اش شیخ محمد رفیع۔ مولفش الہ آباد و مسکنش عظیم آباد چندے
 رفیق نواب عالی جاہ بود۔ از مدتی بخندست مالی آن صوبہ قرین اعتبار ہی گزرا نہ -

گاہ شعر رنختہ می گوید۔ اور است

الہی داد رسی قتل کی اٹھا دینا کہ ہو نہ حشر میں قاتل کو خوں بہا دینا
 کیا جگر ہی جو تہہ وہ پہ فعال کرتے ہیں ہم تو آہستہ قدم رکھتے ہوئے ڈرتے ہیں

شب فرقت میں تیری الوداری کا دوریں ہوں
 جھکتی ایک بل نہیں آنکھ بیداری کا دوریں ہوں
 مجھے ہر دم میں مہم جوئی کا دوریں ہوں
 کیا کروں گا یاد ساقی تیرے مینا کے تئیں
 پوچھوں ہوں ہر چہ جاکے کبریت خانے کے تئیں
 منہ میں اگر نہ رہے چول غنچہ سوزباں ہو
 گو تیرے دل میں میری طرف سے غبار ہو
 کہ میری آنکھوں کے آگے تم اس کا دیدار کرو
 ہوا کیا مجھ سے ایسا گناہ لے بدگماں بچ کہہ
 چشم بڑوں سامری تو بھی کہاں ہر شیشہ
 چراغ زندگی کوئی بل میں اب خاموش ہوتا ہو
 گھٹل گھٹل دل خانہ خراب ٹپکے ہو
 میں آپ میں نہیں ہوں اور اُس کو کمال کہہ
 نالے کی مت رکھ تو قلع بلبل تھویر سے
 تیری نگاہ پیار کی پیارے ہو بس مجھے
 زاری سے اپنی بارے رکھا ہو ہم نے روکے
 آنسو کے عوض چشم میں خون جگر آوے
 جرم آنکھوں سے ہوا ہو یہ تو بے تقصیر ہو
 شیشہ دل چور ہوگا بیش پا افتادہ ہو
 ہو نقد جاں جو باقی ہے آویں منہ دکھائی
 نہ اٹھتے آہ کے شعلے جگر سے
 نشے سے گردن دھلک گئی زگس پیار کی

شب فرقت میں تیری الوداری کا دوریں ہوں
 جھکتی ایک بل نہیں آنکھ بیداری کا دوریں ہوں
 مجھے ہر دم میں مہم جوئی کا دوریں ہوں
 کیا کروں گا یاد ساقی تیرے مینا کے تئیں
 پوچھوں ہوں ہر چہ جاکے کبریت خانے کے تئیں
 منہ میں اگر نہ رہے چول غنچہ سوزباں ہو
 گو تیرے دل میں میری طرف سے غبار ہو
 کہ میری آنکھوں کے آگے تم اس کا دیدار کرو
 ہوا کیا مجھ سے ایسا گناہ لے بدگماں بچ کہہ
 چشم بڑوں سامری تو بھی کہاں ہر شیشہ
 چراغ زندگی کوئی بل میں اب خاموش ہوتا ہو
 گھٹل گھٹل دل خانہ خراب ٹپکے ہو
 میں آپ میں نہیں ہوں اور اُس کو کمال کہہ
 نالے کی مت رکھ تو قلع بلبل تھویر سے
 تیری نگاہ پیار کی پیارے ہو بس مجھے
 زاری سے اپنی بارے رکھا ہو ہم نے روکے
 آنسو کے عوض چشم میں خون جگر آوے
 جرم آنکھوں سے ہوا ہو یہ تو بے تقصیر ہو
 شیشہ دل چور ہوگا بیش پا افتادہ ہو
 ہو نقد جاں جو باقی ہے آویں منہ دکھائی
 نہ اٹھتے آہ کے شعلے جگر سے
 نشے سے گردن دھلک گئی زگس پیار کی

اے ترے چشم گریاں کم نہیں موج دریا ہر شکنج آستین
 کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں کہنے کی ہر بات کہ مقدور ہی نہیں
 بچوں ہوں میں اس پاس یہ دل نیم نگہ کو اس پر بھی ستم ہو جو خریدار نہ ہو دے
 رخشاں - اسٹش محمد جاندہ مشہور است کہ در زمان احمد شاہ برز عفران
 نامے فریقہ شدہ بیمار و ضعیف بزرگ زرد و دم سردی بود - اور است

یہ دل تب ہجر میں تیرے جایا ہر مراک عمر جب لو ہو پایا ہر
 رضا عظیم آبادی - اسٹش میر محمد رضا ابن میر جمال الدین حسن، از اقربائے
 میر حبیب اللہ مرحوم - خوش سخن است - از دوست

کبھو جی کی طرح ہاتھ بھی نہ لال کیا عبت لہو مرا قاتل نے پائمال کیا
 اب جاتے ہو میر رضا اس کی نگہ میں دُڑنا ہوں پھر آنا تمہیں دشوار نہ ہوے
 رضا دریافت نشد کہ کجائی است - شعرش برجستہ است

اک دم تو رضا کے پاس تو بیٹھ آج وہ اس جہاں سے اٹھتا ہر
 رنگین کشمیری در دلی مقیم و شاگرد مرزا رفیع سودا بود
 مدت ہوئی ہم اس میں کچھ کبھی اثر نہ پایا اس واسطے دعا سے آخر کو ہاتھ اٹھایا

رشد تخلص از تلامذہ ملا نظام الدین مرحوم - ساکن لکھنؤ بود - در سن
 شباب کشتہ شد - در علم منطق و حکمت طبع بسیار رسا داشت - گاہے زخمی می گفت - از دوست
 نقش یا اس کا ز میں بربک دیکھا ہر رشید ورد ہو تب اسے یا لیتنی گنت تراب
 لام تعلیق کا ہر اس بت خوش خطا کی زلف ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اس لام کے
 رستم تخلص رستم علی خاں مشہور بہ نواب بہادر ابن نواب اشرف خاں ابن

نواب مصمم الدولہ خان دوران مرحوم عظمت و شان در دودمان محتاج با ظہار
 نیست خلاصہ خان موصوف مع برادر خرد رفیق والا شان سعادت علی خان بہادر اند

رسوا۔ ہمش متاب راسے در عہد سلطنت محمد شاہ غفران پناہ بسبب عشق
جوانے از لبت و مشرب گردش و کارش بہ رسوائی کشید۔ ساعتے بے شرب خمر بنی ماند
و در کوچہ و بازار سوارہ می گشت۔ راقم دے را بار بار بہ این صورت در دہلی دید گشتگویش
حالتے دارد۔ از دست

مراگر پاس ہوتا دل تو غم کھانے کے کام آتا
مغل ملک جہلم کی خاطر کھانا تم نے رسوا کو
ہے اس یوانے دل نے کام کیا۔ بجا کیا
قفس سے دوں گئے ہیم اور جن میں جالے نہیں
گو زخم دل مرے کا نہ سیوے مر امیاں
آرام تو کہاں کہ ملک سو کے چپ ہوں
کوئی جا نہیں زمیں میں کہ آنسو سے نم نہیں
وصل میں بے خود ہے اور ہجر میں بے تاب ہے
رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں نہ تھے

رسائی۔ ہمش معلوم شدہ و احوالش نیز۔ اور راست

اُس زلفت میں ہیں بند غریبوں کی بہت دل
لیتے ہو تو اب دل کو رسائی کے ویکن
راقم۔ ہمش بند را بن سیر طین شاہ جان آباد و شاگرد تقی میر است۔

اشعار در نہایت روانی بہ بحر بر می آمد۔ از دست

دل مرا زلفت کے پیچوں میں نہ الجھانہ کھلا
جیت یہ عقدہ بھی شانے سے نہ سلجھانہ کھلا
سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہو جب میں دوام صبح
ہوگی کبھی لے چرخ ہماری بھی شام صبح
کے کیا درد دل مہلنگوں سے
اُڑا دیتے ہیں اُٹس کی بات ہنس کر

چمکتے دانت دیکھ کر زنجیں جانے میں جڑی ہیں قطبیاں الماس کی بنیم کے خانے میں
 عشق میں مہر و فداغت گرچہ کچھ مشکل نہیں ایک اُن کو ہو کہ جن کو دل ہو میر دل نہیں
 لے گل و بل ہمارا آئی ہو تمک دل کھول لو چار دن صحبت غنیمت جان کر جس بول لو
 عشق کے سوئے میں حاجت اور فدا میں کی نہیں دل جگر گزشتہ ہمارا ہو اسی کو اول لو
 بعد مرگ کو کہ کن شیر میں اگر جیتی رہے دیکھ کر یہ جوے شیر اپنا الوہیتی رہے
 عشق میں بلبل کو کیا نسبت ہو پروانے کے سا وصل سے مر جاوے وہ یہ بحر میں جیتی رہے
 چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو - اقیامت سوزن تدبیر اگر سستی رہے

مغل بیگ زار - از دوستان تقی میر است - وے است

مشہور تھے جو نالے میرے گلی میں اُس کی کوئی اور بھی جو رو یا سمجھا کہ زار ہو گا
 زار - امش میر منظر علی - شاگرد مولوی شاہ حفیظ اللہ و متوسل اباب مرزا
 علی خان بہ صفت ہائے نیکو موصوف و در کھنڈو مقیم است - اور است

نیز تیرے ہوتے آتی ہو محال بار تو چاہے تو سو، بیٹھے ہیں ہم
 چھوٹ جاویں غم سے ہر دم کے جو پکھلے دم کہیں خاک ہو یہ زندگی جو تم کہیں اہم کہیں
 ایک دن آگے ہی دنیا سے اٹھانا مجھ کو شب فرقت کو الہی نہ دکھانا مجھ کو

حرف السین

سودا - امش مرزا محمد رفیع، مولد و مولف دارالخلافتہ دہلی - انجو بہ زمان
 دوسر خیل زخمہ گویاں ہندوستان بودہ - در جمع فنون نظم خاصہ و قصائد وقت بسیار
 بکار بردہ ہر زبان نکتہ سنجان یہ سلم الثبوتی مشہور، و اشعار لطافت شعارش در چاروق
 معانی مستند الیہ جمہور - الحی مرتبہ زخمہ گوئی را بجائے رسانیدہ کہ شاہ باز بلند پوڈ

و در بنارس رحل اقامت انداختہ اند۔ اقم را یک مرتبہ اتفاق ملاقات ہر دو صاحبان شدہ۔ الحی کہ متصف بصفات حمیدہ اند۔ از اشعار ذاب بہادر است۔

شریک حال میرا غم ہر میرا وہی ہوس وہی ہدم ہر میرا
کمال ابرو کے ہوتا ہو مقابل بڑا جانا ز دل رستم ہر میرا
نہ ہمیں دیں کی تنہا ہو نہ دنیا سے کام تو میسر ہو تو پھر کچھ ہمیں درکار نہیں
تری زلف زنجیر شوریدہ گاں ہو کھلے لب تو کیا کیا میں دھو میں بجاؤں
غم ہجران نے تو آتش ہو جلایا مجھ کو اس کے چشم کے طوفاں ہو بہا یا مجھ کو
ہوں میں اب جان سے بیزارتھا ہے ہاتھ لے دل و دیدہ بہت تم نے ستایا مجھ کو
رخصت دہوئی نامش میر قدرت اللہ بخلت میر سبقت اللہ نسبت شکر گو
بامزا جعفر علی حسرت درست وارد و در لکھنؤ ہی گزرا نہ۔ از دست۔

کیجو دوچار ہجر کی مت راست مجھے یارب بجا ہی کھو اس کافایت مجھے
آتا ہو میرے ملنے سے اب کب تک و عار حال ہوا یہ تیری ملاقات مجھے

رند۔ آتش مہربان خال۔ گویند مخد مت دیوانی ذاب احمد خال چندے
اختصاص داشت۔ شاگرد میر سوز۔ در علم موسیقی و سہم اندازی و تیغ شناسی ماہر۔
از دست

حاصل تو ہوا اصل ہیں بات پر افسوس اک بل میں شب بے بیش و طرب ہو گئی آخر

حرف الزاء

جعفر علی خاں تخلص بہ ترکی ۱۰ ابن مرزا موسیٰ بیگ، در منصب داران محمد
شاہی بنصب سہ ہزاری سرفراز و مقرب ذاب عمدة الملک امیر خان مرحوم بود۔
بعد جلت ایشان چندے بنا کامی بسر بردہ از این جہان مد گذشت فکر صادق داشت
و بطر خوش گو یاں قدیم حرف می زد۔ مثنوی رنختہ او مشہور۔ این ابیات از غزلیات

میں دشمن جاں اپنا جو تھا ڈھونڈ نکالا
 سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ
 جب مست چمن سے ہو چلا گھر کو وہ لا لا
 غنچے نے صراحی لی اٹھا گل نے بیا لا
 انگا جو میں دل کو تو کہا بس ہی اک دل
 جتنے ہی تو چاہے مرے کوچے سے اٹھالا
 جسک زلف سیہ نے تری ڈسا ہوگا
 غرض ہر مری گیا ہوگا کیا گیا ہوگا
 بھلا بتاؤ مری جاں کبھی بھی عاشق نے
 تمھارے جوئے شکوہ کس کیا ہوگا
 مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کہو
 جو اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا
 تھا کس کے دل کو کشمکش عشق کا دماغ
 یارب براہودیدہ خانہ خراب کا
 توڑوں یہ آئینہ کہ ہم آغوشِ عکس ہو
 یہ جو کہ ظالم ہو وہ ہرگز بھولتا پھلتا نہیں
 قتل کر مجھ کو کھلے نامری خاطر سے گرہ
 موج آتش ہو سیل آنکھوں کی
 نہ جیا تیری چشم کا مارا
 طعن لے اشک کی جیوں شمع گھلا جاتا ہوں
 چمن دینے کا نہیں زیر زمیں بھی نالہ
 قطرہ اشک ہوں پایے مے نکلے سے
 چھپرست باد بہاری کہ میں جوں نکمت گل
 آدم کا جسم جب کہ غنا صر سے مل بنا
 سالما ہم نے صنم نالہ شنب گیر کیا
 اے دیدہ خانہ ل تو مرا ہی ڈبو سکا
 سودا قمار عشق میں شیریں کے کوہ کن
 کس منہ سے تو پھر آپ کو کہتا ہے عشق باز
 ہووے نہ مجھ کو پاس جو تیرے حضور کا
 سبز بونے کھیت دیکھا ہو کبھی شمشیر کا
 میں یہ عقدہ گرو ناخن شمشیر کیا
 شاید اس دل کا آبلہ پھوٹا
 نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا
 رحم لے آہ شرر بار کہ جبل جاؤں گا
 سوتوں کی نیند میں کرنے کو خصل جاؤں گا
 کیا خفا ہوتے ہو بل مارے وصل جاؤں گا
 بھاؤ کر کہے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا
 کچھ آگ بج رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
 آہ اک روز ترے دل میں نہ تاثیر کیا
 لیکن غبارِ یار کے دل سے نہ دھو سکا
 بازی اگر چہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
 اے رو سیاہ تجھ سے نہ بھی نہ ہو سکا

فکرت بہ پیرامون ادنی تواند پرید۔ اشہب جهان بگردہم و خیال بگردانہی
تواند رسید۔ بالجمہ آن مخترع فن تازہ از بد و ثباب! اشخصت سال در دہلی
بہ رفاه و عزت و حرمت و دشناسی وزیر و امیر بسر برد۔ بعد ویرانی و خرابی
آن دیار نقل و حرکت نمودہ چندے در فرسخ آباد نزد نواب احمد خاں گزرا نید۔
و بعد وفات او بہ لکھنؤ آمدہ ساکن گشت نواب شجاع الدولہ بہادر مرحوم کمال شفقت
و مروت بہ مرزاسے مزبور مرغی می داشت۔ تا حال کہ ۱۱۹۳ھ یک ہزار و یک صد
نود و چار است در لکھنؤ استقامت دارد۔ کلیاتش از اقسام سخن شنش ہفت ہزار
ہیتہ خواہد بود۔ این چند شعر از منتخب غزلیات آن عذیم المثل است۔

حال دل میرے جب تک وہ خبردار نہ تھا	جز دم سرد کوئی محرم اسرار نہ تھا
تیرے کپے سے جو میں آپ کو چلتے دیکھا	جی کسی تن سے نہ اس طرح نکلتے دیکھا
بے وجہ نہیں ہو آئینہ ہر بار دیکھنا	کوئی دم کو بھولتی ہو یہ گلزار دیکھنا
ہر نقش پا پہ ترپے ہو یا دہر ایک دل	تک واسطے خدا کے یہ رفتار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں روز ہجر کو	پر جو خدا دکھاوے سونا چار دیکھنا
جو گزری مجھ پہ اُسے مت کہو ہوا سو ہوا	بلاکشان محبت پہ جو ہو اسو ہوا
بہنج چکا ہو سر زخم دل تک یا نہ	کوئی ریسو کوئی مرہم کرو ہوا سو ہوا
دیا اُسے دل و دیں اب بہ جان ہو سودا	بھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو ہوا سو ہوا
قابل شانہ ہوئی زلف تری جس دن سے	کبھی جو دل کہ بریشان نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا	لذت کو اسیری کی کر یاد بہت رویا
مالے نے ترے بلبل نم چشم نہ کی گل کی	فریاد مری سن کر صیاد بہت رویا
جو میں پڑی بہتی ہیں جادو گھگھتاں میں	تجھ قد سے گل ہو کر شاد بہت رویا
گر دنیا میں اب یوں ہی سخن رسم وفا ہوگا	تو کس امید پر کوئی کسی کا آشنا ہوگا

رنجش کامری نہ پوچھ باعث
 غیول سے نہ کر تو گرم جوشی
 بلبل کو کیا تڑپتے میں دیکھا جن سے دور
 تجھ کشتگاں کو شعلہ فانوس کی طرح
 بال و پر ہونے نہ پائے تھے نمودار ہنوز
 زخم شمشیر ستم کرنے کیا اپنا کام
 تیری دودی سے عجب حال ہوا ب سودا کا
 کس کے ہیں زیر زمیں دیدہ نژاد ہنوز
 باغ میں جب سے گیا ہے تو خار آلودہ
 ساقی گئی بہار ہی دل میں یہ ہوس
 آشیاں کو مت اُڑا کرے فریاد و خروش
 اشک آتش دخول آتش و بخت دل آتش
 گواہ نہ مجھ غریب کی بالیں تک آئے شمع
 اے ہلاک گر فلک نے دیے تجھ کو چاند داغ
 بل تھا بس کہ دل مرا پیدا کی طرف
 پہونک ہی ہو عشق کی تپے ہوائے تن میں گ
 گر نہ ہو پانی بل اس کا خون سے لے شعلہ خ
 کرتی ہے مرے دل میں تری جلوہ گری رنگ
 ہووے نہ ملک عشق سے کم رسم داغ دل
 کتنا تھا اس لیے میں نہ ہو آشنائے گل
 دیکھے اگر صفا سے بدن کو تری صبا
 آ جانے سے بار، در گزر کر
 میرے دم سرد سے حذر کر
 یارب نہ کجیو تو کسی کو وطن سے دور
 تن پر اگر کفن ہے تو تن پہ کفن سے دور
 تب سے ہم کج نفس میں ہیں گرفتار ہنوز
 یار تو مٹھو ٹٹے ہو مرہم زنگار ہنوز
 میں تو دیکھا نہیں ایسا کوئی بیمار ہنوز
 جا بجا موت ہیں باقی کے تہ خاک ہنوز
 گل ہیں خیائے میں انکڑائی میں ہواک ہنوز
 تو منوں سے جام ہے اور میں کہوں کہ بس
 باغیاں ظالم ابھی سویا ہے بلبل خوش
 آتش پہ بستی ہے پڑی متصل آتش
 دل بکسی کا مجھ پہ جلے ہے بجائے شمع
 چھاتی مری سرا کہ اک دل ہزار داغ
 خوں بہ چلا بدن سے تو جلا کی طرف
 دیکھے ہے جیوں شعلہ فانوس پیرا بن میں رنگ
 لگاٹھے تیری نگاہ گرم سوں در پہن میں رنگ
 اس شیشے میں ہر آن دکھاتی ہے پری رنگ
 روشن رہے ہمیشہ الہی چہر داغ دل
 لے عنذ لب دکھی نہ آخرو فائے گل
 کھولے کھو نہ شرم سے بند قبا سے گل

آتی ہر آنجھ گلی سے پریشاں صد آہ
 دل بہت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا
 قفس کے پاس نہ جا کر لے نام تو گل کا
 کبھی گور نہ کیا خاک پر مری ظالم
 نہ کھینچ لے خانہ زلفوں کو بیل سودا کا دل کا
 سخن میں رات سن کہ ہر کسی کے پاؤں کا کھٹکا
 کا صد لشک آ کے خبر کر گیا
 کیونکہ کوئی کھائے ترا فربہ
 سیر کی یوں کو چہ ہستی کی ہم
 ترادل مجھ سے نہیں تماراجی نہ نہیں سکتا
 کہ مر کو چھوڑ گئے مجھ کو ہماراں تنہا
 ہندو ہیں بت پرست سماں خدا پرست
 ملک ساہو دلی پر تو مری رحم کر لے یا رہ
 جس نے نہ دیکھی ہو شفق صبح کی ہمار
 سودا میں اپنے یار سے جا ہا کہ کچھ کہوں
 شمع میں ہر چہ ہر سر سے گز جانے کی طرح
 یا بستم بانگہ یا وعدہ یا گاہے پیام
 کاٹ کر پلٹے ہر ناگن تب اثر کرتا ہر زہر
 میں دیکھتا ہوں جسے ہر وہ آپ ہی نالاں
 کیا ہر قد کو مرے نخل ارغواں کا رشک
 چاہے تجھ چشم کے آگے جو ہو بادام سفید

شاید کسی کا شیشہ دل چور ہو گیا
 جیوں لشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائے گا
 ضرور کیا رک نہ ناحق ہو خون بیل کا
 میں مبتداستی کشتہ ہوں اس تغافل کا
 اسیر نا تو الہیہ نہ لے زنجیر کو جھٹکا
 اٹھایا سر جو بالیں سے تو پھر دیوار پر ٹپکا
 قفل کوئی دل کا نگر کر گیا
 حال مرا سب کو خبر کر گیا
 نے میں سے جیوں نالہ گزر کر گیا
 غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہ نہیں سکتا
 پھر ہوں بول و شت میں جیوں گرد کا دوا اتنا
 پوچھوں ہوں میں اُسی کو جو ہر آشا پرست
 ہوں تجھ سے شکر سے طلب کا رنجست
 آ کر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیج
 ایسی کی یک نگہ کہ ہی من کی من کے بیج
 کھب گئی لیکن ہمارے دل میں رہنے کی طرح
 کچھ بھی اے خا خراب بیل کے بچانے کی طرح
 سیکھ لے زلفوں کی تیری ماسن بل کھانے کی طرح
 تمھاری کیجیے کس پاس اے بتاں فریاد
 تمھارے ہاتھ سے لے چشم خون فشاں فریاد
 کھینچ کر پست کرے گردش ایام سفید

گنتی بھلی ہیں گنتی کی تار لشک سے لڑیا ۱۲۵
 یہ آنکھیں کیوں سر جی کے گلے کی بارہ پڑیاں
 دوا بانٹوں کا ہوں قسم ہر روح مجنوں کی
 نہ لارہ چوب گل مجھ کو بغیر از مہدی کی چھڑیاں
 تو نے سودا کے تیئں قتل کیا کتنے ہیں
 یہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ زنگس کی کھلیں کلیاں
 زخار دیکھتے ہو تم ان خوش قدوں کی ہاے
 اُس بے وفا کے عشق میں کچھ ہم کو جس نہیں
 حیرت نے اس کو بند نہ کرنے دیں پھر کبھو
 اندام گل پہ ہونہ قبا اس مزے سے چاک
 کیا چاہیے تجھے سرِ آفتاب برحنا
 سودا کے دل سے صاف نہ رہی تھی زلف یار
 سُن کے یہ کہتا ہوں میرے نالہ جاں کاہ کو
 دم مارنا پھبتا ہوں اُسے عشق میں تیرے
 اس دل کو دے کے لیں دو جہاں یہ کبھو ہو
 آئینہ وجود و عدم میں اگر ترا
 ہوں زلف میں دل میرا مت کبھو خوشا
 اب در دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
 اس کشمکش سے دایم کی کیا کام تھا مجھے
 جی کو چاہا تھا کہ خالی کروں مانند جباب
 ممکن ہوں تیر خودہ تو پکڑ سنبھل سکے
 دیوانگی ہماری کیا کیا بچانی دھو میں

یہ آنکھیں کیوں سر جی کے گلے کی بارہ پڑیاں
 نہ لارہ چوب گل مجھ کو بغیر از مہدی کی چھڑیاں
 یہ اگر سچ ہوں تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں
 جن میں نے کے خیا زے کو نے آنکھ پیاں لیاں
 ٹھوکر لگے ہوں دل کے تیئں جس خرام میں
 بانوں تک بھی ہائے ہیں دسترس نہیں
 آنکھیں جس آرسی نے تیرے منہ پہ کھولیاں
 جوں خوش چھبوں گے تن پہ سکتی ہیں چولیاں
 جس بے گنہ کے خون میں جا میں ڈولیاں
 شانے نے بیج پڑ گریں اس کی کھولیاں
 کیوں مجھے ایسا بنایا کیا کہوں اللہ کو
 جس کا دم اول نفس باز پسین ہو
 سودا تو ہوں تب ناک جب ایں تو نہ ہو
 منہ دریاں نہ ہو تو کہیں ہم کو رو نہ ہو
 زنجیر نہ کھل جاوے یہ سخت ہوں دیوانہ
 قسمت میں جو دیا ہو الہی شتاب ہو
 اے الفت! جن ترا خانہ خراب ہو
 ہو گئی جان ہوا اک نفس سرو کے ساتھ
 مارا تری نگہ کا جگہ سے نہ ہی سکے
 زنجیر پڑ کے پاؤں گر اپنے گھر نہ لاتی

میں اور عندلیب ازل سے ہیں بے نصیب
 کیا بجائی اُن نے میرے دل کے کاشانے میں صوم
 دلف کو کھولا تو کراس دل کی خوشی کا علاج
 کب لے سودا شراب بس بزم میں پیتے ہیں ہم
 عاشق تو نامراد ہیں پر اس قدر کے ہم
 کتنا تھا کل کیسو سے کروں گا کیسو کو قتل
 سودا نہ کہتے تھے کہ کسی کو تو دل نہ دے
 ذبح تو کرتا ہر ملک فرصت گلے لگنے کی دے
 دل نالاں کو مرے کس کے ہوا آرام سے کام
 بھری ہو دل میں ترے یان تک محبت غیر
 تیرے ہی دیکھنے کے نہ آوے جو کام چشم
 عاشق کی بھی کشتی ہیں کیا خوب طرح رایتیں
 باتیں کتنی ہی نہیں منہ لگنے سے منظور ہیں
 بچھو نہیں ہو دل میں تھے راہ کیا کروں
 مژہ اس چشم کی کھٹکے ہو دل مفتوں میں
 ڈرتے ڈرتے ترے کوچے میں جو آجاتا ہوں
 حسرت سے آئے کا دل کیونکے ہو نہ پانی
 چھب کر جو کہیں تجھ کو تنک دیکھ رہوں میں
 اب تو حاجت نہیں کہو تر کی
 باوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
 ننگا ہر میں دیکھے کا کچھ اسباب ہی نہیں

مجھ پر تراستم ہر نیت اُس پر جھائے گل
 شور و جرس کے لیے کہے میں بت خانے میں صوم
 سخت دیوانے کی ہو زنجیر کھل جانے میں صوم
 تو نے لے کم طرف کی پہلے ہی بیانے میں صوم
 دل کو گنوا کے بیٹھ ہے صبر کر کے ہم
 ایسا تو کشتی نہیں کوئی نگر کہ ہم
 رسوا ہوا پھر ہے تو اب در بدر کہ ہم
 عید قرباں ہو تجھے دیں گے مبارک باد ہم
 کوئی بے چین رہو اپنے اسکے کام سے کام
 کہ جا نہیں میرے کینے کو مہر تو معلوم
 تو زخم چیرے پر ہو کہ اس کا ہر نام چشم
 دو چار گھردی روزنا دو چار گھڑی باتیں
 سو میسر نہ ہوتا بہ لب گو رہیں
 پر بے اثر ہو عشق مرا آہ کیا کروں
 بڑ گئے آہ نیشتر جگر بخون میں
 صید خائف کی طرح رو بہ تغا جاتا ہوں
 شاہ حضور اس کے زلفوں کی لے بلائیں
 ہر ایک مجھے آکے مٹاتا ہر کھوں میں
 شوق سے دل کے پرے مارتے ہیں
 تڑپے ہو مرغ قبلہ نما آشیانے میں
 آئے مگر تو خواب میں سو خواب ہی نہیں

بدلاتوئے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
 گر ہو شراب و خلوت و معشوقِ خور و
 درد میرے استحال کا کیا تراد ساز، ہر
 قد کو تیرے جس جگہ مشقِ خرام ناز، ہر
 نہ بھول اے آرسی گریا کی تجھ کو محبت ہر
 عشق کے درد جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
 یہی تلافی ہر اک دم تباہ سے ہنسنے کی
 کہا تھا شمع سے پروانہ رات جلتے وقت
 تمھاری زلفت کچھ منیٹھی سی رہتی ہر سدا ہم سے
 جس دن تری نگلی کی طرف ملک پڑن سے
 تڑپے ہر مدتوں سے مری جان پر اسے
 چہرہ مریض لب کا ترے زرد ہر سو ہر
 گزرا ہر کس کی خاک سے غلام تو بے خبر
 عجب بیداد اب مجھ پر مرا صیاد کرتا ہر
 منہ لگا دے کون مجھ کو گرنے پوچھے تو مجھے
 تراکشۂ تیغ بھیج کہہ تو کیا ہر
 گر تجھ میں ہر وفا تو جفا کا رکون ہر
 نالہا ہوں مدتوں سے تیرے سایے کے تلے
 سودا کو جرمِ عشق سے کرتے ہیں قتل
 دس جال کے بننے کا کچھ اسلوب نہیں ہر
 ہرگز میں تجھے چھوڑ کے یہ من کو نہ دیکھوں

اپنا ہی تو فریفتہ ہو دے خدا کرے
 زاہد کچھ قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے
 اس قدرے نے تری محزون کیوں آواز ہر
 اُس جگہ شور قیامت فرش با انداز ہر
 بھر دسا کچھ نہیں اس کا یہ منہ دیکھے کی الفت ہر
 تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے
 کہ خاک ڈال کے سر پر سدا رویا کیجے
 کہ حق کی بندگی اس طرح سے ادا کیجے
 نہیں ہر اور سے یہ کچھ ادا اس کو سوا ہم سے
 میں آپ کو جلا کے شروں خاک تو سہی
 کچھ سخت آرزو ہر کتاب تک اٹک رہی
 عیسیٰ کئے دوانہ رہی درد ہر سو ہر
 دامن کے ساتھ ساتھ تیرے گرد ہر سو ہر
 دکھانا ہر اسے مجھ کو جسے آواز کرتا ہر
 عکس بھی دیتا نہیں اب آئنے میں رو مجھے
 جو سر سبز ہو دے تو برگِ حنا ہر
 دلہار تو ہوا تو دل آزار کون ہر
 پوچھنا یہ کبھو بس پوچھنا کون ہر
 پہچانتا ہر تو یہ گنہگار کون ہر
 یہ کچھ شمی ہم سے فلک خوب نہیں ہر
 اس چشم کو ہم چشمی یعقوب نہیں ہر

مرے گراغش مسکین تو اتم دار دشمن ہو
 نسیم بھی تیرے کپڑے میں اور صبا بھی ہو
 ترا غرور مرا غجز، تاکجا ظالم
 جلے ہو شمع سے پروانہ اور میں تجھ سے
 جب اپنے بند قیام نے جان کھول دیے
 سازن کے بادلوں کی طرح سے بھر ہوے
 کہتا ہو بنا گوش ترا زلف کے آگے
 نیم جاں ہیں گئے تری چشم کے بیار کئی
 کوئی مسکنا ہو کوئی تڑپے ہو کوئی ہر بے چین
 رات پروانے کی الفت سستی روتے روتے
 ساق سیمیں کو تری دیکھ کے گوری گوری
 بیکھر نے کبھی تجھ لب سے کیا تھا دعوا
 لگ گیا رات کو یہ درد خاتیرے بات
 بھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
 جیوں غنچہ تو جن میں بند تھا جو کھولے
 باغ جہاں میں رہ کر کچھ ہم نے پہل نہ پایا
 ایسا ہی جاؤں جاؤں کہتے ہو تو سدھارو
 تصور میں تے کیو صبا اُس لا ابالی سے
 جس روز کسی اور پہ بیدار کرو گے
 جبر کی تو مدتوں سے مساوات ہو گئی
 یاد وہ شرم سے چونہ بولا تو کیا ہوا

۱۳۴
 سدا زنجیر کے گھر واسطے غزل کے شیون ہو
 ہلاری خاک سے دیکھ تو کچھ رہا بھی ہو
 ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہو
 کہیں بھی مہر ہو جگ میں کہیں فنا بھی ہو
 صبا نے باغ میں جاگل کے کان کھول دیے
 یہ نین ہیں وہ جن سے کہ جنگل ہرے ہوے
 میں صبح قیامت ہوں مری شام یہی ہو
 مر گئے خنجر مڑگاں کے دل انگار کئی
 آج دیکھے تھے کپڑے میں گرفتار کئی
 شمع نے جی ہی دیا صبح کے ہوتے ہوتے
 شرم سے شمع ہوئی جاتی ہو تھوڑی تھوڑی
 آج تک اُس کی جدا کرتے ہیں پوری پوری
 دہندہ جا پاؤں کو لاگا ہی تھا چوری چوری
 حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے
 پھر گل سے لے پیلوے پیل کبھونہ بولے
 اک دل لاکھ جس میں پیکیہ رموں طولے
 اس دل پہل جو ہونی ہو آج ہی وہ ہوے
 گلے گلے میں وہ یارات تصویر نہالی سے
 یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے
 کالی کبھونہ دی تھی سواب بات ہو گئی
 نظروں میں سو طرح کی حکایات ہو گئی

قاتل سے کیوں جھگڑنے ہو کیا مجھ سبیر ہو
 تجھ تیغ تلے کہہ تو رستم سے کہ سرد صدف
 ہر وں تو مجھے اپنے کو پچے سے نکالے ہو
 ایک تو رسوا کیا عالم میں تیری نیہ نے
 سرو گلشن ہی نہ کچھ مفتوں ہو
 کتنا ہو عشق عقل سے مجھ کو تو بیر ہو
 آہنگ سفر کب مے سینے سے کرے اشک
 جن دم وہ صنم سوار ہووے
 جو اٹھ نہ سکے تری گلی سے
 کن زخموں میں زخم ہو کہ جب تک
 کھینچی ہو بھواں نے تیغ منہ پر
 تری یہ زعفرانی دیکھ چولی

رباعی

مومن نہیں زنا سے میرے آگاہ
 اس رشتے کو ہو سجدہ اسلام میں راہ
 اُس بت کا برہن ہوں کہ ہم صوفی و شیخ
 کہتے ہیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

رباعی

طالع یہ کہاں کہ جام بھر بھر پیچے
 اور بار کے لب سے کام دل کا ایچے
 باشد اگر جو یہ میسر ہووے
 در پردہ بندگی خدائی کیچے
 میر سید محمد سوز تخلص دہلوی، از سادات عظیم الشان و مشاہیر نکتہ
 رسان است در ادب بند و بختگی و بر تشکی کلام و فن کمانداری و خوش نویسی یہ عینا
 دارد۔ در او اہل حال بسیار بکام دل زندگی کر دہ در او اخیر رہنمائی خاطر وارستہ

مری آنکھوں میں تو بٹنا مجھے تو کیوں لاتا ہے
 میسر ہو اگر محراب تیری تیغ کے خم کی
 شب متاب میں جاری نہیں سودا کے دکھا کر
 الٹی بزم تباہ سے وہ شمع ٹل جاوے
 کچھ ان دونوں تری نظروں سے گر چلا ہے دل
 سینے کو رستوں کے نگہ تیری توڑ دے
 آہا ہر تنگ دام میں زلفوں کے مرغِ دل
 نہیں مکن اسیروں کی کوئی فریاد کو پہنچے
 عبث نالائک اس گلشن میں زلے بیلِ نال
 ماریں گے ایک دو کو باآپ مر رہیں گے
 کیا عہد ہے خدا جانے مرے ساتھ وگرنہ
 کہہ ابر قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے
 کیا جانیے کہ کس کے دل کا لہو پیا ہے
 مرجاں کا نخل ہوں نہ بھلوں بگٹ بارے
 اس دل کی نف آد سے کب شعلہ بر آوے
 مکہ داغ سے جہاتی کے سرک جاو جو بھاہا
 دے شکوے کی رخصت جو ہمیں شرمِ محبت
 ظالمِ کرباب انصاف کہ سینے میں کہاں سے
 بے خوابی سے مڑتا ہے شب، ہجر میں سودا
 ہمیں تنہا تری چشم کے بیمار ہوے
 بستم دیکھ تیرا کھل نہ مل بتیاب ہو جاوے

سمجھ کر دیکھ تو اپنا کوئی بھی گھر ڈالتا ہے
 طوق کعبے کے سجد پھر تو کس کا فر کو بھاتا ہے
 تجھے گر جاندنی میں سیر دیا کا خوش آتا ہے
 ذروں میں جو کسی کا نہ دل گھیل جاوے
 جو دستگیری مرزا کا ہو تو سنہل جاوے
 آنکھوں کی ہر لپک صفِ عشر کو پوڑے ؟
 سرتاقم سے ولہ کے مددے میں چھوڑے
 صبا بہ نشت پر اس دام سے صیاد کو پہنچے
 نہیں ہر رسم بھال کوئی کسی کی داد کو پہنچے
 بیلے تری گلی میں کچھ ہم بھی کر رہیں گے
 کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی
 تجھ چشم سے پیکا ہے کبھو محنت جگر بھی
 کٹنگلی نے اڑے ہاتھوں کیا زلف کو لیا ہے
 ٹپکے لہو ہمیشہ مرے شاخسار سے
 بجلی کو دمِ سر دے جس کے حذر آوے
 آتش کے ٹپس قدرت خالقِ نظر آوے
 غنچے کی طرح نکلوے بو منہ تک جگر آوے
 ہر دم کے لہو پہنے کو تازہ جگر آوے
 اب کہنے کو افسانہ کوئی نو صہ گر آوے
 اس مرض میں تو کسی ہم سے گرفتار ہوے
 اگر بجلی اُسے دیکھ تو زہر آب ہو جاوے

مزرع دنیا سے کچھ حاصل نہ پایا جز گناہ
 دل پہ جو آن ہو قربامت ہو
 آج کہتے ہیں کہ اوے گا وہ جاناں باہر
 تجھ پر اے جان آن ہو کچھ اور
 غنچے کو اُس کے لب سے کیا نسبت
 جانِ ستم، عزیزِ جفا، آشناے جور!
 عرق نہیں ہو سموم ہوا سے چہرے پر
 بہت کیا کہ نظر بھر کے دیکھ لوں اُس کو
 اے دلِ باخدا کی قسم تیرے ہجر میں
 تیری نگہ کی تیغ نے غم سے آن میں
 ابلائی نہ ترے حسن کی لرزاں ہر شمع
 کیا کھب رہا ہو گل کے کلیجے میں خارِ حیف
 اب تو ہر سینے میں حسرت جائے دل
 دور ہونا صام کھیں بہہ جائے گا
 لے غم یا زرا کیجیو اندیشہ دل
 گلِ میجِ دل میں رشک کی آتش سے آج تو
 لو جی اب آرام سے بیٹھے ہو جاتے ہیں ہم
 منہ بنا میری طرف آئیے کا بوسہ لیا
 ہو ڈوب گیا کہ صرگِ دن
 آرزو ہر رات دن صورت تری دکھا کر
 آنکھیں جو نہ لگ جاتیں تو زار نہ ہوتا میں

برقِ پرتی کاش کے یارب نے سخن کے بیج
 کیا کہوں تیری آن کی سوگند
 مت گناہِ رشتا بی نکل اے جاں باہر
 میرے دل میں گمان ہو کچھ اور
 چُپ رہو یہ دہان ہو کچھ اور
 عاشق اگر ہزار مرے تو وفا نہ کر
 نگاہ آب ہوئی ہو حیا سے چہرے پر
 نہ ٹھہرا باے نظارہ صفا سے چہرے پر
 دل چاک ہو گیا کہ قبا کو نہ ہوئی خبر
 جی اس طرح لیا کہ فنا کو نہ ہوئی خبر
 جان کے خون سے فالوس میں نہاں ہو شمع
 جیتی ہو عند لبِ توب تک ہزار حیف
 تیکہ مہر جاتا رہا ہو اے دل
 جوش میں ہو اس لہری دریائے دل
 ٹھیس لگ جائے گی نازک ہو بیشِ دل
 روشن ہو عند لب کے گھر میں چراغِ گل
 پھر نہ آویں گے کبھی کاہے کو جھنجھلاتے ہو تم
 واہ والا چھی طرح ہو موند ہسکا تے ہو تم
 کیوں شامِ فراق مر گیا دن
 پرتیسرے نہیں سکتی ہو یارب کیا کروں
 پدہنیز اگر کرتا بمبار نہ ہوتا میں

تیرک علایق دنیوی نمود و لباس فقر پوشید۔ تا این زمان کہ سنہ یک ہزار و یک صد و نو
و چار ہجریست در لکھنؤ می گذرانند۔ دیوانش از ہزار بیت متجاووز دیدہ شد۔ این

لیات از لغتار شعلہ زن اوست

اگر میں جانتا ہوں عشق میں دھڑکا جدائی کا
خدا یا کس کے ہم بندے کہا ویں سخت مشکل ہے
دل کے ہاتھوں بہت خراب ہوا
سوز کو اس عذاب سے مارا
میں تو غبار دل کا یکبار دھوکے آیا
اہل ایساں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
تیری دل سوزی سے بول بنیرا نہ صبح دور ہو
آج اس راہ دل رُبا گزرا
رات کو نیند ہر نہ دن کو چین
یواہوس دعویٰ بہت کرتا تھا اپنے عشق کا
تا توں ہو دل اسے زنجیر کی طاقت نہیں
ضبط سے میرے تھم رہا ہوں شرمک
کیا ہوتا بھی ادھر منہ تو پھراؤ صاحب
چور کپڑا ہے بھلا کیا ہے بغل میں سچ کہہ
دل نہ جاتا کہیں گرجھ سے اسے ہوتا پیار
ذکر مت کیجیو مجنوں کو ہو، کافی ہے
یہ وہی یار قدیمی ہے اسے پہچانو
نہ لغت نامروت نا تو اضع نامدرا ہے

تو بھر تک نہ لیتا نام ہرگز آشنائی کا
یکے ہر صبرم اس دور میں دعویٰ خدا کی کا
جل گیا بھن گیا کباب ہوا
واہ واجی بڑا ثواب ہوا
کوچے میں خبر بروکے کل خوب روکے آیا
ہاے یارب را ز دل من پر بھی ظاہر ہو گیا
دل کو کیا بوتا ہے لے جی بھی مسافر ہو گیا
جی پہ کیا جانے کہ کیا گزرا
ایسے جینے سے لے خدا گزرا
سامنے ہوتے ہی اُس قاتل کے کیسا مل گیا
زلف کو کھکھول دے لے جان تیر بل گیا
ورنہ اب تک تو بہہ گیا ہوتا
لو جی ہم تم سے نہیں بولتے جاؤ صاحب
اب کہ صر جاؤ گے ہاں ہم کو بتاؤ صاحب
یاد مت اُس کی دلاؤ نہ رُلاؤ صاحب
نام لیے کے نہ سوتے کو جگاؤ صاحب
اپنے اس سوز کو اتنا نہ بھلاؤ صاحب
کھلیا پاک گیا ہے ہم یہ دکھ کیونکر ہیں یارب

من مانتے مجھ پر ہوا تیرا جھانسی کیا کہوں
 کہنے سے بن آتی نہیں تعریف اُس کے حُسن کی
 جو ایک دم بھی میری شوق سے کلام کروں
 نصیب توں پہ بہت ہر گھمنٹ نا صبح کو
 ہر دلی میں اُس سے کہوں جیتا ہوں تھوڑے تئیں
 مصحف کو روکے دیکھ کے چاہا کہ چوم لوں
 کھُپ گیا حسن یار آنکھوں میں
 دل کو میرے ہوائے باغ نہیں
 شب ہجران کو تیرے عاشق کے
 ایک تنہا نہیں ہر سوز جلا
 گو کہ اے دل مجھے سرو نہیں
 دل رُباے سوز کیوں تیری طرف مائل نہیں
 قدم ہر اک دل کی ہر معلوم ہر دلدار کو
 کوئی ہمد نہیں غریبوں کا
 کون تھا جو پھر رہا تا کشور دیوانگی
 منہ نہ موڑا تیغ سے جم جم اٹھائے زخم ناز
 جس پر مرے صنم کی کرم کی نگاہ ہو
 اے دل خدا کے واسطے تک صبر کر بھلا
 واثاب جودل میں کچھ اور آرزو ہو
 اے دیدہ کوہ و صحرا تو نے ڈباے لیکن
 اے قیامت نہ کہجو پھر بھلاؤ مجھ کو

مجھ کو تو بن آتی نہیں غیر اندامیں کیا کہوں
 چھٹ بکتے ہی مگر کیا اس کی بھانسی کیا کہوں
 تو بے تکلف اُسی وقت جاں تمام کروں
 جو اس کے رو برو ہو لے تو میں سلام کروں
 عجب مزا ہو کہ لائے سے غلام کروں
 کہنے لگا غلط ہی یہ حرکت سہی نہیں
 کیا ہی بھولی بہار آنکھوں میں
 دور بلو بلوے گل داغ نہیں
 غیر داغ جگر چسراغ نہیں
 تیرے ہاتھوں سے کون داغ نہیں
 شاد ہو نا بھی کچھ ضرور نہیں
 دل ترا داغی ہر باتو عشق کے قابل نہیں
 دل دکھاؤں کس کو ہر کوئی صدا دل نہیں
 آہ بھی ناتواں کی یار نہیں
 میں اگر برپا نہ کرتا خانہ زنجیر کو
 آفریں لے دو صد رحمت ہی تیرے پیر کو
 باللہ عاشقوں میں وہی بادشاہ ہو
 ہاتھوں سے تیرے کوئی کہاں دلاؤ خواہ ہو
 میری یہی دعا ہو دنیا ہو اور تو ہو
 اس کی گلی ہوں مدخل تب مجھ کو آبرو ہو
 میں ترستا ہی سوا آکے اٹھاؤ مجھ کو

مسکراتا ہے کبھی روکے ڈراتا ہے کبھی ۵۲
 دونوں عالم ہوں ترے حسن کے معبود تو کیا
 سوز کا کلبہ احسنان تو آباد نہیں
 پر میاں تو ہی وفادار نہیں
 کس کی آنکھوں سے تجھے میں دیکھوں
 کون تجھ چشم کا بیا رہ نہیں
 تشنہ لب کب ترستا ہوں میں
 کیا رتے ہاتھ میں تلوار نہیں
 گرچہ میرے مضطرب دل کو شکبائی نہیں
 پر ترادر چھوڑ کب جاؤں کہ ہر جانی نہیں
 دل محزون عاشق کس طرح ہوتا دنیا میں
 نہ جانا جس نے غیر از نالہ و فریاد دنیا میں
 ستم گر حنک جو ظالم وفادار دشمن بہت سے تھے
 تنہا میں اپنے گروہ دے کہ تجھے یاد رہے
 آج میں سوز کو دکھا تو اپنے جیسے میں رہا
 تیغ ابد سے تری دل کو لگا ہے دھڑکا
 زباں سے ہو سکے کب لڑ با تیری زندگیاں
 قیامت تک نہ بھولے گی میاں اس آن کی لذت
 سبھیل کے رو برو کہنا کہ میرا سوز عاشق ہے
 چین کیا آوے جو دیکھے دل کی یہ بے تابیاں
 مرد کم یوں چشم زمیں سیر کرتے ہیں مدام
 جی نکلتا ہے میاں کھول بھی آغوش کہیں
 سر کہیں بالوں کہیں ہوش کہیں گوش کہیں
 مگر صورت کو تیری دیکھنا اور واہ و اکناں
 مردم تو تھک کے بیٹھے نہ آیا نظر کہیں
 ہمارا ہنس کے جی دینا و تیرا مرجھا کھٹاں
 کہتے ہیں لوگ یار ہمارا ہے خوش کمر
 نہ دوں راحت پہ دل ہرگز محبت اس کو کہتے ہیں
 مزا سب نہیں ہے بیا بے ایسی باتیں ہلا کھٹاں
 ہو ادل خاک جا کوچے مولیٰ کے چلا نہیں
 نیند ہی جاتی رہی سُن سُن مری بد خوابیاں
 نہ سوؤں نیند بھر خواب فراغت اس کو کہتے ہیں
 جس طرح پانی میں پھرتی ہیں پڑی مرغابیاں
 ذرا افسانہ کر دیکھو کہ طافت اس کو کہتے ہیں
 ہاں اے سر تنک لہجہ دل کی خبر کہیں
 عزیزاں ابرہہ ہر کابِ رحمت اس کو کہتے ہیں
 میں نے تو اُس میاں کی نہ دیکھی کمر کہیں
 عزتِ الابرہہ ہر کابِ رحمت اس کو کہتے ہیں
 نہ سوؤں نیند بھر خواب فراغت اس کو کہتے ہیں
 ذرا افسانہ کر دیکھو کہ طافت اس کو کہتے ہیں
 ہاں اے سر تنک لہجہ دل کی خبر کہیں

لاش مت اُس کی گلی سے میری اٹھوانا کوئی
 تازہ پھر اُس آشنا کش کا ہود یوانا کوئی
 جب ہٹے وہ تند خوئے تیغ میرے قتل پر
 دوستو بہر خدامت اُس کو سمجھا نا کوئی
 قید میں یوسف کو بھیجا وہ یوں ہی چاہیے
 خوب کی تو نے زلیخا چاہ یوں ہی چاہیے
 سجاد اکبر آبادی ہاش میر سجاد، صلش ایران و مولدش دہلی - از شاگردان
 شاہ نجم الدین آبرو بہمان طرز حرف می زند - میر محمد اکرم خاں جد میرزا محمد دردار الافشا
 بادشاہی رفیق نواب بھٹی خاں میرشی بود - اشارش تدون - از دست

تیری شمشیر سے جدا ہو کر
 سر مرا مجھ کو تن نہیں دیتا
 بتاں تو چاہتے سجاد تجھ کو
 کریں پر کیا خدانے جو نہ چاہا
 تجھ کو لے سجاد غیر از خنجر بیدار کے
 اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا
 قاتل کی تیغ آگے جاتے ہیں ہم نہ ہٹ کرے
 برگز ہمارے دل میں سکھائیں ہی دھڑکا
 مرے دیکھ کر حال دوامان کا
 پھٹے کیوں نہ سینا گر بیان کا
 تجھے لائق نہیں گل توڑ کر کے ہاتھ میں رکھنا
 تری یہ انگلیاں ہندی لگی پھولوں کا ہر دستا
 ہم اسیوں کے دل پہ بھندوں کا
 تیری زلفوں نے تار باندھ دیا
 یعقوب کے جو عشق پراسر پہ ٹوٹ کر
 آنکھوں نے اُس کی رو دیا آخر کو پھوٹ کر
 نخت جگر ہمارا پاؤں کے ساکھا کر
 کہتے ہو ہم سے باتیں یہ نہ چاہا کر
 بند میں مت رہ دو انے عقل کے
 گر گریباں چاک چھاتی کھول کر
 دور میں رخسار کے تیرے کہیں انصاف نہیں
 خط چلے جانے کے دل کو اور باغی سجاد زلف
 ایک محل رکھتا ہوں چاہے سو لے جائے اُسے
 خواہ زلفیں خواہ خرگاں خواہ ابرو خواہ چشم
 خوش وقتوں سے کہوں نہ کرے ہاتھ پاؤں گم
 سجاد اوس کے پاؤں لگیں جن کے ہاتھ میں
 جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں
 سب منے در کنار ہوتے ہیں
 تیرے سینے کے پار ہوتے ہیں
 تیرے سینے کے پار ہوتے ہیں

ہم نشینوں کی صحبت کا ادا واجب ہو
 سوختہ میں اپنے شب روز جلوں ہوں جوں شمع
 یاد اُس کی مجھ کو بس ہر آنیس و رفیق سوز
 ہر گھڑی گھر سے مت نکل ظالم
 دم چلائے مجھ سے آہو دوڑیو
 ناک چشم خدنگ انداز ہاے
 اب ہزاروں ملیں آویں گی آتی ہر بہار
 آپ سے گزرے اگر جلد ہی ملے تو آپ سے
 آیا ہر سوز پاس ترے دست بستہ ہو
 زنگ سے گو کہ جمع ہوں نظارگی تمام
 جو تیرے تدو دیکھے شمع بانی ہو کھل جائے
 ہوا تو رو برو لیکن رہا محروم نظارہ
 ساغرے کی منط پادوں اگر جا خالی
 مثل نے ہر استیصال میں مدد کی آواز ہو
 نہ شہر میں اُسے آرام ہو نہ محرابیں
 خدا کے واسطے اک تیغ ابد جڑ قاتل
 سنا ہر سوز زمانہ تو نا تو اں ہیں ہر
 احمد علی خاں سوز ال خلیفہ مرزا علی خاں افتخار الدولہ، برادر زادہ
 ذاب سالار جنگ درگھنوں بطل عا طفت ذاب وزیر الممالک آصف الدولہ بھلہ
 میگزاند۔ چند روز باتفاق میرضیا کہ رفیق افتخار الدولہ بد فکر اشعار می نمود۔

۱۵۷
نہیں ہر تاب مجھے سامنے ترے جا ! کماں سر آج کماں آفتاب عالم تاب

شغلہ خوجب سے نظر آتا نہیں لڑتا ہر تب سے انگاروں میں دل
انگ تیری پس کی ظلمات میں ماہ نو دیکھا ہر آدمی رات میں

رفوگر کو کماں طاقت کہ زخم عشق کو مانگے اگر دیکھے مر اسینہ رفوچکے میں آجاوے

سلیمان، معشوق میر عبدالحی تاہاں۔ از دوست

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھ تو طراری دل کچھ بھی دھڑکا نہ کیا بل بے جگر داری دل

میر سادات علی سادات تخلص۔ طغش امروہہ مرید شاہ ولایت اللہ،

ہاج آئمہ ہاست و در شعر دختہ طرزیہام اکثری و رزد۔ از دوست

بائند جو سیر لوح ترا نام نہ ہوتا ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا
بس کہ ہوں کم طرف دو پیالے میں جاتا ہوں ہوش کھویتی ہیں میر اس کی آنکھیں مے پر

کس سے پوچھو دل مرا جی گیا زلفوں میں رات ایک چو شانہ ہر سو توں میں ڈالے ہر بات
یار بس یار کا ملنا مجھے مقدور نہیں تو اگر فضل سے دکھلائے تو کچھ دور نہیں

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

میت دکھا اس طرح کی آن مجھے جینے دے کوئی دم تو جان مجھے

نجم الدین علی خاں سلام اکبر آبادی، معاصر نقی میر۔ دے راست

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ درازی رات کی بیار سے پوچھ

سادات اللہ تخلص دے سادات۔ از دوست

نہیں تجھ ہجر میں پیتے شراب اغوانی ہم ارے ساتی تے مائے ہیں نہیں انگلیں پانی ہم

ستید دہلوی، اش میرام الدین۔ مولف دے راندیدہ گراہن شعر شمشید۔

تمھارے حسن کے کوچ میں بے زوائی ہو یہ آنکھیں دیکھتے ہو کا سہ گدا ئی ہو

میر باد علی ستید تخلص، از سادات میوات دموز و نان عہد شاہ عالم است۔

ناخدا کی ہلک ایک کرساقی
 آنے کا خواب میں بھی نہیں وہ کبھی نظر
 اب تو ہم نے کیا گریباں چاک
 ہر سادہ رو غلط ہونے کی دھن کہیں ہیں
 ہیں شیشیاں شراب کی پیالے بھری ہوئیں
 تو روز وصال میں لے بیٹھے پاس کن کن کو
 یہ سجادہ کے دل کے جلنے کی قدر
 ہمارا جامہ ہیں ہر گنا عزیز
 تہوں کے تئیں کس قدر ماننا ہے
 اے صنم نہ تار پہنی تجھ وفا کے واسطے
 ہرگز آنے نہ دیں گے غیروں کو
 آکھڑا تو ہوا جو کوٹھے پر
 دل ہو گیا پھچھولا پیارے تمام جل کے
 جب تک نہیں پہنچتی ترے آستان تک
 پاؤں جنگل میں دھرنے نہیں دیتے
 زلیخا تنگ جب کی تھی بدگوئی کے طعنے سے
 تیری ان کالی کالی زلفوں پر
 سراج امش میر سراج الدین اورنگ آبادی، از سوز و ناہی عہد عالمگیر
 خلد مکان بود۔ کلامش شورش تمام دارد۔ این ابیات از دست
 مجھ سے غم دست دگر بیاں نہ ہوا تھا سو ہوا
 آہ سوزال سے مری دامن صحرا میں سراج
 ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں
 سجادہ تو گیا ہر عبث کس خیال میں
 تیرے دامن کے تئیں کھلی چھوڑیں
 لیکن کوئی کھالے تیرا خط تو لکھ دیں
 آنکھیں نشے کے سچ تھاری گلابیاں
 یہ راتیں بھر کی کاٹیں ہیں کیا اسی دن کو
 نہیں بوجھتی شمع اس کو بجھاؤ
 یوسف اپنا پیر بن نہ کر رکھے
 یہ کافر مارجی خدا جانتا ہے
 ورنہ کوئی کافر بھی ہوتا ہے خدا کے واسطے
 جان ہر چند ہم گئے ہوں گے
 گھر کے گھر عاشرہوں کے بیٹھے گئے
 کیا تجھ نہال سے ہوں امید و ابھل کے
 تب تک ہماری خاک کی مٹی خراب ہے
 کیا پھچھولوں نے سر اٹھایا ہے
 کیستی تھی عزیز و باولی ہر چاہ کیا کیجے
 کیا گھٹا کی طرح ہستی ہے
 چاک سینے میں نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا
 قبر مجنوں پہ چراغاں نہ ہوا تھا سو ہوا

یہی مہنا بہا بیکر ہے گا نور آنکھوں کا
 نظر آئی جا بندی مجھے کل کس کے ہاتھوں کی
 جھکی جاتی ہیں آنکھیں آج نرگس کی گلستاں میں
 ویا کس سمت کے ہاتھوں میں اپنے شیشہ دل کو
 ہر طرح سے تجھ کو یار کرنا
 الہی یہ کیس چکا بھی ہونا سوراںکھوں کا
 کرا شک سرخ سے کاسہ ہوا معمور آنکھوں کا
 جن میں ذکر تھا خایہ تری مخمور آنکھوں کا
 سیلماں تجھ سا کوئی دیکھا نہیں مخمور آنکھوں کا
 اس جی کے تئیں نثار کرنا

حرف الشین

شاہی دکنی آتش شاہ قلی خاں، در حیدر آباد از منسلکان ابو الحسن تانا

شاہ بودا این بیت ز تختہ از دست

لنا ترک کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ مجھ کے
 کس کس کا منہ موندل سچ کوئی کچھ کے کوئی کچھ کے

مجھ شاکر مخلص بہ بشارت کر از دستان محمد علی حشمت بودہ - دے راست

کیا پوچھے ہر حال لبسوں کا جو ان پر گزرتی تھی گزری

گلچیں تجھے کیا تری بلا سے گل توڑ کے تو تو گود بھر لی

میر شاہ علی خاں دہلوی، جوان ریغناے بود - در محمد نواب سراج الدولہ

بہ بنگالہ رسید و چند سال بہ فلاح و مسرت خاطر بسر برد و بعد انقرض ثروت نواب

مسطورہ ادارہ گشتہ بہ لکھنؤ افتاد - و ازان جاہ زمان دولت نواب عالی جاہ میر محمد قاسم خاں

بہ عظیم آباد آمدہ چندے لازم نواب بود بہ دکن رفت و دران سرزمین انتقال

یافت - دے راست

کیا مری آہ کیا صنم کی نگاہ ایک ترکش کے تیر ہیں بلند

رباعی

جو دل کہہ سدا صمکاتھا جلوہ گاہ اب غیر صنم نہیں کسی کی چٹاں راہ

۱۶۱
 عشق نے دل کو جلا کر خاکِ ناحق کر دیا
 ملے ہی اُس دوست کے دل میرا دشمن ہو گیا
 جانِ تجھ بن رہا نہیں جاتا
 دل پہ میرے جو کچھ گزرتی ہے
 آنسو جو آستیں سے پڑ پڑ چھل تو کیا کروں
 چھپے چھپتا نہیں کسی طرح سُورِش
 سر کو دکھ بالیں پہ باہم کوئی دم گر لیٹے
 پیدا کیے جہاں میں ہم نے ہزار دوست
 نہیں ہوتی ہے اتنی تو حسا سُرخ
 گزرتا خاکِ شہیدال پر کرے ہے
 یہ کس دستِ حنائی نے کیا چاک
 گو نہ دی داد اُس کو شیریں نے
 وہ تو ہمان میں کتا ہوں بھلا آج کے روز
 مجھ سے لٹا نہیں ہے یادِ افسوس
 آرزو جی کی رہ گئی جی میں
 یاد آوے گا کب تک سُورِش
 اتلہ روؤں میں تے سحر میں لے جان کہ بس
 کہتا ہوں نہ کہ مجھ کو مری جانِ فراموش
 ہے زیستِ مری یاد تیری وہ نہ اے ظالم
 کیونکہ میں کروں دل سے تجھے یادِ فراموش
 اب بے کلی ترے کلاں کو دل جانے ہے میرا
 گزرتا تھا یا بھلا اُس کلا ہی دولت خانہ تھا
 پھر نہ کچھ سمجھا گیا اپنا تھا یا بیگانہ تھا
 مجھ سے یہ دکھ سہا نہیں جاتا
 کیا کہوں کچھ کما نہیں جاتا
 لختِ جگر سے ہے مراد امن بھرا ہوا
 ہمارا داغِ جگر تھا سو آفتاب ہوا
 اُس گھڑی پھر دیکھے کیا لطفت دکھلاتا ہر خواب
 تجھ سا ایک بھی نہ ملا ہم کو یادِ دوست
 کیے ہیں کس کے خون سے دستِ دِبا سُرخ
 عجب نہیں ہووے گرا ہوا صبا سُرخ
 گریباں ہو رہا ہے جا بجا سُرخ
 سلام اپنا تو کر گیا فرہاد
 رونقِ بزمِ ہولے جان نہ جا آج کے روز
 ایک فسوس کیا ہزار افسوس
 مفت جاتی رہی بہارِ افسوس
 قتل کرتا ہے انتظارِ افسوس
 نوح کی دروچ کے دیکھ یہ طوفان کہ بس
 تا زیست نہ ہوئے گایہ احسانِ فراموش
 مر جاؤں اگر ہوئے تو لیک آنِ فراموش
 کوئی آپ کو کرتا نہیں زہنا رِ فراموش
 ہونے کی نہیں جی سے یہ تلوارِ فراموش

۱۶۰
 بُت نے یارِ خدا کا گھر چھین لیا لا حول ولا قوت الا باللہ
 شورش : انش میر غلام حسین مشہور بہ میر بھیننا خواہر زادہ ملا وحید
 شاگرد میر محمد باقر، کہ حزمین و ظہور غلص می کرد، بود۔ دیوانش چار ہزار بیت از
 قصیدہ و مثنوی و غزل است شور کلامش مستمعان را بخوش می آرد۔ از خلاصہ
 دیوان دوست

چھوڑا جو تو نے ہرودنا کو بھلا کیا	لیکن ستم بھی چھوڑ دیا یہ بُرا کیا
شکرِ خدا وہ بار نہ تھا یا رہو گیا	منہ دیکھتے گلے کا مرے ہار ہو گیا
دکانہ دار غ دل کی سپرنے بھی ایک بار	جو تیراُس نگہ کا لگا پار ہو گیا
خبرِ خدا کہ باز کو دیکھا میں خواب میں	جاگے تھے میرے تخت کس وقت سو گیا
لے دلِ بایس تو رہتا ہو کیا	کوئی دم میں دیکھ تو ہوتا ہو کیا
نکلا تھا دامِ زلف سے دل کو بچا کے میں	اس چشمِ روسیاد نے پھر کر بھنسا دیا
اب دادِ دل کی دیجئے یا میری جان تلجے	دو دنوں میں ایک کبجے احسان ہو تمہارا
لٹنے سے ترے کچھ نہ ہو اکام ہمارا	اور رفت میں بدنام ہوا نام ہمارا
مرے مرنے سے اُس کی ہوئی تسلی	وگر نہ اب تک وہ بدگماں تھا
مرا دل جو گھبرا کے جا رہا ہے گا	بنا پھر تو کس کو ستا رہا ہے گا
مری جان بکتا ہوں غریبِ ستم تل	تو کس کس مجھ کو لڑاتا رہا ہے گا
دفترِ کو میں جان کے رو کر ڈلو سکا	پراپنی سرِ نشت کو ہرگز نہ دھو سکا
مت بوجھو میرے رتنے کو تم اس کے سحر میں	جو کام برس نہ ہوا مجھ سے ہو سکا
یاں جان کا ہو سودا افشائے راز کرنا	منصور کے سخن سے تک احتراز کرنا
داستانِ اپنی گرسناؤں گا	ایک عالم کے تئیں رُلاؤں گا
کو دل ہونہ ہر مہل شورش	شعب سال جس پہ دل جلاؤں گا

ہجر میں اُس کے لئے چین کہاں
 برق کی طرح بے قرار ہوں میں
 اب کون پیہ شربِ تجھ بن
 دل جل کے ہو اکبابِ تجھ بن
 غرق ہو جاؤں کاہ سے تاکوہ
 روئے ایک دم جو صحرایں
 غیر کی چاہ گر نہیں دل میں
 چوڑ زنداں میں مجھے آپ گیا یار کے ساتھ
 آنکھیں کس واسطے جڑاتے ہو
 اگر بن تیغ چاہے ہی شہادت
 دل نے کیا کام کیا مجھ سے گرفتار کے ساتھ
 روتے روتے چشم میری بہہ گئی
 تو جا کر دیکھ وہ دستِ خانی
 غلچہ و گل سب کھلے پڑتے ہیں آج
 دیکھنے کی دل میں حسرت رہ گئی
 غیشہ دل لے کے کہ بھر جائے
 کان میں بادِ صبا کچھ کہہ گئی
 کس طرح اُس کے دل میں جا کیجیے
 سنگِ حادث ہر جد صحر جائے
 بس نہیں حلتِ آہ کیا کیجیے
 لطف و کرم کا تیرے امیدوار دل ہو
 پاہل کر نہ اس کو آخرے یار دل ہو
 کوئی صورت نظر نہیں چڑھتی
 ہر وہی گردِ حیان میں کچھ ہو
 آہلوں کے ہاتھ سے شورشِ مرا
 دل کہاں ہو خوشہ انگور ہو
 ہو یقیں دل کو ہمارے جس کو اسے دو کر
 اُس شورش سے کہا میں بسے کی آرزو ہو
 ممکن نہیں خیشہ جو گرے یار نہ ٹوٹے
 میں اپنے توبہ سے ہراساں نہیں قاتل
 کب تمنا ہو مجھے عیش میں اوقات کٹے
 زلف میں تیری دل ہوا ہو گم
 ایسے جینے سے موت بہتر ہو
 نقدِ دل دیجیے اُسے شورش
 ابروے خمدار تیری زور ہی تلوار ہو
 کہنے لگا کہ چپ رہ یہ کون گفتگو ہو
 دل اُس سے بھی نازک ہو خبردار نہ ٹوٹے
 دھڑکے ہو مرادول تری تلوار نہ ٹوٹے
 یاد میں تیری کٹے دن کٹے یارات کٹے
 کہہ دے شانے کے تئیں چلب کہے
 کب تلک کوئی انتظار کرے
 اپنے تئیں جو کوئی بیار کرے

۱۶۲ کیوں اس طرح سے روٹی کھڑی زارنا شمع

دشمن کروں مزار پر اپنے ہزار شمع

جاؤں ہوں نقش پاکو ترے میں بجائے گل

اک جوہر باغبان ہو تس پر جفاے گل

کہ اُس نے کر دیا قاصد مرے کا کام تمام

اس میں جو ہلونی ہو سو ہولے چشم

تجھے دیکھتا ہوں اگر دیکھتا ہوں

ترا بھی بھلا اب اثر دیکھتا ہوں

تو اگر لطف کرے یار تو کچھ دور نہیں

ہنستے ہی گھر سنا ہو بستے ہیں

کتنی مدت سے ہم ترستے ہیں

اس لیے داغ کو سینے کے نہاں رکھتے ہیں

مستعد رہتی ہو اُس کے آگے جل جانے کے تئیں

دیکھو تو ہم سے لگی ترس بھی نہ لانے کے تئیں

شمع رو ہاے کیا کیا تو نہیں

آشناؤں سے کیا کیا تو نہیں

حال شورش کا کچھ سنا تو نہیں

بس نہیں چلتا ہو مرا کیا کروں

ہاے سے ہاے کیا کیا ہم نہیں

نام ہو سے کا جب لیا ہم نہیں

دھناک باغ اور بہار ہوں میں

پردانے کی نہ ہوتی اگر دل سے یار شمع

تب جانو کہ عشق کا مارا ہوں آہ سے

ظالم مرے مزار پہ گو تو نہ لائے گل

کیونکہ کر کے بلبل جن میں آہ

بنو ز کہنے نہ پایا تھا وہ پیام تمام

ابر روتا ہو تو بھی روئے چشم

میں کب غیر کو بھر نظر دیکھتا ہوں

مجھے آہ تجھ سے توقع نہیں ہو

ہم متنا جو کریں وصل کی مقدور نہیں

ہم جو روتے ہیں لوگ ہنستے ہیں

ایک بو سے کو تیرے اے ظالم

خوف آتا ہو کہ خورشید نہ جل جائے کہیں

شمع سے کیونکہ نہ ہوئے عشق پرانے کے تئیں

جان کر عاشق مجھے خوش چشم مشوقوں کا آہ

دل کو لے کر جلا دیا تو نہیں

غیر کی بات اک طرف ظالم

سر شگب کر موارے در پر

جی میں تو ہو طل میں تمے جا کروں

کس ستم گر کو دل دیا ہم نہیں

سکا لیوں تک پہنچ گئی نوبت

یاد نکھوں میں تیری خلد ہوں میں

۱۶۷
جو سختیاں تھیں مجھ کو زمانہ دکھا چکا

کیا کیا ستم نہ تھے جو کیے چشم یار نے

تربت پر میری شمع کا ہنسا بھی کم نہیں

ماتم میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں

پیلے ہو کس کے خون کے ہم ملی دم نہیں

تلوار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مر چکے

جبابہ سا شمارِ دم سے بہ کشتی گرز ناہلوں

عجوبہ بحر دنیا میں سبکداری سے کرتا ہلوں

لورہ کے تیری یاد میں یوں شام سحر کی

آنکھوں کی سیاہی بھی سفیدی کی نذر کی

ان تھکے کس طرح اللہ کسی کی

سننے ہی نہیں یہ بت گمراہ کسی کی

ہو چکی آخر بہار اور اب تئیں آغا نہ ہو

آچکا خط بھی یہ تیرا نسا نیا اک ناز ہو

بر علم نہیں کمر کساں ہو

مدت سے یہ سخت درمیاں ہو

لہ باعنی

تھے وہ جو غلام تاج بر سر دیکھے

اِس دور میں بد خماش اکثر دیکھے

اور ارقِ جاں تمام اتر دیکھے

لے لہجہ باز چرخ ہاتھوں سے تر

شاد آداب۔ امش مالہ خوش وقت رائے مسکنش چاند پود نہ یہ است۔

انشا خوب می نوشت۔ از دست

کیا زب دی ہو کفر نے اسلام کے تئیں

دیکھ اُس سے منہ پر زلفت سیہ نام کے تئیں

لے کاش موت ہو ترے بیمار کے تئیں

بس ہو چکی شفا تو دلی زار کے تئیں

تیرے کہوتے بھی کھینچے ہو کوئی تلوار کو

جب تلک ہو کام مڑ گاں سے تو ابروت چڑھا

شہرت دہلوی آتش مرزا محمد علی شاگرد کیسی امان جرات در لکھنؤ میر

برہہ از دست

کما جیل، کون تیرا آشنا ہو

کہا میں یار تو مجھ سے خفا ہو

کہا اُس نے ہی تیری سزا ہو

کہا میں تیرے ہاتھوں جاں بلب ہو

شانی جان آبادی، امش امین الدین، در عظیم آبادی گزرا نہ۔ از دست

۱۶۳
رباعی

لے جان مے دل کو جلا یا نہ کرو قربان مے دل کو جلا یا نہ کرو
گر ہی نہیں نظر تو کا ہے گاہے ہر آن مے دل کو جلا یا نہ کرو
شفاء آتش حکیم یار علی، معاصر محمد علی حشمت بودہ اور است
جیوں دھاک دینے سے دونا کھلے ہی با قوت چکا ہی رنگ پل سے جو ہر ترے لبوں کا
شاعر نامش میر کلوا از اقرباے خواجہ میر درد و در دکاے ذہن معروف

از دست

گر کما تک بھی مرا کیجھ گاہے پھر جو جی چاہے کیا کیجھ گاہے
عوض لاکھ جفا ہی یہ ہیں ایک گرد وعدہ و فاکیجھ گاہے
تخ نگہ لگا ملک اور زخم دل فکا رہے آہ نہیں یہ واہ ہی تیرے ہر ایک وار پہ
میر فتح علی شیدا متوطن شمس آباد مؤد متبجائے میر سوز و شاگرد مرزا
رفع سودا است

دہ صورتیں الٹی کس ملک بستیاں ہیں اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں
آنے تھے کیوں عدم سے کیا کر چلے جاں میں پرگڑ زلیست نل آپس میں ہنستیاں ہیں
شوق آتش حسن علی از شاگردان خان آرزو و متوسلان نواب عماد الملک

غازی الدین خاں - شاعرش در کمال لطافت و خدادادی است - از دست

اگر قاصد ترے کوچے شکم جلدی نہ لائے گا تو بیایے دیکھو پھر تو کہ میر جی ہی جاوے گا
آج ہی تو تو بہت وعدہ غلط ہی کل کا جیوں طفل شک میں تو مہاں ہوں کوئی پل کا
تیری جفا اٹھاوے یا جوڑ آسمان کا انصاف کر تو ایسا پتھر ہی دل کساں کا
دکھا دیلارے پایے کہ میں فرقت سے مگر ذرا مری فوٹو عشر آج ہی میں کل سے درگزر کا
کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا تلوہم جاتے رنگِ شبنم اک عالم بہاں سے چشم تر گور کا

سینے میں آہ دل میں طیش اشک چشم میں شہرہ تو عاشقی کا مری جا کجا ہوا
غمرے سے اڑتا ہو جلاتا ہو ناز سے کیا ملک حسن کا لے صنم تو خدا ہوا

صفدری حیدر آبادی از قدماست۔ وہ راست

سبز چارہ بریں پی کے رنگ بھینا دکھو شمع کا فوری پہ یہ نالوس مینا دکھو
صداق دہلوی، آتش میر جعفر خاں، نبیرہ معارف آگاہ میر سید محمد قادری
مرد صالح و پرہیزگار بود۔ بہارستان جعفری تصنیف دوست در مقبرہ جد خود آسود
است و خداست

یوں پئیں غیر شراب اور مثال زنگس ہم رہیں دیکھتے ہی ہاتھ میں پیما نہ لیے
میر محمد علی صبر اکثر مرثیہ حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام انشائی کہ

از دست

گو کہ دلبر نے مجھ پہ جبر کیا میں بھی دل اُس کوٹ کے صبر کیا
غم ہجر صنم میں رات دل کی بے قراری سے نہ تھی فرصت مجھے وقت سحر تک ہزار سی
صانع بگڑی نامش نظام الدین احمد از آشنایان ابن راقم آثم است
در مرشد آباد زمان ثروت ثواب میر محمد جعفر خاں اکثر اتفاق ہم غز لما طرح می شد۔
در سخن سنجی صنعتا می نماید صاحب دیوان فارسی است۔ در سخن گاہے می گوید بالفعل

در کلکتہ بسری برد۔ از دست

کیا کہ کرگ یلی کو خست استخوان اپنا بچھوڑا ہے کچھ مجنوں نے صحرائیں اپنا
سجن کی اس محبت پر دیا تھا جان دل صانع نہ تھا معلوم ہو جاے گا وہ نامہاں اپنا

حرف الضاد

میر ضیاء الدین ضیا تخلص دہلوی، معاصر مرزا رفیع سہوا از شاہجہان آباد

۱۶۶
 مت زخم دل مرے کو کوئی التیام دو
 شہید غازی پوری آتش مولوی غلام حسین دتے در رفاقت ذاب فضل علی
 خاں غازی پوری بکرمت گزرا نید۔ مرد سنجیدہ اطوار فضیلت شعار است۔ گاہے
 ذوق سخن می نندازد و مست

کچھ بس نہ جہا دل کا ترے زور سے دیکھا فریاد سے اوزن لے سے اور شور سے دیکھا
 فیکس جو مرے انکب شرر بار زمیں پر سبز نہ اگے خاک سے زہار زمیں پر
 لے آبلہ پا مجھے یہ چشم ہی تجھ سے پیاسا نہ رہے دیکھ کوئی خار زمیں پر
 میر محمد شفیع از ہم محبتان مرزا رفیع سودا و تقی میر است۔ در لکھنؤ بازادگی
 تمام بصری برد۔ از دست

رات کیا ہو گیا تھا تجھ کو شفیع جب کھلی آنکھ دوتے ہی دیکھا
 یار کی پاؤں نہیں دہر کچھ اپنے تئیں خاک ہوا چاہیے

حریت الصاد

صمصام الدولہ خان دوران بہادر، موسوم بہ خواجہ عاصم، از امراے عہد فرخ
 سیر بادشاہ بودہ و در زمان سلطنت محمد شاہ غفران پناہ امیر الامرا شد۔ در محاربہ نانہ شاہی
 بہ شجاعت تمام کشتہ گشت۔ اوصاف کن امیر عالی قدر بیرون از احاطہ تحریر
 است۔ گاہے بہ موزونی طبع شعر فارسی و رباعی نظم می کرد از دست
 نزدیک ہر خزان کا ہوے گز جن میں اب شور کر لے بلبل آوے جو تیرے سن میں
 شکریا لب نہ بس گرم جوشی سے آج مرے دل کو پہل میں مرنڈا کیسا
 صنعت آتش نعل خاں از متوسلان ذاب نظام الملک آصف جاہ۔ بود۔

از دست

پلائے آبِ خنجر ہم کو قاتلِ تشنہ جاتے ہیں
 رسوائیوں کی اپنی مجھے کچھ ہوس نہیں
 ہم رہے باندھے ہی محل کو
 کبھی جاگل کو دیکھے، کبھی دیکھے ہر نگرس کو
 جلیو وہ دل کہ نالہ کبھی جس سے سر نہ ہو
 نہ پڑھو آبداری لے سوزِ نیاں اس کے شرکھان کی
 ضیا کو عشق نے کس کے کیا ہو بے قرار ایسا
 بے کسی اور بے بسی اور یاس و غربت چھا گئی
 یار جو ہو سو بے وفا ہووے
 آہ کیا جانے کہ کس کی آنکھ سے ہم گر گئے
 اُس نگہ سے نہ پڑ چھک گزری
 تیرے ضیا کا حال جو پوچھا تھا شمع سے
 یہ آرزو ضیا کے دل کی بناں خدا سے
 کون سے زخم کا کھلا مانکا
 دل تیرے پاس ہو کہ نہیں خیر ہو ضیا
 ضاحک دہو ہی آتش میر غلامِ حسین، در بندہ گوئی و نہرالی ماہر و در فیض آباد
 بہ لا پڑوائی می گزرا نہ - اور است

کیا دیجئے صلاحِ خدائی کو لبیکن
 کافی تھا ترا حسن اگر ماہ نہ ہوتا
 مرزا ضیا بیگ ذکاے طبعش ازین بیع روشن است وے راست -
 ایک دم کے واسطے مت چیرے بادِ سموم
 یہ چراغِ خانہ بلیل ہو گل ہو جائے گا

وادہ کھنکھتہ مرنے در آن شہر گزرا بند۔ اکثرے از موز و نالِ آں دیار بشاگردی
 اور آمد۔ بالفعل در عظیم آباد بسری برد۔ از لعلہ سخنہائے آں روشن ضمیر است
 جمع کر کے دد سارے تو نے پیدا دل کیا کہ تو لے دست قضا بھر اس سے کیا حاصل کیا
 دل دیکھ اس کی آنکھوں کو مدہوش ہو گیا دو ہی پیالے پی کے یہ بے ہوش ہو گیا
 شل سشار جا بھی نہ کی گرم مر گئے اپنا چراغ جلتے ہی خاموش ہو گیا
 میں نے پوچھا کل ضیائے لکوکید صحر دیا اُس نے کوچے کو ترے بتلا کے پُپ دے رو دیا
 جھوٹا دوشیمہ میاں آہ یہ بیدا دی کا تاکہ کر جاوے اثر مت کسی فریادی کا
 دل جل کے راکھ ہو گیا یار و بہ گیب مدت ہوئی جگر سے دھواں اٹھتا رہ گیا
 کچھ کل سے بھی زیادہ ہے تاباں ج تو قاصد ضیا کو کسی خبر آج کہہ گیا
 دیکھو لے دو تال چپکا ضیا کیوں ہو گیا مر گیا بے تاب ہو یا روتے روتے سو گیا
 باو بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ کھلنے لگا آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی مرجھانے لگا
 قیس دیوانہ ہوا اور کوہ کن جی سے گیا عشق ہم کو بھی وہی پھر کام فرمانے لگا
 کل کی رسوائی تجھے کچھ بدش تھی اے تنگ خلق اُس کے کوچے میں ضیا تو آج پھر جانے لگا
 اُس زلف میں کہ خطا میں دل زار گم ہوا کیا جانے کہ صر وہ گرفتار گم ہوا
 نالہ سینے سے کب نہیں اٹھتا شعلہ اٹھتا ہو جب نہیں اٹھتا
 آہ سے سمجھ دل کو آگ لگی یہ دھواں بے سبب نہیں اٹھتا
 مجھے رونا آتا ہو دیکھے سے دل کے یہ دیرانہ اک وقت گھر تھا کسی کا
 آہ کس قد کس ہنس کس رخ کے دیوانے ہیں ہم گاہ قمری گاہ بلبل گاہ یروانے ہیں ہم
 ضیا کے دیکھ کر دل کو بغل میں ہم کو رنگ آیا کہ رہتا تھا یوں ہیں اپنا بھی اک ہمد پہلو میں
 رونے سے آگ دل کی کیا خاک سرود ہوئے آنسو کی جگہ کبھی تو جنگاریاں جھڑپیں ہیں
 رو دیں ہم زرموں کو کیا یہ چرخ کے سب بھیر ہیں شمع محفل تھے جو کل سورا کھ کے بٹ حیر ہیں

یہ جھک کر جامہ زہ بود امن اپنا ہاتھ اُس کے سے
 دیکھ کر باغ باغ بوٹے ہیں اپنے اُس گلزار کی صورت
 جسے نہیں ہو کسو اپنے آشنا کی یاد
 بے وفا سختی نہ کہ تادہ بھی دل پریاں تنک
 وصل میں بھی جب خیال آتا ہو ڈر جاتا ہو میں
 خاطر میں نہیں غرور سے لاتا کسی کے تئیں
 ہمارے دل کو سب سے ہم جام سے کام
 کسو طرح کی ہو رسوائی کس کو پروا ہو
 باندھے ہو مشکلی تری صورت کو دیکھ کر
 کیوں نہ ہو اس سیر میں دیوانگی شائے تئیں
 کون پوچھے ہو طور اس جس کی خواہش کے
 تو نہ ڈر تک اٹھا نقاب کے تئیں
 تری ہر رنگان عابر کی طرح بے طرح دیکھوں ہو
 عبث رہتی ہو تیرے دیکھنے کی آرزو مجھ کو
 زخمی نہ کر تو تیغ تغافل سے اب مجھے
 مراد اُس سے کہنے کو بہت باتیں بناتا ہو
 میرا قییب ظالم آپ ہی ہوا یہ کیا ہو
 ظاہر نامش خواجہ محمد خاں تربیت از میرزا منظر یافتہ در زمان محمد شاہ مرحوم
 اتریں جہان دگدگشت - اور است

پھر زلیخانہ نیند بھر سوئی
 جب یوسف کو خواب میں دیکھا
 اے آہ اس قدر تو گر بے اثر نہ ہوئی
 ممکن تھا کہ اُس کے دل کو خبر نہ ہوئی

حرف الطاء

طیش دہلوی ناگرد خواجہ میر دردہ از منسلکان سرکار شاہ زادہ دالاتبار

جہان دارشاہ است۔ از دست

سرنگوں پیکر جو تک اس کا خیال رو کیا صورت خمدشید میں آئینہ زانو کیا
 سا غریبہ سنہ تک پہنچا جو اس کے طیش عکس رنگ لبے اس کو صورت لو ہو کیا
 ہر سرنگشت سے لکھنے میں خوں مچکے ہی آہ یاد جب وہ نند قیں آتی ہیں عتابی مجھے
 ایک پہلو میں نہیں آرام آتا ہی طیش مضطرب رکھتا ہی از بس پرخ دولابی مجھے
 میرٹھ میں لدین تخلص بہ طالع جوان قابل دزبیا و متوطن لکھنؤ بود۔ دے راست
 زبیں معمور ہی سینہ مرا الفت کے دانغوں سے ننگاف سینہ اپنے کو در گلا ارکتے ہیں
 عرصے میں ہو کے زاہد اس دور میں پیمانہ مسجد کے تئیں جاویں کیوں چھوڑ کے عخانہ
 آباد کر کے طالع تو جل کے بیا باں کوں منے سستی مجنوں کے ویران ہی ویرانہ
 طرآر۔ اسٹش گردھاری لال قوم کا تیہ، متوطن امر وہہ و شاگرد محمد قائم

است۔ از دست

نہ سلجھانے کے ہاتھوں بھی زلف تیری نہٹ کو تیج پڑا ہی معاملہ دل کا
 آہ اس شوخ نے احوال نہ پوچھا ہرگز لڑچکار و ٹھٹھ چکا بیٹھ رہا مل دیکھا

حرف الطاء

ظہور۔ اسٹش میر محمد باقر ابن بہان میر باقر است کہ در حرف الحاک ذکرش
 آمد۔ وہ اوایل مشق سخن حزن تخلص می نمود۔ آخر بہ ظہور قرار داد شاگرد میرزا منظر
 و بلوغت کلامش انظر۔ دے راست

چوں گل از بسک جنوں ہر دمے سامان کے ساتھ ۴۳
 مرادل یوں لپٹتا اس کی شمشیر ہلالی سے
 بندے ہیں تیری چھبکے مہ سے جال والے
 تنہا جو میں چلو طرف وادی جنوں
 ایک بوسہ دے لے کافریت خدا کے واسطے
 محمد عارف تخلص بہ عارف اکبر آبادی دشاگرد مضمون درد بلی دکان دگر
 داشت۔ از دوست

دختر رزگو کہہ کہ اُس سے ملے درد عارف انیم کھا ہے گا
 ہزاروں معنی با یک دین دل میں لے عارف اگر زلف میہ کا بیج اس کے منہ پہل جا ہے
 مرزا عباس علی خلیف عسکر علی خاں، سلسلہ نسب ایشان بہ نواب علی ہوان
 خاں مغفور می رسد۔ بار اتم خان مذکور دوستی دہربانی مفرط داشت۔ از مرزاے مستطو
 است۔

روتے روتے نہ رہا نام کو نم جٹوں میں آبرو کیونکہ رہے گی مری ہم جٹوں میں
 محمد عطا معروف بہ عطا بانکا در شاہ جہان آباد بصری برد۔ وے راست
 ہمارے دل میں اٹھتے ہیں بھبھو کبھو تو آشنا تھے ہم کسو کے
 خبر بھی آنے سے وہ گئی ملے بکو ترا گئے پیتم کے کو کے
 رقبہاں دیکھ کر جلتے ہیں ہم کو گویا رشتے میں ہیں اس شمع رو کے
 عطا کر مہر کو ذرہ انھوں نے جو عاشق ہیں وہ تجھ سے ماہر کے
 شاہ رکن الدین تخلص بہ عشق دہلوی مشہور بہ شاہ کھیٹا نودہ شاہ فرہاد
 نقش بندی است از دہلی بہ مرشد آباد رسید لباس دنیا چندے با خواجہ محمدی خاں
 روزگار عزت حرمت گزرا نید و بعد اذان بطریق آبائی خود لباس درویشی در ہر نودہ

ظہورِ نامش شیخ سگمہ در عہد احمد شاہ بودہ - از سخن ہائے دوست
 رقیبِ صند سے دو انا ترا ہواور نہ یہ بوالہوس کوئی برباد خانہاں دیتا
 چشمِ گریاں حسن سے معمور ہے چاندنی برسات کی مشہور ہے
 از بس کیا بہار نے سب کو ہزار سبز ہے کیا عجب جو رنگ سے نکلے شراب سبز

حرف العین

سید عبدالولی عزت تخلص خلف الصدق شاہ سعد اللہ سورتی و درویش
 صاحبِ دل بودہ بدِ حلت پدہ وارد دہلی گشت و طبعش بترختہ گوئی یا لشد و بعد از ان
 در زمانِ دولتِ مہابت جنگ از دہلی بہ بنگالہ رسید و در مرشد آباد احیاءِ نواب مسطور
 از متوسلان او بود و بعد انتقال ایشان بہ دکن رفت اشعارش مدون و سراپا لطافت
 و بلاغت است - از دوست -

بہ جز رفاقت تمنائی آسرا نہ رہا
 مجھ سے غبارِ دل میں ترے بیشتر کیا
 سولے بے کسی اب اور آشنائے رہا
 عزت گمان یوں تھا کہ جل کر ہوا ہی خاک
 خاموش ہوں کنالوں نے کیا خالِ ترکیا
 پھر دودِ آدِ دل نے مرادِ دیدہ ترکیا
 مت بکل جا جی تو شادی مرگ ہو کر دام میں
 اس قدوک تو بھر مک جو خوش ہو دل صبا کا
 تو بھتا ہی خوشی سے بے طرح دل مجھ سے بسمل کا
 اکی مہری چھاتی پر نہ رہے پاؤ قاتل کا
 یہ ترادیر کا آملہ نہ گیا
 فے جواب لے کر ہمارا تو نہیں لیتا اسلام
 فے جواب لے کر ہمارا تو نہیں لیتا اسلام
 بیدِ بخوں میں ہے لیلیٰ کے کھلے بالوں کی طرح
 عشق کا دل سے نمایاں ہو ہی آخر حسن یار
 کس بھلے وقت برا ہو گیا صبا دلس
 نیم بسمل ہوا میں تیغِ نگہ رکھ لی
 جز فرہوشی تری اور کیا کریں گے یلہ ہم
 ہم کبھی حیدر میں بھولے بھی نگور لے لے صنم

معدّل انکس بہا بات بنا کہتے ہیں
 ہنس کے کتا ہر کہ چپ نہ اسے کیا کہتے ہیں
 خوش ہوں میں تجھ سے صنم وعدہ فردا نہیں دوں
 پر قیامت ہو جو وہ دن ہو فراموش کمیں
 عاشق کی گور زاہد تار یک کیونکے ہوں
 جوں آفتاب تاباں ہو داغ دل کفن میں
 رسوائی جو جو ہم نے ہر شکاری میں اٹھائی
 دیکھی نہ ہوگی مجنوں تو نے دوان پن میں
 جان ہی کو جہاں سمجھتے ہیں
 یہ تبسم نہیں ہو کچھ بے چہر
 ایسا جگر جو رکھے سوا اس سے دو بدو ہو
 حشرت کو دل میں مت رکھ شمشیر آدھے
 مر گئے تری جھاؤں سے قاتل تڑپہ تڑپہ
 بیٹھا ہوں یار آنکھوں میں آنسو سہجہ ہوئے
 فیض باراں سے ہو تبسم گل
 دیکھ نقش و نگار گلر دکا
 تے یا قوت لب کی دیکھ کر یہ گوہر افشانی
 جس کے سینہ میں چاہ ہوتی ہو
 طاقت ہو کیا زباں کو ترے آنچے ہل سکے
 حیرت زدہ دل کو کام ہے کیا برگ و بلر سے
 عمدہ ہامش ستارام از مردم کشمیر و معاصر خان آرزو بودہ - این ابیات

عمدہ دوست

مے چراغ ساروش کوئی چراغ نہ تھا
 کسو کے سینے میں ہرگز مرا سداغ نہ تھا
 وگر نہ سیر جن کا مجھے دماغ نہ تھا
 جن میں کھینچ کے لائیں ہیں گلر خاں مجھ کو
 مرچکی ہیں اس پنوش آباہی ویرانہ ہنوز
 دل ہمارا دشت ہا ہوں کا ہو دیوانہ ہنوز

۷۴
 رحل اقامت در عظیم آباد انداختہ تا این زمان کہ سال ہزار و یک صد و نو دو چار ہجری
 است در بلدہ مذکور نشغل و جدو حال اکثری باشند دیوان ریختہ اش ہزار و پانصد بیت
 دیدہ این چند بیت منتخب آن است

جلوہ گر تو ہوا جد مہر دیکھا	عرش تا فرش سیر کر دیکھا
اس طرح کا کہیں جگر دیکھا	تیر کے نام پر تر پھٹا ہے
تیری آنکھوں کے آگے سبز بہ باد ام کیا ہوگا	ننگو ذباغ میں ہستا تھا اس کے خام دعو پر
تیری آنکھوں سے آشنا نہ ہوا	دل ہوا جل کے تو تیا تو بھی
وہ عقد میں یہ جن کو کھلتا نہ دیکھا	ترا چین ابرو مرا غنچہ دل
پہر سنس کے تو نے تماشا نہ دیکھا	میں رو رو کے آنکھوں کی عشق بازی
کوئی بیمار چشم کا نہ جیا	اپنی آنکھوں سے ہم نے دیکھا ہر
سوئے تیرے نہ دیکھا غرض جہاں بکھا	حرم میں نام نہادیر میں نشاں دیکھا
مقدور جہاں ہوں قضا کا نہ قدر کا	دل کس طرح اُس خنجر مرزاں کا سپر ہو
ایک میں بس جہاں سے گزرا	اور کو مست دکھائی صورت
پرنے کی طرح ایک بھی دما نہ پایا	سب عمر مجھے آہ و فغاں کرنے ہی گزری
آنکھیں بھراتی ہیں خون دل سے پیمانے کی طرح	یاد آجاتی ہو جب ساقی کے آجانے کی طرح
پایا ہر اب صنم کو ہم نے خدا خدا کر	باتیں نہ بنا اتنی زاہد تو بیٹھ جا کر
ان کے دم سرد سے حذر کر	افسردہ سمجھ نہ عاشقوں کو
غرض روتے ہی روتے مر گئے ہم	ترے ہاتھوں سے چشم تر گئے ہم
پھر اُسے دوسری نہ آئی شام	زلزل نے جن کے تیس دکھائی شام
تھے تیری طرف جدھر گئے ہم	کہنے کو اُدھر اُدھر گئے ہم
تو نے کہا مر تو مر گئے ہم	تا جہاں نہ ہو سے عدل حکمی

نواب حسین علی خاں متحد متا امینی شہر جہانگیر نگر چندے با احترام روزگارداشت
بالفضل مرزاے مسطورہ در مرشد آباد ساکن و بمخدرات آنجا مشغول ادا شایطربانگیر

اوست

جو خوش طالع کہ شادی مرگ تیری بزم میں ہوئے
نہیں وہ روزِ محشر کے بھی تا مقدر اٹھے کا
ہو دل کو مے راہ ترے دل سے خبردار
لگ جاوے بباد نہ کہیں دل بدل آتش
کر میں کیونکر نہ کوچے میں تے لے یا مسکن ہم
ہوے ہیں خاکس در کی لکس جاکس کے دامن ہم
بات اب امتحان پر آئی قصہ کوتاہ جان پر آئی
عاشق موسوم بہ میر بجلی و مخاطب بہ عاشق علی خاں متوطن دکن بودہ -

این بیت او خون از رگ جان می چکاند

ہیں شہید کہ بلا سب سرخ پوش مصطفیٰ کی آل کا کیا رنگ ہے
عزیزِ ماضی بکھاری داس شاگردِ خواجہ میر درد مولدش دہلی است و آبائش
از متوطنان جو پور بودہ اند قبل ازین بہ بعضے خدمات بادشاہی مامور بودہ حال
درالہ آباد مقیم است از اشعار اوست

اس رات تو فرقت سے مے جی پہنچی ہو
ہر ایک ستارہ مجھے ہیرے کی کنی ہو
جو دم کہ نکلتا ہے سو ہو تیر ہو ائی
جو سانس کہ پلٹے ہو سو بھر بھی کی انی ہو
کرے نہ یار اگر دل کو صاف کیئے سے
عزیز موت بھلی بھر تو ایسے جینے سے
علی اعظم خاں تخلص بہ عاشق خلف محمدی خاں و مرید شاہ گھٹیا بہ ترک لباس
دنیا چند سال پیش ازین انتقال نمود - وے راست

روز و شب یار سے ملا کیجے
چین اس پر نہ ہو تو کیا کیجے
محمد عظیم تخلص بہ عظیم از شاگردان مرزا رفیع سودا متوطنان دہلی است
خواہی پیالہ خواہ سبو کیجو کلال ہم اپنی خاک پر تجھے نثار کر چلے

کمی تو نے نہ کی کچھ باغبان سیر ستانے میں نہ بابا جین سے رہنے میں اک مآشمانے میں
 جن میں اُس کے آنے نے منغض کر دیا مجھ کو خلل صیاد نے ڈالا مرے دھو میں بچانے میں
 نہ اپنے بتلاؤں پر غضب لے لو جواں رہے انھوں کو لبر کی کچھ انھوں پر مہراں ہے
 نامح کا یہی کام ہے تدبیر کرے جو ہو فے دوانا سے زنجیر کرے
 اس میں دبیجے یا مے لازم ہے اُسے تدبیر کے کرنے میں نہ قصیر کرے

ناحق تو بتاں سے آشنا ہوتا ہے کیوں درد و بلا میں مبتلا ہوتا ہے
 مطلق نہ مروت ہمسازوں میں نہ وفا مجھ سے بھی عبث دل تو جدا ہوتا ہے
 عاصی نامش نور محمد توطن برہان پور و کھن بودہ - اور است
 سمجھ ہیں ہم کہ اب کیس تم نے بھی مل دیا بیٹھے کیس ہو بات کیس ہے نظر کر کیس
 آتا تھا تیرے منہ کے مقابل ہو آفتاب ایسا اگر کہ تیغ کیس اور سپر کیس
 عشق تخلص سید ابوالحسن - اباشاہ بادشاہ دکن کا ہے شعرے زبان

خود می گفت - از دوست

کس کا ہوں جاؤں کہ میرے دل کو بل بکھڑا ہے اک بات گئے بول گئی پر دل تو بلکہ باٹا ہے
 عارف علی خاں تخلص بہ عاجز از ابلی اکبر آباد و اشعارش مدون است

اما بنظر نیامد - امین دو شعر از دوست

دل بفل مارے ہو جاتے ہیں سب کتب کھل شیخ سعدی تم بھی ابے کر گلستاں دوڑو
 دو لو کوہ و صحرا پر جنوں میرا ہوا حاکم کوئی جا کر کہو فرہاد و مجنوں کا کیل آفے
 غم و دکنی نامش معتبر خان از شاگردان ولی دکنی و منصب داران آنجا

بود - وے راست

تلیں میں دل لے کے یوں کرتے ہو کہ گویا ان تلوں میں تیل نہیں
 مرزا محمد مسکری تخلص بہ علیش موطنش دہلی خلف مرزا علی نقی کہ از طرف

جو دیکھے تجھ کو بل گل سستی ہزار ہو جاوے
 اگر گل تجھ ملک پہنچے گلے کا ہار ہو جاوے
 اشرف علی خاں تخلص بہ فعال برادر رضاعی احمد شاہ ابن محمد شاہ سلطان
 دہلی بودہ۔ لہذا بہ خطاب کو کہ خانی سرفرازی داشت۔ در اواخر سلطنت احمد شاہ
 اردہلی برآمدہ بہ صوبہ اودھ رسید۔ چندے در آن دیار توقف ورزیدہ در اوایل
 عشرہ سالبعہ بعد ماتہ والف بہ عظیم آباد وارد شد۔ روسا آن شہر اور اگر اسی داشتند۔
 دخان مذکور جاگیر و آل تمغا حاصل نمودہ بغراعت می گردانید۔ و در مزاج راجہ
 شتاب رائے ناظم عظیم آباد دخل تمام داشت۔ و بواسطت راجہ مسطور خطاب
 ظریف الملک بنام خود گرفت و در سنہ ہزار و یک صد و ہشتاد و شش رحلت نمود۔
 و در عظیم آباد مدفون گردید۔ کلیات ریختہ اش دو ہزار بیت دیدہ شد۔ اکثر سخننایش
 تازہ مضمون است و سرایا لطافت و نسبت شاگردی مرزا ندیم درست داشت۔
 از افغان ہائے شورش افزائے اوست

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا	کاروان اشک چلتا ہی رہا
اس کھنپا پر ترے رنگ حنا	جن نے دیکھا ہاتھ ملتا ہی رہا
اڑوں تو پر نہیں رکھتا جلوں تو پا نہیں گھتا	رہا کریا نہ کر صیاد میں پروا نہیں رکھتا
لگا کر ہاتھ ملک دیکھو مرچاں گریباں کو	کہ یہ دست تو ہرگز دامن صحرانیں گھتا
مے واسطے ساقی نہ میں اب چشم تر آیا	دل دیکھتے ہی ابر کو لا چار بھر آیا
مت ڈھونڈ کرک کو اے میخوار ادھر دیکھ	یہ لے تری خاطر مرا لخت جبکہ آیا
گریبان چاک کر دتے کہاں ہم	اگر بہ دامن محسرا نہ ہوتا
مراقظہ اشک دریائے ہوگا	جو آنکھیں یہی ہیں تو کیا کیا نہ ہوگا
میں دیتا ہوں دل کو وہ مانگے ہی جو	خریدار یہ ہے تو سودا نہ ہوگا
اگر تلخی عشق شیریں نہ ہونی	تو کیوں جاں کنی اتنی فراہ کرتا

میر بران الدین عاشق شاگرد میر حسن در لباس مدد ویشی بخوبی ظاہر و باطن
معروف است۔ اذوست
پہنچے نہ پاس ہم کبھی اُس گلزار کے دام و قفس میں جاتے رہے دن بہار کے

حرف النین

غالب تخلص نواب اسد اللہ خاں سید الملک از عہد دولت نواب مہابت
جنگ الی الاں در بلدہ مرشد آباد استقامت دارد۔ سید بزرگ مرتبت بافتوت و مروت
است و در فن طبابت نیز ماہر۔ گاہے بہ ہوزونی طبع انشاء شعر و تخیل می کند از دست
عجب کیا ہو اگر انگر گریں اب میری آنکھوں کہ دنا ہو دل پر سوز آتش بار ہو پس میں
میر تقی تخلص بہ غریب ستوطن دہلی و ملازم نواب عالی جاہ لودہ۔ اور است
اکہی مت کسی کے پیش در در انتظار آوے ہمارا دیکھے کیا حال ہو جب تک کہ یاد آوے
غواص احوالش معلوم نشد۔ این بیت او بشعر رسید
جو کوئی مرزدع دل میں برہ کا بیج بو تا ہو تو ہر گل اس کے بتان چھا گل امید ہو تا ہو

حرف الفا

میر شمس الدین فقیر عباسی دہلوی از سخنوران برگزیدہ ہندوستان در جمیع
فنون شعر و قریح داشت۔ چند سال پیش ازین بقصد زیارت عتبات عالیات شرفا
لود۔ بعد مراجعت گویند غریب دریائے آمرزش گردید۔ بنا بر تفضیل طبع گاہے رتختہ
می گفت۔ اور است

خالی تیری بیاض گردن پر نقطہ انتخاب ہو گیا
آئینے کی طرح بنے ہیں ہم دیدہ انتظار کی صورت

شب فراق میں دینا جگر کو داغ ضرور
 نہیں جفا سے خطا ہوں نہ میں دفا سے خوش
 بھر ہی ہر آستیں کو ہوسے داماں یک طرف
 دیر و کعبہ میں بھی فریادی ترے موجود ہیں
 ان بلاؤں سے فحائل جاں بر نظر آنا نہیں
 طاقت کہاں کہ جائیے قاتل کے گھر تاک
 خریداروں کو ہنستا ہے ہر سرا دل
 گرہ دے رکھ نہ ان کو کھول ظالم
 لے گور میں چشم تر گئے ہم
 دیکھا نہ فحائل گیب مراد دل
 تنہا نہ در کو دیکھ کے گرتے ہیں شک چشم
 ہو کر ترے قفس سے میں آزاد کیا کروں
 نہ لے قاصد میں رو رو یا رکھی فریاد کرتا ہوں
 بہار آئی مرے پاؤں میں پھر زنجیر کرتے ہیں
 شمع رو خلوت میں سے راہ پروانے تریں
 گرد و جزا داغ شب ہجر دکھاؤں
 قبا اپنی کرے ہر آج وہ رشک جن رنگیں
 کرے جو ذبح تو کر خنجر مژگاں لے ظالم
 گرد قتل لب کو سخن سے میں واکروں
 رجا ہے جب سے مرا گلزار آنکھوں میں
 کہیں تجھ بھر کی کس طرح سے اتیں نہ بڑیا

جہاں ہے خانہ تار یک دال چہ راغ ضرور
 ہے ہر یہ دل محزون تری فضا سے خوش
 بڑ گئے ہیں چاک سینے میں گریباں یک طرف
 سر نیکیا یک طرف ہندو سماں یک طرف
 تیغ ابرو یک طرف ہے تیر مژگاں یک طرف
 لے جاے یل اشک مگر اس کے در تاک
 جو تو لیوے پکستا ہے مراد دل
 ابھی نہ لہو میں پھنستا ہے مراد دل
 روتے روتے ہی مر گئے ہم
 اودھروہ گیا اوھر گئے ہم
 سوراخ دل میں کرتی ہیں کاڈ کی بالیاں
 بے بال و پر ہوں لے مرے صیاد کیا کروں
 ترا منہ دیکھ کر اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں
 مبارک ہو جنوں گھر کو ترے آباد کرتا ہوں
 لے ترے قربان میں کیا کم ہوں جل جانے سے نہیں
 تو صبح قیامت کے نہیں شام کروں میں
 خدا جلے کرے بے رنگ کس کا کفن رنگیں
 نہ تر ہوئے ترا دامن نہ میرا پیر بن رنگیں
 تیرے ہی دست و تیغ کو قاتل دعا کروں
 خزاں ہوئی ہے چین کی سہا سکتھوں میں
 کیریاں نکلیوں کی ہفت گئیں گنتے ہوئے گھڑیا

خدا کے واسطے قابلِ مہِ افعال نہ کھینچ
 ہنس کر کے کیا پیچھے نے پایا
 آیا ہر خط نمود میں اُس خوش نگاہ کا
 کس طرح چھپاے سے چھپ چاند کا ہالا
 ہمار آئی ہو سونے کو ملک جنگا دینا
 ترے لبوں سے اگر ہو سکے مسیحا
 چاہا بہت کہ خانہ دل میں ہو گوشہ گیر
 میں اگر آرزو سے وصل میں مر جاؤں مگا
 رو دیا ہوں میں تے مثل نکس ہوں ظالم
 قابلِ اسی کے ہوں کہ سرایا ہوں داغ داغ
 رفتہ رفتہ بت خوش قدم آفت ہوگا
 صورتِ حالِ دلِ عاشق نمایاں ہو گیا
 نہ وا ہوا نہ مرے دل کو باغ باغ کیا
 زخمِ جگر کو پردہ نشینی ضرور ہے
 نہیں بھاڑا ہو دکھلانے کو پیشِ پیر ہیں اپنا
 عبت کہ ہوتے ہو تم بدگماں مرا صاحب
 تری تو حد سے زیادہ ہیں گالیاں کھائیں
 کرے تیغِ آدمائی کے لیے وہ دلتاں منت
 ملا ہم چشمِ یلدا بر ہو سکتا ہو کیا قدرت
 یاد کر گوشہ داناں کو اس ظالم کے
 رہا نہ تھیں جہاں میں نہ نافہ لیسلی

تری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا
 گرفتہ دل تو ہنس کر کیا کرے گا
 شاید اثر ہوا ہی مرے دو دواہ کا
 ہی گوشہ زد خلق ترے کان کا بالہ
 جنوں زرا مری زنجیر کو ہلا دینا
 تو ایک بات میں جیتا ہوں میں جلا دینا
 لیکن خدنگ ناز ترا پار ہی رہا
 حسرتِ دل کو بھلائے کے کہ ہر جاؤں گگا
 میں ترانام نکالوں گا جد ہر جاؤں گگا
 اس نخل سے مراد یہی تھی کہ پھل گیا
 قدم آگے جو رکھے گا تو قیامت ہوگا
 دیکھتے ہی آئے کو یار حیراں ہو گیا
 یہ وہ ہے جس نے طبع کو داغ داغ کیا
 یہ داغ ہر کسی کو دکھایا نہ جانے گا
 مجھے تو کو رہیں بھی چاک کرنا ہر کفن اپنا
 قسم ہے لیجیے حاضر ہے جاں مرا صاحب
 بس اب سنبھالو تمہاری زباں مرا صاحب
 اگر اس واسطے مارا پڑے عاشقِ جلالِ منت
 کوئی میرے برابر آج ہو سکتا ہو کیا قدرت
 سخت اُلجھا ہو مرا ہاتھ گریبان کے بیچ
 کیسو کے دل کی صدارت کی جس کے بیچ

لے فغاں طاقت کہاں دل میں جو کیجے انتظار
یاد جب آئے گاتب کی بات اب تو ہم گئے
ملا ہر خاک میں تن دل کی آرزو نہ گئی
عجب یہ گل ہو کہ مر جھا گیا پہ بونہ گلئی
چشم پر غم میرے حق میں حلقہ زنجیر ہو
کس طرح آنا دہوں آنسو بھی دامن گیر ہو
شائے سے فغاں بھیرا لھتا ہو مراد دل
اس کا کل مشکیں کا کوئی تار نہ ٹوٹے
ڈالا ہو مجھے عشق نے اُس شوخ کے پالے
دل دیتے ہی مجھ کو تو پڑے جان کے لالے
دیکھ کر دل کو مر گئی مرگال

لسو ل آرام مجھ کو ہونا معلوم
در دشب، ہجر جی سے کھونا معلوم
اس چشم سے خواب کی توقع مٹ گئی
روزنا تو نصیب میں ہو سونا معلوم
گر تو نے کی یاد یاری و دل بھی گزری
گر ہم نے کی آہ و زاری و دل بھی گزری
سنا ہو مری جان تو راضی رہنا
یوں بھی گزری ہماری و دل بھی گزری

شیخ فرحت اللہ فرحت ابن شیخ اسد اللہ از فرزندان قاضی منظمہ
جانشین معز ارشاد بدیع الدین مدار است و آبائش ماوراء النہر کا لند شیخ مسطور از
دہلی بہر شد آباد رفت و مت باے مدید در آنجا بسر بردہ از جهان در گرفت۔ دیوانش
دو ہزار بیت دیدہ شد کلامش تفریح بخش خاطر سخن سنان و زہمت افزاے طبع نکتہ
رسان است سوزش سخن دست قابلے داشت۔ از کلام اوست

اک روز بھی وہ بت نہ ہوا رام ہمارا
بر باد گیا مفت میں اسلام ہمارا
لے وعدہ فراموش جو آتا ہو تو اب آ
کیا فائدہ جب ہو ہی چکا کام ہمارا
درد و الم و نالہ و بے طاقتی و آہ
یہ کچھ تو صنم ہم نے ترے پیار میں دیکھا
جگر میسے سے آنکھوں میں سرنگ نہو چکل نکلا
بدخشاں سے یعل قیمتی کا کارواں نکلا
ہوائی آگئی ایک بار گئی منہ پر دو عالم کے
مے سینے سے جب یہ نالہ آتش فشاں نکلا
نظر آبا سو امیرے ترے تیں اور بھی عاشق
گلی میں لے کے جب تو اپنی تیغ استحاں نکلا

اس تیغ کا فغاں کوئی ہو فے سپر کہاں
 سینہ عشاق سپر چاہیے
 دل تو مدت سے فغاں ہے چکا
 کھنچ رہا ہے اس لیے مجھ سے ترا دا ان وصل
 نہ آنسو مری چشم میں کم رہے ہیں
 زیارت کردوں کیونکہ زخم جگر کی
 کس کو فغاں داغ کہ یوں سراغ دل
 ڈرتا ہوں یہ کہیں دل بسمل تڑپھ تڑپھ
 رسولے خاص دعام ہوں جاؤں جہاں لیے
 کر چاک جب صبح قیامت کھائے
 تیر نگہ حریت دل بے قرار ہے
 کئی داغ سینے میں رہ جائیں گے
 مجھے جھوڑت جا نیوسل اشک
 فغاں حالت نزع میں یار سے
 شانے کی کشمکش سے کہیں دل میں ٹوٹتے
 کہتے ہیں فصل گل تو جن سے گھنڈ گئی
 شکوہ تو کیوں کرے ہر مرے اشک سرخ کا
 روز و شب روتے ہی گزرتے ہی حال پنا ہے
 جو بہا چشم سے خوں گوشہ داں جانے
 کیا کیا مرنے تڑپھ کد کھائے میر غ دل
 رکھ ہاتھ میں اس نگ کو یہی ناموری ہے
 رکھتے ہیں دل بھی پہ مرا ساجگر کہاں
 دل لے لگانے کو جگر چاہیے
 جان بھی حاضر ہے اگر چاہیے
 مالک انوس کو پھر شغل بے کاری نہ ہو
 خدا جانے کس واسطے تھم رہے ہیں
 یہ بھلے اترتے نہیں جم رہے ہیں
 مدت سے گم ہوا ہے کہاں جستجو کریں
 رنگیں کرے نہ داسن قاتل تڑپھ تڑپھ
 اس داغدار دل کو بھروں میں کہاں لیے
 ہر ہر عزیز خاطر سودگاں مجھے
 نمک جنبش شرہ میں کلجے کے بار ہے
 یہ آنسو نہیں ہیں کہ بہ جائیں گے
 ترے ساتھ ہم بھی نہ بہ جائیں گے
 جو کچھ دل میں رکھتے ہیں کہہ جائیں گے
 اک عمر چاہیے تری زلفوں سے چھوٹتے
 اے غنڈ لیب تو نہ نفیس بیچ مر گئی
 تیری کب آتیں مرے لوہو سے بھر گئی
 خواب میں بھی نظر آئے سو خیال اپنا ہے
 ہاتھ سے جو کہ ہوا کام گریباں جانے
 افسوس وسعت نفس سینہ تنگ ہے
 لخت دل عشاق عقیق حب گری ہے

مت تو دل کے تئیں کہ بنایا نہ جائے گا
 کوچہ یار میں جاہم سے پھر آیا نہ گیا
 تو جو اے نالہ نہیں اس کو اثر کرنے کا
 ایک دم بھی نہیں جاتا تو نظر سے میری
 ہیں سر بہ حبیب جن میں جو وہ خدا جانے
 فرحت جو اس کی زلف تو چھوتا ہے ہر گھڑی
 تری مڑگاں کو کب آئے غم عشاق کے دل کا
 والہ کی تیرے رات کو کیونکر لگے ہلک
 کھولے وہ اگر زلف گرہ گیر ہوا بر
 زندگی میں تو رہے صدمے دل غمناک پر
 کرتا ہے ترا باغ میں جب جلوہ گری رنگ
 مانگے ہے مجھ سستی جو میاں بار بار دل
 سینے میں اپنے شیشہ دل کو کہاں رکھوں
 اے رنگ پاں بیوں کا ترا خوب ہی لہو
 عاجز کیا ہو تم نے دل و دیدہ تو سہی
 مجھ خاکسار میں تری وسعت سمائے کب
 اب ہم سے درد و غم بھی چراتا ہے اپنا جی
 ظلم ہی ظلم ہے کچھ رحم کا اسلوب نہیں
 اگر کھڑا ہو سراپہ نمازیں وہ صنم
 مصحف میں اس طرح سے نہ ہو جدول طلا
 ساتی بغیر تیرے ستم ہی ہوا ہے اب

ایسا یہ لعل پھر کبھی پایا نہ جائے گا
 دل کو جیوں نقش قدم واں سے اٹھایا نہ گیا
 فائدہ کیا مرے نت خستہ جیکر کرنے کا
 میں ودا نا ہوں ترے آنکھوں میں گل کرنے کا
 دہان یار نے غنچوں سے کیا سوال کیا
 دیوانے کیا ترے تئیں ہے شوق مار کا
 نہیں ہے خنجر قصاب کو کچھ درد بسمل سکا
 کچھ بھی رکھے ہے ربط دل بے قرار و خواب
 بندہ جاوے دو نہیں صورت زنجیر ہوا پر
 بعد میرے دیکھے کیا ہو قیامت خاک پر
 ہوتا ہے ہر اک چہرہ گل سے سفی رنگ
 رکھتا ہے پاس اپنے کوئی کیا ہزار دل
 گنتی ہے تھیں آہ کی اس کو جاں رکھوں
 اس کے لبوں پر اب کے اگر میں دہاں رکھوں
 اُس کو چھپا کے جان کے میں درمیاں رکھوں
 کیونکر ز میں کے بیچ میں لا آسمان رکھوں
 رونے کو چاہیے تو ان آنکھوں میں نم نہیں
 میں ترے صدمے یہی بات تری خوب ہیں
 گرے جو سجدے کو زاہد تو میں سلام کروں
 چکیں ہیں جیوں بتوں کے تھہ اور پتہ دیاں
 گنتی ہیں بوندیاں مے دل کو کٹا ریاں

قتل کرتا ہے اگر مجھ کو سنبھل کر بچو
 رات کے کٹنے کی تدبیر کوئی مجھ کو بتا
 یار و سرشک چشم کا میں کیا کروں گلے
 جن میں کیوں نہ معلوم ہیں گلے سے لگے فنجوں
 دل نے تئیں اپنے نہ میں عاقل و دانا سمجھا
 جی بھٹکنے میں لیا اس دہن تنگ کا نام
 چشم اُس کی کو کیا جب بے نوشیں معلوم
 آوازِ خندہ گل جس کو نہیں خوش آتی
 میں کس شمار میں ہوں بھٹکے گا جب گھر سے
 آخانہ چشم میں پیار سے
 ملاؤ پاؤں سے اغیار کا دل
 دکھایا ہے جو زلف درخ تو فرحت کو نہ ہوا نفع
 چاہے کی بات تو کچھ اور ہی انصاف ہو اور
 قامت اس کا کہے ہی یوں ہر دم
 وصل کی شبکل تو اُلجھڑے ہیں ہی فرحت کٹی
 دکھاؤں گا میں رسوائی کو کیا منہ
 ہوا مشاق جاتے ہی ہواے بام و لبر کا
 تہوں کے ہاتھ میں میں ہوں پریشاں جوں گلِ ابھی
 خدا کے واسطے اب بھی تو مضطرب غماں لے دل
 بتوں کی سختی دل دیکھ فرحت نے دیا ہے جی
 رفتہ رفتہ عشق میں فرحت میں گھبرانے لگا

تیرا واس میں مے لہو ہستی بھر جاوے گا
 دن تو ہر طرح مری جان لڑ جاوے گا
 یہ طفل بد سرشت تو مجھ کو ڈبو گیا
 اسی صورت کا اپنے پاس لے فرحت کبھی ل تھا
 جن عشق کا اک بے بسل شیدا سمجھا
 میں نے مرم کے یہ کل رات معما سمجھا
 ملک الموت کو اپنا میں مسیحا سمجھا
 مالے یہ کب ہمارے وہ شوخ خان دے گا
 دیکھ اس کو جان اپنا سارا جہان دے گا
 کب تک مے دل میں تو بھرے گا
 پھپھولا جی کا میرے آج بھوٹا
 یہ دیوانہ تھے کوچے میں صبح و شام آئے گا
 لے زلیخا مہ کنیاں ہی طرح دار ایسا
 میں قیامت ہی کر دکھاؤں گا
 خواب وہ کرتا رہا میں بال سلجھتا رہا
 گریباں کو مرے ناصح نہ سینا
 اگر پاؤں تو میں لوہو بیوں ایسے کبوتر کا
 کیا ہے عشق نے مجھ کو نہ ایدھ کو نہ اودھ کو
 ترے مالے نے تو بہیم کیا دیوانِ عشر کا
 بنا ناسقہ تربت پہ اُس کی سنگ مرم کا
 دل گیا تھا ہاتھ سے پر اب یہ جی جانے لگا

کبھی وہ باسیں اندام میر ساتھ سویا تھا^{۱۸۷} اسباب تک لئے گل آتی ہو ہر تار نہالی سے
 کس کے دل کو ہو خوشی جو دین اور دنیا ملے آرزو اپنی تو یہ ہو تو کیس تہنٹا ملے
 دل مرا کو چہ جاناں میں قدم رکھنا ہو یہ گد آرزو سے سند جم رکھتا ہو
 ہچکیاں لئے مری جان نکلتی ہو آج دیکھ کر رات تری طرح یہ بکھلانے کی
 ابرو نہ ملے اُس کے کہ مژگاں نے کیا قتل تر دار کا کچھ جل نہ سکا تیر کے آگے
 سفر کا عزم کر کے گھر سے اپنے پار چلتا ہو کوئی دم میں مرا اب ہا ہے یار وحی نکلتا ہو
 خاک پر کوچے میں اس کے بیٹھا قسمت ہوا نفرت فرحت مل گیا تخت سلیمانی مجھے
 کیونکر کے تجھ کو درد سے آگاہ کیجیے دل ہی نہیں رہا ہو جواب آہ کیجیے
 رنے کے بعد مجھ پر کیا کیا ستم نہ ہوں گے دیکھیں گے غیر تجھ کو اور ہا ہے ہم نہ ہوں گے
 محبت میں تو شیریں کی پڑا پیر دل پر مڑتا ہو دوانے کوہ کن کیوں گور پر تو گور کرتا ہو
 ہر روز جو آہ سرد بھرتا ہوں میں اور نالے پہ نالے شب کو کرتا ہوں میں
 نکلا آؤں ہے بے قراری سے جی معلوم نہیں ہو کس پہ مڑتا ہوں میں
 میر فرخ علی فرخ - از مادات اٹا وہ - نجابت و شرافت اختصاص است

اور است

چشم سے نور گیا تن سے تو اں جی سے صبر عشق میں تیرے ہوا مجھ سے جدا کیا کیا کچھ
 فارغ دہلوی - از طبقہ ہندوان و شاگردان حاتم و از معتقدان مولوی فخر الدین
 است صفات بخش از مطلعش پیدا - اور است

اشک آنکھوں سے جو نکلا سودہ گو ہر نکلا بعد مدت کے مری چشم کا جو ہر نکلا
 فضل دکنی - امش شاہ فضل علی - از معاصرین نجم الدین آبرو بدوہ - از دوست
 مصور گری تصویر کو چاہے کہ اب کھینچے لگا دے ایک سارا چاند چہرے کے بنانے کو
 عجب کو میں کہا تک منہ کو دکھلا کہا آئینہ رونے بیٹھ منہ دیکھ

میں مرجھا ہوں پہ خواہاں ہو نہیں سکتے ہیں
 جو تجھ کو قتل ہی کرنا ہے مجھ کو بسم اللہ
 دل کے تئیں اپنے بچھے یاد دیے جاتا ہوں
 طیشِ ذالہ و فریاد و ٹر پھٹا مرنا
 میں نے بوجھا کہ میاں تیرے دہاں ہو کہ نہیں
 اک بات میں کموں جو تو مجھ سے خفا نہ ہو
 ناصح بتوں کے عشق میں بے اختیار ہوں
 کس کا کروں میں شکوہ کو کس سے ہوں بخید
 مت نکیلو لے اشک مے اپنے تو گھر سے
 آوے ہے صبا تجھ میں تو کچھ اور ہی ہوا آج
 دامن کی ترے گونڈوں سے اب لاگ لگی ہے
 آہستہ رکھ قدم کو صحرا کے بیچ ناقے
 کہہ رہا میں بزم میں اُس سے نہ کرو عوا حسن
 جو چاہے غیر دیسے دل کو تجھ کو سخت مشکل ہے
 کس راہ جہیں سے ترے تئیں دیجیے شبیہ
 یہ سنگ دلی مجھ کو تمھاری نہیں بھاتی
 بلبل کو جس طرح سے پھرے گل کی بو لے
 فرمائیے جو کچھ تجھے حاضر کر دل جان سے
 کل باغ میں وہ غیر کو لے گھر سے جو گیا
 جو ساتھ غیر کے وہ گلزار گزندے ہے
 پیارے ہر ایک سے مل اتنا نہ ناز کیجیے

مرے مزار پر آگیاں سناتے ہیں
 خدا نخواستہ کیا جی کو ہم چراتے ہیں
 حسرت و مل تری ساتھ لیے جاتا ہوں
 عشق کا کام جو ہوتا ہے کیے جاتا ہوں
 کما سنہ مار نہ اس کا کوئی یاں ہے کہ نہیں
 جو چاہے کہستم پہ صنم بے وفانہ ہو
 کیا چاہتا نہیں کوئی اپنا بھلا نہ ہو
 دشمن ہیں مے جی کے اپنے یہ دل و دیدہ
 پالا ہے تجھے لعل میں کس خون جگر سے
 سچ کہہ تجھے سو گند ہے آتی ہے کہ صھر سے
 دل جاوے کہ صھر چاروں طرف آگ لگی ہے
 پاؤں سے اپنے بچوں تک خار کھینچتا ہے
 کٹ گئی نہ شمع کی آخر زباں گلگیر سے
 تھے پاؤں پہ لوٹے ہے یہ کچھ کمخت کا دل ہے
 نثر زندہ ہے یوسف تری تصویر کے آگے
 آخر کو تو ہم بھی تو بندے ہیں خدا کے
 پھرتی ہے ایسی مجھ کو تری آرزو لیے
 لاؤں پہ یہ دل کو ترے دینے کو کہاں سے
 ہم سر نپک ٹپک پس دیوار رہ گئے
 خیال جی میں مرے سوسنرا گزندے ہے
 عاشق کو بواہوس سے تک امتیاز کیجیے

عجب طرح کی دل میں آتی ہیں لہریں
کچھ تو سبب ہی نامہ بر آج تک بھر نہیں
جس دن کا ہیچ و غم دیکھے ہیں
دل میں ہی سوط کھا ڈھونڈ لکھے کیا ہو کیا نہیں
کوئی پروانہ سال صدقے کوئی قربان جاتا ہو
نک چھڑکے ہی زخم دل پہ جب تو مسکراتا ہو
تبدلتے رفتے اُس بت کا فرسے راہ کی
جی میں ہزار باتیں فرصت ہی ایک دم کی
اُس کو طرزِ جفا خوش آتی ہو
مفت میں میری جان جاتی ہو

قدومی دہلوی نامش مرزا محمد علی مشہور بہ مرزا بھوپو در عظیم آباد خدمت شاہ
گھنٹیا میگزرائند و تقارفے بابرادر خرد راجہ کلان سنگھ خلف راجہ شتاب راے نیز
دارد :- ذہنش در زخمتہ کوئی رسا و بار اقم آشنا - اشعارش مدون است و مسدست
بے خودی اور شرم سے باتوں کا کس کو پوش تھا
تجھ سے ہوتے ہیں درد مند جدا
یہ رنگ آئینہ جو عیب جو تھا
رفتہ رفتہ اپنے جو ہر یاد دکھلانے لگا
کیا تسلی کر گیا تھا یا اس دل کی مرے
یہ رنگ آئینہ مل بٹھنا جس پر نظر کرنا
تمنا کس کی ہو لے شمع سچ کہہ کچھ تو جی میل ب
قل کر کے مجھ کو حاصل کیا کیب
تمہی دل کو یاد آہ کس ابرو کماں کی کل
دل کو لے کر بنائے باتیں
بیگانگی ہیں نہیں تجھ سے کسی طرح

گو کرے کوئی بند بند جدا
وہ پانی پانی اس کے رو برو تھا
آئین کا سانپ نکلا یہ تو جی کھانے لگا
یہ تو کچھ جانے ہی اُس کے اوٹھ جانے لگا
اسی منہ سے ملے تھے آن کر تک نہ ادھر کرنا
نہیں بے چیر تیرا شام سے رو رو سحر کرنا
اس کو کیا کہتے ہیں قاتل کیا کیا
ہر موبدن پہ اپنے بجاے خندنگ تھا
وقت ہی اپنے اپنے تابو کا
ہم سب طرح تھے ہیں تو سمجھے کسی طرح

فراق دہلوی آتش مرقضی قلی خاں ہندوستان زاد و زبان محمد شاہ غفران پناہ
 از ملازمان توپ خانہ بود۔ در عہد مہابت جنگ وارد مرشد آباد گشت و در آں جا ساکن
 بود بلا خرد و عظیم آباد بعلت باقی از سرکار بہ قید راجہ شراب راے افتادہ تھا مل نمود۔
 ! مزار رفیع سودا دوستی داشت۔ وے راست

تماشا اس چین کا کس کے دل کو شاد کرتا ہے یہاں اک لب تبسم غنچے کو بر باد کرتا ہے
 اسیر کی قسم تجھ کو صبا بچ کہہ کر گلشن میں کوئی اُن ہم نواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہے
 فدائش سید امام الدین بنا کر د مرقضی قلی خاں فراق در عہد مہابت جنگ
 از دہلی بہ بنگالہ آمدہ استقامت و وزیدہ۔ مرد آزادہ است۔ وے راست

مست شراب و بند قبا و اکیے ہوئے پوچھا میں اس طرح سے چلے ہو کہاں میاں
 کہنے لگا لے تیغ کو غصے سے ہاتھ میں سنتا ہے بے یہ کون زبان ہے میاں میاں
 ہوا ہے جب دہ بے مہر دور آنکھوں سے گیا ہے تاج تو اں دل سے نور آنکھوں سے
 ہم کو فدا مال نہ زرا چاہیے مہر کی ٹمک اس کی نظر چاہیے
 دل کو لے کر دغا کیا ہم سے بے وفا تو لے کیا کیا ہم سے
 میں ہوں قربان اس کے کہنے کے تونہ بولا کر اے فدا ہم سے
 تو میرا حال بن آئینہ دیکھ کیا جانے کہیں ہیں کس کو محبت تری بلا جانے
 دل جب خدائے دوست دیکھا ہم نے کیا کیا نہ جفاے دوست دیکھا ہم نے
 دشمن کا دوست دوستوں کا دشمن کوئی نہ سوا اے دوست دیکھا ہم نے

فرصت آتش میرزا الف بیگ متوطن الہ آباد است۔ وہ بہ شیوہ سپاہ گری
 فکر معاش ہی کندہ دیار خود سخن سنچ بے مثل است۔ این ابیات زبدۂ افکار است
 کوچے میں سب معطر گھر رنگ ہے چمن کا کھولا ہے جب سے تو نے یاں بندیر ہیں کا
 تجھے جس گھڑی اے صنم دیکھتے ہیں تماشا خدائی کے ہم دیکھتے ہیں

رفیع سودا بہ فرخ آباد آمد و خجالت کشیدہ برگشت گویند یوسف زلیخا بزبان رنختہ
نظم کردہ - دے راست

مژہ کی ٹوک سینے میں نگاہ یار لے ڈوبی کہ جیسے بھال تو دے میں سری یک بار لے ڈوبی
میر فتح الدین فخر تخلص خلف میر اشرف علی خاں تذکرہ نویس از شاگردان مرزا
محمد رفیع سودا مست - و در گفتو استقامت دارد شعر بسیارے نظم کردہ اما بہ راقم نہیں
بیت اور سیدہ -

بات کیجیے غیر سے اور ہم سے منہ کو موڑیے تاکہ خدا سے ڈر کے ان وضو کو اپنی جھوٹیے
فروغ آتش میر علی اکبر شاگرد میر شمس الدین فقیر دطبات و علم نجوم دخلے
دارد و شعر فارسی می گوید - این ابیات رنختہ از دست -

صفا سے ساعدہ میں کو دیکھ کر تیری گیا ہر ہاتھ سے یک دست اختیار مرا
جس تو شب کو ہر آسودہ قافلے میں فروغ پہ ہر نفس دل نالال ہر بے قرار مرا
ایسا نالال ہوا شب کو دل بیمار کہ بس شمع کے ہمایہ پکارا پس دیوار کہ بس
گرچہ مخور سیہ مست ہیں تیری آنکھیں لیکن ایسی ہیں وہ دل لینے میں ہشیار کہ بس
میر فیض علی فیض تخلص فرزند و شاگرد میر محمد تقی است - دے راست

کبھی نہ لفت تاک لگ چلے ہوں تو نہیں تم سے دل پڑا زور رکھتے ہیں یونہی مار مار اپنا
دن رات آگ ہی میں دل کو لٹا رہے ہیں داغ فراق اس کے چھاتی جلا رہے ہیں
فریاد آتش صاحب رائے قوم کا تہہ ساکن گفتو و شاگرد میر سید محمد سوز
قبل امیر قمران تخلص می کردہ - اور است

غم جب سے ہر اہر یار دل کا کوئی نہیں غم گسار دل کا
دل کو امید رہائی سے اٹھایا ہم نے عشق کے دام میں جب پاؤں پھنسا یا ہم نے
جان کر حال ہمارا نہ سنا اُس نے کبھو سو طرح مژواں خانوں سے سنا یا ہم نے

کہنے نے دلائی یاد مجھے آہ سہ پہر
 شمع کی طرز جلا کچھ نہ بچا آخر کار
 دن تک قرار وصل رہا رات کچھ نہیں
 درد دل قابلِ بیاں نہیں
 بوجھ دل اپنا نیاز کرتے ہیں
 دکھوں کس طرح آہ آتشِ عمان کو
 اکیلے گل بوے نہیں تاب تجھ خزار کے آگے
 ستم گر جان کر یہ زلف ناگن کہہ یہ کیوں چھوڑی
 تری تیوری چڑھی کو دیکھ کر فدا سی بھی بننا تھا
 مانند برق ایک جھلک بس دکھا چلے
 پھرتے تھے تم تو آنکھ بچائے چھپے چھپے
 جیوں شمع گو کہ سر سے بل رات ٹل گئی
 ملے وہ غیر وں مہر ش جا بہر کب آتا ہرگز نہ ملے
 تری ہم نے ناشر بس آہ دیکھی
 سینے کو چاک کرے ہو یہ مسکن اس کا
 روز سینے کا داغ جلتا ہو
 یارو ملے اب کوئی کسی سے کس طرح
 جیوں آئینہ کب تلک ظاہر داری
 غیروں سے ہمیشہ گرم جوشی ظالم
 سوئے میں تے تو ہم کہیں کے رہے
 فداوی لاہوری، مرد خود پسند بر خود غلط بود ساز وطن برائے مباحثہ مرزا

کیسی ہوا جلی کہ اٹھا دل میں درد پھر
 سرستی پاؤں تلک جل ہی بچھا آخر کار
 مگر وہو قول دلت کے یہی بات کچھ نہیں
 در نہ کس کے میاں زباں نہیں
 خود برداں پہ ناز کرتے ہیں
 یہ جیوں برق جھانکے ہر نت آسمان کو
 تری نکھیاں کے آگے سیم دوزر گس بھی ہار آئی
 سنہاں اس کو اب لے ظالم یہ میر جی کو مار آئی
 تبسم جب کیا تو نے ہنسی بے اختیار آئی
 بجلی ہی ہم پہ پڑنی تھی کیا آئے کیا چلے
 نکلا کہ صحر کو چاند جو آئے چھپے چھپے
 دیوانے فکر آج کی کر کل کی کل گئی
 یہ دھلتی پھرتی ہو چھاؤ فدا کی بھی دھر پھل دھر
 نہ آیا وہ کا فر بہت راہ دیکھی
 سچ بتا کس نے قبا تیری لے گل دوسی ہو
 دن دیے یہ چراغ جلتا ہو
 منصف ہو ذرا دل میں کرو اتنی غور
 سنہ پر کچھ اور پڑھتی تھیں کچھ اور
 اور ہم نے ملے تو یہ خوشی ظالم
 پھر کس لیے یہ خود فروشی ظالم
 فداوی لاہوری، مرد خود پسند بر خود غلط بود ساز وطن برائے مباحثہ مرزا

میں تو گلشتِ جن سے یادگار
 جاؤں میں کہ صرب تو مجھے یاد نے گھیرا
 ہم پر ایامِ مصیبت آج پھر آنے لگا
 کب تک لے نالہ زیرِ لب رہے گا تو گرہ
 وہ دل جت گراٹھا جو بغل سے اپنی
 ہو گیا دستِ جنوں چاک گریباں میں بند
 ترے حصار میں جب قصدِ عرضِ حال کیا
 میں داغِ نازہ مول توڑے ہیں اس قدرِ نجات
 پڑا ہی اس کے گلوں میں گروہِ دمِ اعجاز
 کیا کیجیے بھروسا اُس نالہ سحر کا
 تیرے بغیر پائے اب جی پر آبنی ہی
 دل سدا سینے میں جلتا ہی رہا
 تو نے گو مجھ کو ملا سے میں رکھا
 اس چشم سے ہو کے آبِ نکلا
 دستِ بردِ ظلم سے تیرے ہیں جتنے ہم خراب
 گھڑی رونا گھڑی سر کو پھینکا
 ہرزہ گردی سے رہائی کی چھڑا
 جان ہو وابستہ اس بکالی کے سدا
 ذرا قفس سے قفس تو ملائے رکھ صفا
 تجلی جلوہ فرما ہو صفا سے سینہ پیدا کر
 ہو نالہ دل آتش و آہ جگر آتش

شل شبنم چشم تر لے کر چلا
 ہر چار طرف جلوہ دیدار نے گھیرا
 بارگھر جانے لگا لے لو لے گھر جانے لگا
 حوصلہ باقی نہیں بس جی تو گھبرانے لگا
 سو وہ نہ ترشکن زلف پریشاں نکلا
 آہِ داماں شرفِ چاک سے محروم رہا
 ہجومِ گریہ نے میری زباں کو لال کیا
 کتا یک بے کا کا سہ پُرانہ ہلال کیا
 ترے لبوں نے میٹھا سے کیا سوال کیا
 جن نے کہ منہ نہ دیکھا اک صبح بھی اثر کا
 ہر سانس کو جگر پر ہو حکمِ نیشتر کا
 لختِ دل آنکھوں سے ڈھلتا ہی رہا
 جی مرا تو بھی نکلتا ہی رہا
 سینے سے دل خراب نکلا
 اس قدر ہوئے گا اس عالم میں کوئی کم خراب
 خوشایامِ اوقاتِ محبت
 پھر مجھے زنداں میں لے نہ بھر کھینچ
 میرے پہلو سے نہ اپنا تیر کھینچ
 کہ تا اسیر کریں مل کے ایک جا فریاد
 اگر دیدار کا طالب ہو تو آئینہ پیدا کر
 کیا زمیت ہو اپنی اِدھر آتش کدھر آتش

حرف القاف

قدرت دہلوی آتش شاہ قدرت اللہ زبیدہ کلمۂ سبحان و غلامہ سخور ان
معاصرین خورش است در تنظیم رخنۂ معنی بندی و فصاحت از دست نمی دہد۔ غرض
سخن و صاحب اقتدار بلاغت شعرا است۔ از دہلی بہ مرشد آباد رسیدہ توطن اختیار نمود۔
ناحال ہماںجا بہ امداد ناظم آن دیار بسر می برد۔ اشعارش از ہزار بیت متجاوز دیدہ شد۔
از سخننہائے لطیف و پاکیزہ اوست

بیت اکثر میں شب کہ ترا انتظار تھا
کھٹکا ہر ایک در کا مے جی کے پار تھا
کیا آسرا ہے ہستی نقش بر آب کا
خالی ہر نکتوں سے خیمہ حباب کا
بند نقاب کو ذرا کھڑے سے کھول کر
لے آفتاب موڑ دے منہ آفتاب کا
بے تاب یوں سے یہ دل بے تاب رہ گیا
اپنی طبش میں جل کے یہ سیما رہ گیا
آنسو تھے ہیں پر نہیں سوکھی ہیں چشم تر
دریا اتر گیا پہ بہ گرداب رہ گیا
ہنگامہ پر ہیز و ورع اب بس آیا
اے بادہ کشاں مژدہ کہ پھرا بر آیا
کچھ دیر ہوئی اشک نہیں آنکھوں گرتے
شاید نہ مژگاں کوئی لخت جگر آیا
دل ہوا سیر زلف سیہ فام رہ گیا
آگے نہ چل سکا تری منزل کو چھوڑ کر
قدرت کس آسرے پہ کھلے گی یہ زندگی
جب کہ وہ رخ نہ نقاب چھپا
مسکرا بادہ محسب آیا
اُس بنا گوش کی خجالت سے
ہو گئی رات آفتاب چھپا
خوشا ہنگامہ رخسار کہ غد بے گناہاں کوں
ساقیا شیشہ شراب چھپا
اُس بنا گوش کی خجالت سے
دیر شہوار زیر آب چھپا
دو چار کشمکان ظلم وہ جلا دہو وے کا

لخت دل اور اشک ہرگز خاک پر گرنے نہ دے
 گراں ہو مرے جی پہ بارگریاں
 نہ رکھ چشم و نافذرت تباں سے
 تیرے غناک جد مرزاے کو سر کرتے ہیں
 گئے وہ دن کہ پکسارتے یاں دریا تھے
 دل سے کہا سناں نے کہ سینے میں یلں رہوں
 یا حکم ذبح کیجیے یاد تیجیے نجات
 قدرت بہ زیر خاک بھی آرام کب لے
 مرجب آتش دوری کہ جلایا ایسا
 تم نے تو منہ چھپایا اُس زلف عنبریں میں
 میں رکھا ہوں ابرو کماں کے نشان کو
 اڑائی ز بس خاک ماتم میں دل کے
 پریشاں خاطر طر کو اور دو نامت پریشاں
 بولومت جہول سے تازا ناز بسکہ پیرا ہوں
 شب تاریک سہجراں ہم سے کتنی کس طرح قدرت
 مانہ ہو سنگ حوادث سے زیاں شیشے کو
 دم جلی بخش کی اس کے جوڑی ہو یہ دھوم
 دل گم گشتہ خبر دار کہ یاں سینے میں
 اشک اب آنے سنی کچھ تھم رہے
 اب تو اس منزل سے نہیں اٹھتے قدم
 ہماری خاک پر کھتی یہ بسیل بے قرار آئی

بھر لے اے قدرت تو ان لعل و گہرے آستیں
 کروں گا جدا تار تار گریباں
 وفا کو یہ بہت کم جانتے ہیں
 ایک عالم کے تئیں ز میوز بر کرتے ہیں
 اب بعد خون جگر چشم کو تر کرتے ہیں
 ناوک یہ پوچھتا ہوں بھلا میں کہاں رہوں
 تاکے شگنچ داموں میں نا توں رہوں
 یہ درد و داغ ساتھ ہی میر جہاں رہوں
 جل بجھے سر سے لے پاؤں تلک اور دودھیں
 یہ شام غم ہماری اب کس طرح سحر ہو
 ہٹا چھڑے موت مرے استخوال کو
 کیا ہم نے آخر ز میں آسماں کو
 نہ چھڑے مجھیش باد صبا زلف پریشاں کو
 گر کہاں ڈھونڈے ہو دامن کاوردن کر یا کو
 اگر دشمن نہ کرتے ہم جبر لغ داغ خراں کو
 کوہ دامانی میں رکھتا ہوں نہاں شیشے کو
 لب عیسیٰ نے مگر تیری زباں چوسا ہے
 تیرا یاد سدا رہے جا سوسا ہے
 لخت دل مژگاں پہ شاید جم رہے
 ہر باں آگے چلو غم ہم رہے
 اے کس نیند تو اب دے اٹھ بھلا آئی

جز داغ تدارک نہیں اس داغ جگر کا
 پہلے کو اگر داغ سے چھائی کے چھڑاؤں
 سینے کو دیکھ اس سول سوزاں کے داغ داغ
 چل بے دنیا سے بن دیکھے ترا دیدار حیف
 زخم پہونے نہ پائی رہ دل ناکام تک
 صبح کے ہوتے ہی ہلوے جس کی یہ حالت تباہ
 ہم نہ کہتے تھے کہ قدرت مست چین کی راہ چل
 زنگ کچھ کے کچھ بدلنا ہو مرا بیتاب دل
 جیوں نقش قدم ہیں تے وہ خاک نشیں ہم
 نسبت ہو ہماری تری جیوں سایہ و خورشید
 داغ تیرا یوں جھلکتا ہو دلِ مایوس میں
 چین دیتا ہی نہیں یہ دل ناکام کہیں
 جب گرے تیری نظر سے کوئی ہم جیتے ہیں
 تم نسیم سحری ہم ہیں گلِ نر مردہ
 اشک گل گوں سکے ہو گل بہار آستیں
 افک کو بخت جگر نے نصرت آنے کی نہ دی
 گل ذرا آنکھیں ہوئی تھیں تم کہ قدرت آج تک
 دست چالاک جنوں تو نہ رہے گاہے کار
 ناسوے قبلہ ابرہ کوئی سجدہ ہو قبول
 شب کو میں دھو تا ہوں سو خون جگر سے آستیں
 تہذ اشکیں ہو میر دل کی لے حزرگان تر

آتش کے جلے کو نہ کرے یہ مگر آتفس
 خاشاک کے پہلو میں چھپے آن کر آتفس
 جلتی ہو شمع رنک سے ہو گا چراغ داغ
 لے چلے حسرت بھرا یاں سے دل افکار حیف
 حیف ہو بچا ہی نہ اپنا کار شوق انجام تک
 آہ وہ بیمار بھر جیوے کا کہو کر شام تک
 لے گئی آخر ہوا اے گل شکستہ دام تک
 ہو گھڑی آتش کا پر کا لہ گھڑی سیاہ ل
 ماہٹ نہ چکیں آپ سے جمعہ میں نہ زمیں ہم
 جس جانیں تو ہم ہیں جہاں تو ہو نہیں ہم
 جس طرح ہو شمع روشن پردہ فانوس میں
 بعد مرنے کے مگر ہو مجھے آرام کہیں
 کشتہ تیغ تغافل ترے کم جیتے ہیں
 گرا دھر آئیے دھڑا دم جیتے ہیں
 ہو گیا شل رگ گل تار تار آستیں
 ہو دو چار چشم چشم انتظار آستیں
 ہاتھ کو در پٹیں ہو کار فشار آستیں
 پھر گریباں تری خاطر میں دفن کرتا ہوں
 ہر سحر خون جگر سے میں وضو کرتا ہوں
 صبح خون آلودہ ہو پھر چشم تر سے آستیں
 ڈوب جاؤ اس اُدھر سے اور دھڑا آستیں

جنگل کو اس لیے بھاگا ہی غول کے جاں اپنا
 عزیز دل باغ میں ہر چند آج آتش بستی ہو
 نہ شیریں گایا کچھ اور خسو کا نہ کچھ بگڑا
 قلندر باغ میں جا بھالے کب خوش آتا ہو
 جس نے تجھے لگا نا سکھلا دیا مسی کا
 زابہ ہوا ہو طالب غلماں تصویر میں
 منصب جنوں کا رکھتے ہیں زلفا کے دام میں
 بیل عبث قفس میں تو فریاد کیا کرے
 مقدور میں زیادہ چلا نہیں کسی کا نور
 کہاں آتا ہو رحم اس کو ستم کا جو فرحانے
 مل کر کے چاندنی سے منہ پڑی پری کی
 قدر دہلوی نامش محمد قدر بہ عہد سلطنت محمد شاہ غفران پناہ از نام و رنگ

درگزشتہ دل بہ بے قدری و ہرزہ گردی بست وے است

آج آئے ہو تو ہ جاؤ سخن رات کی رات
 لیلۃ القدر سے بہتر ہو ملاقات کی رات
 بحث تو بکسی پر اپنی کیوں ہر وقت روتا ہو
 نہ کر اب غم دو انے عشق میں سیما ہی ملتا ہو
 قلندر نامش لالہ بدھ سنگھ سبب عشق زن فاحشہ از دین خود برگشتہ

بہ آوارگی بسری برد از گفتار پریشاں دوست

قلندر وقت مرنے کے جو یا آیا تو کیا حاصل
 جو اتنی عمر گزری تھی تو یہ بھی دم گزر جاتا

رباعی

جی میں جو قلندر کے کبھی آوے گا
 دل اپنے کو چین تجھ سے بجا لے گا
 یہ روز کا تیرا چیں برا برو رہنا
 سب طاق اوپر دھرا ہی رہ جاوے گا

قاصد شتاب جا کے خبر لا تو یار کی
 دلا خذر کہ وہ قاتل یہ پوچھتا تھا آج
 ہوں بدوانا مجھ پہ دار و گیر سیل اشک ہے
 سینہ اس کا ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے
 لخت دل کوک مرثد پر نہ سمجھ لے جہم
 شرح اس کی نہ کی جدائی کی
 مرگ تیرا ہی آسرا ہے گکا
 اپنے سے ترک کوے یار ہو سکے یہ نہ ہو سکے
 چشم جو عین وصل میں رہتی ہی تشنہ جل
 شام سے دل کا داغ جلتا ہے
 آہ کس کا حشر کباب ہوا
 لب تر نہ کرے آب خضر سے کبھی یہ صید
 وابستہ ام اپنے ہی کا سب کون و مکاں ہے
 ممکن نہیں بے نالہ نفس لب تلک آوے
 کریں آہ ہم تو ہنر آزمائی
 نیک می مری آہ پہلے قدم میں
 بس کہ گرم فنا ہیں مثل حباب
 بس کہ اٹھتے ہیں جگر سے شعلے
 کس کا نامہ ہے کبوتر تجھ پاس

حالت ہنٹ بری ہے دل بے قرار کی
 یہ کون ہے جو ادھر بار بار گزرے ہو
 بانوں سے گردن تلک زنجیر سیل اشک ہے
 تیر بیداد جدھر رو کرے گھر اس کا ہے
 تخم غم دل میں جو بویا یہ ثمر اس کا ہے
 آہ نے آہ نارسائی کی
 زندگی نے تو بے دفائی کی
 ایسے مقام سے کنار ہو سکے یہ نہ ہو سکے
 ہجر میں اُن سے انتظار ہو سکے نہ ہو سکے
 صبح تک یہ چراغ جلتا ہے
 جس کی بوسے داغ جلتا ہے
 جز قطرہ پیکال کہ گرے بھر کہاں سے
 پیالے وہ مثل ہو گئی کہ جی ہو تو جہاں ہے
 جیوں نہرا جو دم ہے سو مر ہوں فغاں ہے
 تو تیغ آزمایا ہم جگر آزمائی
 میں قوت تری لے اثر آزمائی
 دوش ہی پر کھن ہمارا ہے
 مشتعل ہیں مرے گھر سے شعلے
 کہ جھڑپیں ہیں تپے پر سے شعلے

قلندر را شمش غلام قلندر را شکر در مرزا منظر جان جال متوطن دہلی است۔ رعایت

ایہام اکثر منظوم دلدرد و طرز گفتگویش اکثر بطور قدماست۔ وے راست

صحنِ محراب کو سدا اشک سے رکھنا چھڑکا
 دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا
 میں دو آنہ ہوں لے قائم تری مرزائی کا
 آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
 زلفِ دیکھی تھی کس کی خواب میں رات
 اب تو خالی سی کچھ لگے ہی بغل
 ایک درجہ خفگی آئی تو جھگڑا لیا ہی
 بھلائے ابرِ مرزگاں اب تو بس کہ
 بہارِ عمر ہی قائم کوئی دن
 کیوں کیا مجھ کو تو صبا دگر قمارِ قفس
 رخصت ہوتے ہی مر گئے ہم
 جب سوج پراپنی آگئی چشم
 جیوں شمعِ دم صبح یہاں سے سفری ہوں
 نہ دل بھلا رہی نہ اب نم رہا ہی آنکھوں میں
 میں مریکھا ہوں پہ تیرے ہی دیکھنے کے لیے
 ہمارے دردِ دل کے تئیں یہ کب بیدار ہو جائے
 آئے خزاں جن کی طرف گریں رو کروں
 نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتے ہی جڑیاں
 راہ کے بیچ جو رکھتا ہوں اُسے گھیر کھو
 دل تو کے سنے سے سمجھتا بھی ہی کوئی
 یار کیوں کہتے ہو بے فائدہ مجھ سے جاؤ

میں دو آنہ ہوں لے قائم تری مرزائی کا
 آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
 یہ ستم تو سہا نہیں جاتا
 کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
 تاحرہم تھے بیچ و تاب میں رات
 دل گرا شاید اضطراب میں رات
 تجھ کو بندے ہیں بہت تجھ کو خریدار بہت
 ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر
 ایسے جیوں گل پائے کا ٹھہر کر
 میں نہ شایستہ بسبل نہ سزاوارِ قفس
 اُدھر گئے تم ادھر گئے ہم
 دریا دریا بہا گئی چشم
 ہمک منتظر جنبشِ بادِ سحر ہی ہوں
 کبھی روئے تھے سوخوں ہم رہا ہی آنکھوں میں
 حبابِ وارنک دم رہا ہی آنکھوں میں
 ہم اپنے جی سے عاجز ہیں انھوں کو بخش دے
 غنچہ کروں گلوں کو صبا گریں بو کروں
 یکایک کھل گئیں دونوں طرف دل کی گلیاں
 ہنس کے کہتا ہی کہ اب چھوڑ مجھے پھیر کھو
 جو کچھ کہو سودیدہ خانہ خراب کو
 جتنی کہتے ہو مجھے اتنی اُسے سمجھاؤ

قربان ہنس میر جیون نوجوانے بد از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا - در فرقه
 رہا بیان معاش می نمود - گویند در فیض آباد میان فوج انگریزی افتاد - از بدعت آن
 قوم غیر از جان دادن چارہ ندیدہ بہ دلاوری کشتہ شدی راست
 کیا کچھ دل بمیل پکڑے دیکھے یہ عشق سوچاک دیے جن نے گریبان میں گل کے
 قناعت لاہوری - آتش مرزا محمد بیگ ولد حسن بیگ شاگرد مرزا جعفر علی
 حسرت در کفنہ مقیم است - از دوست

درد سیراں اب رہا پیارے ستارے مجھے کیا خوشی حاصل ہوئی ہی تیرے آنے سے مجھے
 زیت اب مجھ جاں لب کی سب کو لگتی ہی بری فائدہ یہ کچھ ہوا ہی دل لگانے سے مجھے
 قایم آتش شیخ محمد قایم موطن و مکناش چاند پور ند بہ از وطن سفر گزیدہ وارد
 دہلی گشت و شاگردی خواجہ میر درد اختیار نمود - بہرہ وافی در سخن سنجی از ایشان برداشت
 و بالآخرا ب صحبت مرزا رفیع سودا نیز مستفید شد - اشعارش مدون و مثنویات متعدد در
 سبک نظم کشیدہ - بل خوش ذراے شیریں مقالیت از زمزمہ ہائے دوست

عہدے سے اس صنم کے برآیا نہ جائے گا	یہ ناز ہی تو ہم سے اٹھایا نہ جائے گا
ہم نے ہر طرح سے ہجر میں دل شاد کیا	بچکی گر آئی تو سمجھے کہ ہمیں یاد کیا
کہاں ہی شیشہ عجب خدا سے ڈر	مری بخل میں جھلکتا ہی آبلہ دل کا
خسر کے ساتھ ذوق سے شیریں کو کرکاش	تجھ تھاتیری جھپاتی پہ سو کوہ کن گیس
رد و لگا زیر سایہ دیوار بیٹھ کر	جس دن تری گلی میں کبھی داؤ بن گیا
وہ نہیں ہیں کہ تک اک غصے سے ٹل جاؤں گا	ہنس کے اک بات کہو گے تو ہل جاؤں گا
ہنم نہیں کچھ تو قریب تو شب باشی کی	آج کر نشے کا حیلہ میں بھل جاؤں گا
لطف چاہے ہی جو تو اس بت ہر جاؤں گا	یہ پریشاں نظری جرم ہی مینائی کا
خار کو تنگ ہی مجھ نام سے سجانا اللہ	کام پہونچا ہی یہاں تک مری رسوائی کا

تیغ چڑھ اس کی سان پر آئی
 دیکھیے کس کی جان پر آئی
 وال کا ہے کو رہیے کہ جاں بے مرگی ہو
 لے جی تو کل جلد کہ دل میں خفسی ہو
 دس طرف وہ نگاہ لڑتی ہو
 کبھی ایدھر بھی آن پڑتی ہو
 زور بستی تھی دل بھی لیکن جیت
 بے رئیس ان دونوں لڑتی ہو
 کس کی مرگیاں پھر کہ توک نفس
 بھانسی سی کچھ جگر میں لڑتی ہو
 کھول ایک زلف کو کہ سنبل آج
 اپنی خوبی پہ حد لڑتی ہو
 کیا ہی کھڑا ہے وہ جس کے حضور
 قائم آیا ہو پھر وہ بن ٹھن کر
 پہلے ہی سو جیتی تھی ہیں لے شب فراق
 نہ لگا دل کو اُس کی مرگیاں سے
 اٹھا دے ستم یا جفا کیا کرے
 یارب کوئی اس چشم کا بیمار نہ ہوئے
 مرز کوئی احوال کیا جانتا ہو
 جو کرے ہو مجھ پر خدا جانتا ہو

قرین امش شیخ برکت اللہ و مخاطب بہ علی نور خاں از منصب داران محمد
 شاہی است۔ با فقیر البطلہ اتحاد دوستی دارد و بالفعل در بلدہ محمد آباد بنارس
 استقامت داشت یگانہ فکرے می کند۔ اور است
 مے سینے سے تیر عشق جاسکتا ہو کیا قدرت کوئی لالے کدل دے داغ اٹھا سکتا ہو کیا قد
 کیا ہو امید مرے جینے میں زخم جب چاک ہو اُسینے میں
 صورت اپنی کو نہ دیکھ لے ظالم آگ لگ جائے گی آئینے میں

حرف الکاف

کلیقم دہلوی نامش شیخ محمد حسین از سخنوران خوش بیان فصیح لسان است۔

کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھ کو
 دل مرا چین یہ کہتا ہے وہ دلبہ قائم
 جی کی چھلپیں تھیں جو کچھ سو تو گئیں یار کے ساتھ
 میں دوانا ہوں سدا کا مجھے مت قید کر دو
 کیا ہے کہ دل اس دلف سے ہرگز نہ بھرا یا
 دہن کو تیرے پایا بات کہتے
 مردن دشوار میں یہ جان بے تقصیر ہے
 قتل سے میرے بھلا تو بھی ہوا کچھ مفعل
 مر جائے کسی سے پرالفت نہ کیجیے
 پاس میں تجھ غم کے میل اپنی بھی غم خواری نہ کی
 دم بہ دم اس بخش بے جا کو کیا کہتے ہیں شعور
 دل مرادیکہ دیکھ جلتا ہے
 گندمی رنگ جو ہے دنیا میں
 ہم نشیں ذکر یاد کر کچھ آج
 گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے
 مرا جی تجھ کو گو پیارا نہیں ہے
 بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قائم
 از واد اکیں کہیں عجز و نیاز ہے
 کم فرصتی پہ اپنی نہ روؤں تو کیا کروں
 قائم کرے ہے اس سے تو انداز بوسہ آہ
 چیں جو ہیں تو ہوتا ہوا شام کے کھینچتے

نیٹ بہ تنگ کیا تو نے لے میاں مجھ کو
 جی جہاں چاہے تمھارا مری فریاد کر دو
 سر ٹکیتا ہی رہا اب درود یار کے ساتھ
 جی نکل جاوے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ
 تھی شرط مجھے اس سے تو اک رات بسے کی
 ہماری جُڑ سی میں کیا سخن ہے
 حسرتِ دل سو طرف سے اس کے دامن گیر ہے
 غرق آب شرم میں اب تک دمِ شمشیر ہے
 جی دیجیے تو دیجیے پر دل نہ دیجیے
 جان دے گزرا بیٹھا ہر دل کی بیماری نہ کی
 دل دیا تجھ کو تو میں نے کچھ گنگاری نہ کی
 شمع کا کس پر دل پگھلتا ہے
 سیری چھاتی پہ منگ دلتا ہے
 ایسی باتوں سے جی بہلتا ہے
 کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے
 پر اتنا بھی تو ناکار انہیں ہے
 تجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے
 کس کس طرح سے یاد مرا جلوہ ساز ہے
 صد حیف رات تھوڑی ہے قصہ دراز ہے
 لے بے شعور کچھ بھی تجھے امتیاز ہے
 حیف اس پر جی کی جان ہر اک تار ساز ہے

بات اس کی زباں پر آئی پھر خرابی جان پر آئی
 پیر کیوں ہو گیا ہو اتنا کلیم کیا بلا اس جوان پر آئی
 اُس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا جا ہے اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا جا ہے
 عرق ہو منہ پر ترے یا گلاب ٹپکے ہو عجب ہو مجھ کو کہ شعلے سے آب ٹپکے ہو
 تجھے میں آنکھوں میں کیونکر دکھوں کہ ہو رستا پھر ایسا گھر کہ یہ خانہ خواب ٹپکے ہو
 غور حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے غرض تم سن چکے فریاد ہم فریاد کو پہنچے

رباعی

گل رو تو جن میں اچلی سے نہ گیا یہ دل بھی کلی کی بے کلی سے نہ گیا
 جو کوئی گیا چھوڑ گیا دل کو یہاں دل سے تو کوئی تیری کلی سے نہ گیا
 شاہ کا کل دہلوی معاصر نجم الدین آبرو تکیہ در چوک سدا نشہ خال داشت و
 بہ طرز لباس فقری گزرا نیدہ اور است

جب اٹھ چلا بغل سے تو پوچھا ملے گا کب سا کل کو منہ پہ کھول بتایا کہ شب تک
 قافلے کتنے گئے کوئی نہ سمجھا کیا ہو شور سے کتنی رہی بانگ دہرا کیا کیا کچھ
 کافر دہلوی اشش میر علی نقی - ہر شعر کے کہ بہ خاطر شہی سیدی گفت کہ اس ٹپکے
 است لہذا مشہور بہ کافر ٹپکے - شدہ اوراق حینما از اشعار او دیدہ شدہ از کافرا جرائی اوست
 حسرت ان تہوں کے دل پر کہ دور میں ہیں مٹی کی مورتیں ہیں کافر یہ صورتیں ہیں
 کس کس طرح تہوں کی صورت نے رنگ پکڑے کافران آنکھوں نے دیکھے ہیں کیا بھکڑے

حرف گاف

گر یاں دہلوی اشش میر علی امجد ولد میر علی از شاگردان شاہ قدرت اللہ
 قدرت اسفا و از میر ضیاءم فائدہ در سخن برداشتہ اور است
 بکے وحی یہ پروانے کی جی کو داغ کرتی ہو کہ دوش شمع پر رکھنا نہیں بار کھن اپنا

رسالہ اسے در عرض و قافیہ و مخصوص الحکم بہ زبان رنخہ تصنیف و ترجمہ نمودہ و با سخن
سنجان عہد احمد شاہ بادشاہ بہر زبان بودہ۔ در دہلی حلت کرد صاحب دیوان است۔
از گویائی اوست۔

جب گل کی طرح جھانک گریبان میں دیکھا
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسی کو سونپا
ترے ہی سر پہ لے فرما د جو ہوا سوا ہوا
کیونہ جان پھیر کہ سہ جی چھپا گیا
اپنے دلوں کو جتنا میں رونا تھا رو چکا
۷ دن گئے کلیم جو یہ شیشہ رنگ تھا
لے دل سمجھ کے جانا کہ ہر راہ از پیچ
رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفت از ہوز
گر جڑا ٹوٹ آسماں اے دل
اُس پل سے بھی بس گزر گئے ہم
یاں مارے ادب کے مر گئے ہم

ہزاروں ہو گئے غارت تو ایک دو معلوم
بھی سے پوچھ کہ کاٹی ہو رات آنکھوں میں
تجھ سستی محل پر بلوئی کیا کیا خرابی باغ میں
لے گئی باہیا خوشبو کی بھر بھر چھو لیاں
لے گئے دل گھیر لیے دامن اونچی چولیاں
یہی کہ بخش دے اور مجھ سے کچھ گناہ نہ پوچھ
جاتا ہوں میں گلشن سے بلبل نہ ہوا زردہ

سورۃ ضہٰ رضواں کو میں اک آن میں دیکھا
قبر میں بھی لیے ہمراہ گیا اپنے کلیم
نہ کچھ بُرا ہوا پر دیر کا نہ شیریں کا
سر بھی ہر تیغ بھی ہر لگانا ہی تو لگا
لے شمع تیری باری ہر شب کو کہ نام تک
آئی ہو دل پھقل مینا سے اب شکست
رکھا ہو زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ
ہو چکا حشر گئی دوزخ و جنت کو خست
پوچھ مت غم کی داستان اے دل
بیری کی بھی سیر کر گئے ہم
وال غصے ہوئے قیب پر تم

طریق عشق میں مجنوں دکوہ کن کی نہ پوچھ
درازمی شب بجران و زلف یار کلیم
رنگ اڑا مر جھا گیا اور گر جڑا شرمندہ ہو
صبح دم گلشن میں صاحب تم نے زلفیں کھولیاں
جامہ زیبایاں اس زمانے کے پٹھیلو ہیں
تری جناب میں آیا ہوں یا الہ نہ پوچھ
کوئی گل کا نہیں عاشق یہ داغ مجھے بس ہر

حرف المیم

میر محمد تقی تخلص بہ تمیز شاگرد سراج الدین علی خان آرزو وطنش اکبر آباد و
نشو و نما در دار الخلافت شاہجان آباد یافتہ۔ ذکا و ذہن و علو فطرت و درستی نظم و
صفائے فکر از کلام دل نشین مبرہن و ہدیہ است۔ الحق درین زمان سر آمد رختہ
گویان می توان شمرد۔ از اقسام فنون سخن گستری در غزل گوئی بے مثل واحدے را مجال
نبست کہ دم از ہمسری او تواند زد۔ ہر فرد غزلش کہ در شوخی و رعنائی برجستہ تر از
غزالان ختن است محراب دہائے شکار بان نچر معانی را چراگاہ خود ساختہ بسوی
شد کہ در شاہجان آباد تا حالت تحریر این گلشن سخن کہ سن یک ہزار و یکصد و نو دو
چہار ہجریست سلامت استقامت دارد۔ تذکرہ مختصر مشتمل بر احوال و انتخاب شمار
رختہ گویان تالیف نمودہ۔ دیوان فصاحت میناش چہار پنج ہزار بیت و این ابیات
زبدہ آست

دل ستم زدہ کو ہم نے تمام تھام لیا	ہمارے آگے ترا جب کسوں نے ہام لیا
لو ہو آتا ہی جب نہیں آتا	اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
اس باد نے ہیں تو دیسا بکھا دیا	آہ سحر نے سحرش دل کو مٹا دیا
دو نول کو معرکے میں گلے سے ملا دیا	تھی لاکھ لاکھ کی تیغ کی ہم کو خوشی ملی
ہم نے بھی ایک دم میں تماشہ لکھا دیا	ان نے تو تیغ کھینچی تھی پل جلا کر
جو فتنہ کہ دنیا میں برپا نہ ہوا ہوگا	آنکھوں سے تری ہم کو ہر چشم کاب ہوگا
پھر ان دنوں میں دیدہ و خوبا نہ ہوگا	سمجھ تھے تیر ہم کہ یہ ناسور کم ہوگا
یہ کس اجل رسیدہ کے گھر پر ستم ہوگا	تلوار کس کے خون میں سر ڈوب ہی تری
مجنوں بھی اس کی لہریں مدت بہا پھرا	صحرا میں سیل اشک مرا جا بجا پھرا

۲۰۴
 سنہ قصہ مرا کہ ہو کوئی درد و محنت کا
 نہ لیے زندگی بھر نام پھر سرگز محبت کا
 دیکھے توجہ سے نگاہ بھر کر
 مر جاؤں اُدھر وہ آہ بھر کر
 گمان دہلوی ناش نظر علی خاں از یاران اشرف علی خاں فغان است -

اکنون در فیض آبادی گزارد - اور است
 جس دم توجہ سے آکے ہم آغوش ہو گیا
 غم دو جہاں کد ل سے فراموش ہو گیا
 واسطے جس کے سبھی مجھ کو بُرا کہتے ہیں
 وہ جو سنتا ہی تو کہتا ہی بھلا کہتے ہیں
 دیکھتا ہوں جہاں بناں کو میں
 دور ہی سے سلام کرتا ہوں
 مر جاؤں کر کے تو اپنی زباں سے مجھ کو
 خاطر عزیز تیری ہی اپنی جاں سے مجھ کو
 گرفتار احوال معلوم نشد - این بیت از دوست
 ہجرت سے میں لے جان نہیں جینے کا
 نزع میں چھوڑ کے بیمار کہاں جاتا ہی

حرف اللام

لسان اشرف میر کلیم اللہ عبدالحمید شاہ بادشاہ دراجتدائے شوق سخن از دنیا
 درگذشت - از دوست

جدا ہو مجھ سے مرا یاد یہ خدا نہ کرے
 خدا کسی کے تئیں یاد سے جدا نہ کرے
 توجہ تلک کرے انکار وعدہ مجھ سے سخن
 غضب ہی عمر اگر تب تلک دفنانہ کرے
 سخن جو تجھ سے ہوا آشنا تو جوئے کیا
 خدا کو کے تئیں تجھ سے آشنا نہ کرے
 گناہ مرنے میں لسان کے چارہ گر کا نہیں
 طیب کیا کرے تاثیر جو دوانہ کرے
 لطفی دکھنی از شعرای قدیم است - دے راست
 میں عشق کی گلی میں گھائل پڑا ہوں تس پر
 جو بن کا ہانا کر مجھ کو کھندل گیا ہی

دہشت و ہلاکت دہشت بے لنگ
 گھل کی جفا بھی دیکھی دیکھی دغاے بلبل
 کرتے نہیں ہیں مدھی ستی لک کا پاک ہم
 حذر کر آؤ دل تشنگاں بلا ہے گرم
 کھلے ہو جس حسن کسی کاروان میں
 دل نذر ویدہ پیش کش لے بانٹ حیا
 پھاڑا ہزار جا سے گریبان صبر میر
 دم آخر ہو بیٹھ جامت جا
 اس کے کوچے سے جو اٹھ ابل دغا جاتے ہیں
 متصل روتے ہی رہتے تو بجھے آتش دل
 رکھا کر ہاتھ دل پر آہ کر کے
 کوئی نہیں جہاں میں جو اندھ گئیں نہیں
 یہ مدد کہہ کے اس کے کہوں دل نقیب کہیں
 سخت سہ تو دیکھ کہ ہم خاک میں ملیں
 صبر و طاقت کو کہ دھول و خوشی کا غم کرو
 دیکھی نہیں ایک رنڈی مست، کھڑیاں
 جب مدد کا کہنا میں دل میں نہاں ہوں
 شاید کھل ہی آوے دل گرم جو ہو گیا ہو
 تری زلف سے کی یادیں آسو چمکتے ہیں
 لپٹے ہیں سانس بدل ہم جوں تلمیچے ہیں
 سینہ سپر کیا تھا جن کے لیے بلا کا

ہاتھ پیچا نہ پائے قاتل تک
 اک مشت نہ پڑے تھے گلشن میں جاے بلبل
 تنہا اپنے کب کے ہوئے ہیں پاک ہم
 ہیضہ آگ ہی برسے ہو اندھما، گرم
 یہ وہ نہیں متاع کہ ہو ہر دکاں میں
 سچ کہہ کر ہی گئے ہو تر کس مکان میں
 کیا کہ گئی نسیم سحر گل کے کان میں
 صبر کر ملک کہ ہم بھی چلتے ہیں
 ناظر کام کرے رو ہنفا جاتے ہیں
 ملک مدد آسو تو ادا لگ لگا جاتے ہیں
 کہ رہتا نہیں چورغ ایسی پلٹیں
 اس غم کہ میں آہ دل نوش کیس نہیں
 کتا ہوں جس طرح سے کہے ہو نہیں نہیں
 اور جاے سر نہ ہو تری چشم سیلہ میں
 اس میں ترس ہوں کہ ایک کر کہ میں غم کروں
 اگر ڈائیلا ہی آتی ہیں لب لبک خار میں
 کتنا ہو بن سنے ہی میں خوب جانتا ہوں
 اس کی گلی میں شجھا میں خاک مہانتا ہوں
 اندھیری رات ہو برسات کی جگنو دکتے ہیں
 اس دل گرفتگی سے آوار کھینچے ہیں
 وہ بات بات میں اب تلوار کھینچے ہیں

جی میں ہی یاد رخ و زلف سیہ فام بہت
 پھر نہ آئے جو پوسے خاک میں جا آسودہ
 دعویٰ خوش دہی اس سے اسی منہ پر گُل
 یہ عشق بے اہل کش ہو بس لے دل تو کل کر
 نہ وعدہ تیرے آنے کا نہ کچھ امید طالع سے
 غیروں سے لے اٹا ہے ہم سے چھپا چھپا کر
 ہر گام سدا رہ تھی بت خانے کی محبت
 بچیر گہ میں تجھ سے جو نیم کثرت پہو ما
 میں منہ سیر تجھ کو کرتا نہ تھا ہمیشہ
 کر دم تک کب تک ستم مجھ پر جفا کا اس قدر
 بھاگے مری صورت سے وہ میں عاشق اس کی شکل کو
 قیامت تھا سال اس خشکیں پر
 کلام آنے کا نہیں ایک بھی یاد آخر کار
 مشت خاک اپنی جو بال ہر خیال س پر نہ جا
 مجھ کو پوچھا بھی نہ یہ کون ہو غناک ہنوز
 بعد مرنے کے بھی آرام نہیں سیر نیچے
 یوں گونا گونا ہو دل کوئی مجھ کو
 کن نے لیا ہو تم سے چٹکا کہ داد دو
 تیرے گم کردہ جن زمزمہ پرداز ہو ایک
 ناتوانی سے نہیں بال فشانے کا داغ
 گوش کو ہوش سے مکھول کے سُن شور جہاں

مذا آتا ہو مجھے ہر بحر و شام بہت
 غالب زریزہ میں میر ہو آرام بہت
 سر تو کٹا لے دیکھ لے گریباں کے بیچ
 اگر یہ جان جاتی ہو جلی بسکے تغافل کر
 دل بے تاب کو کس رو سے کہیے تک تحمل کر
 پھر دیکھتے ہو اید میرا نکلیں ملا کر
 کہیے تک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر
 حسرت نے اس کو بار آخر رٹاٹا کر
 کھوئی نہ جان تو نے دل کو لگا لگا کر
 اک سینہ خنجر سیکڑوں اک جان و آزار اس قدر
 بس اس کا خواہاں باں ملک مجھ سے سزا اس قدر
 کہ تواریں جلیں ابر کی جلیں یہ
 ہاتھ سے جاے گا سر شستہ کار آخر کار
 سر کو کھینچے گا خاک تک یہ غبار آخر کار
 ہو چکا حشر میں روتا ہوں تہ خاک ہنوز
 اس کے کوچے میں ہو بال مری خاک ہنوز
 یہی آتا ہو بار بار افسوس
 ملک کاں ہی دکھا کر و سر یاد کی طرت
 جس کی لے دام سے تا گوش گل آواز ہو ایک
 ورنہ تا باغ قفس سے مری پرواز ہو ایک
 سبکی آواز کے پرے میں سخن ساز ہو ایک

دل پر ہوا جواہ کے مدے سے ہو چکا
 عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہی
 دل ہوا ہر طرف محبت کا
 آرام ہو چکا مرے جسم نزار کو
 ہوش و صبر و خرد و دین و حواسِ دل و تاب
 وقتِ قتل آرزو سے دل جو گئے پوچھنے لوگ
 خواہ مارا انھوں نے تیر کو خواہ آپ مورا
 اُس کی طرزِ تنکاہ مت پوچھو
 نگرِ خارِ دامِ زلف اس کا
 فرست نہیں تک بھی کہیں غنظرِ آب کو
 گزرے ہر شب خیال میں خواب کے جاگتے
 خط آگیا پہ اس کا قتل نہ کم ہوا
 اب تو نقابِ سہم پہ لے ظالمِ شب ہوئی
 کہنے سے تیرا درد بھی ہوتا ہی مضرب
 نہ کر پندِ نا صبح بہت نا توں بول
 لطف کیا آرزو ہو کر آپ سے ملنے کے بیچ
 سوزِ ظلم کے رہتے ہیں سزاوار ہمیشہ
 دل گیا صبر گیا جی بچہ اگبا ہوش گیا
 مجھ کو مارا بھلا کیا تو نے
 دلِ غ فراق و حسرت و صل آرزو سے دید
 کل بارے میں سے ہم سے ملاقات ہو گئی

ڈرتا ہوں یکساں کہیں نہ کرے جگر نہ ہو
 آہ تم بھی تو اک نظر دیکھو
 قطرہ خون کا جگر دیکھو
 رکھے خدا جہاں میں دل بے قرار کو
 اُس کی اک آن میں کیا کیا نہ گستاخ پوچھو
 میں انارت کی ادھر اُن نے کہا مت پوچھو
 جانے دیا رو جو ہوتا تھا ہوا مت پوچھو
 جی ہی جانے ہر آہ مت پوچھو
 ہر ہی روسیہ ہوا مت پوچھو
 کیا آفت آگئی مرے اس دل کی تاب کو
 تم کہیں نگاہِ کسان سے نہیں سوں ہوں خواب کو
 قاصدِ مرا خراب پھرے ہر جواب کو
 نذرِ مندہ مارے دن تو کیا آفتاب کو
 سمجھاؤں کب تک اس دینِ خانہ خراب کو
 کہاں بات اٹھانے کی طاقت ہو مجھ کو
 کچھ تری جانب جب تک مدد خواہی بھی نہ ہو
 ہم بے گنہ اس کے ہیں گنہگار ہمیشہ
 شغل میں غم کے غم سے گیا کیا کیا کچھ
 بردنا کا بُرا کیا تو نے
 کیا کیا لے گئے ترے عاشقِ جہان سے
 دود و دُکھ کے ہونے میں اک بات ہو گئی

منصور کی حقیقت تم نے سنی ہی ہوگی
 کہ اور اشک ہی سدا ہی یہاں
 گو کہ دور سے وہ نہ دلوے رو
 کئے عدم سے ہستی میں سب پر نہیں قرار
 ہم تو ہوئے تھے تیرے مٹس دن ہی نا امید
 صد مٹناے یار رکھتے ہیں
 غیر ہی مورد عنایت ہی
 گداز جان سے اور ڈر کچھ نہیں
 کمر تیرا اس کی رگ جان ہی
 ہم کچھ بچو تیغ تو غیر دل کو لگ گئے نہ دو
 جو ترے لب سے کام رکھتے ہیں
 تجھے بھی یوں تو اپنا یار ہم ہر بار کہتے ہیں
 آتما ہی جی میں حال بہ اپنا بھلا کہوں
 اس کے کوچے میں نہ کر شور قیامت کا ذکر
 کیا جو عرض کہ دل سا شکار لایا ہوں
 کیا میں نے رو کر فشار گر یہاں
 حکم سن کہ سو برس کی ناموس فامشی کھو
 اُس تیغ دن سے کہیو تا صد مری طون سے
 از خویش زخم ہر دم رہتے ہیں ہم جو تجھ ہی
 صدمے آہ جی کے پار ہوئے تیرسی، شاید
 نالہ مرا اگر سبب شور و شہ نہ ہو

حق جو کہے ہو اس کو یہاں دار کھینچے ہیں
 روز برسات کی ہوا ہی یہاں
 آرسی کی طرح صفا ہی یہاں
 ہو ان مسافروں کا ارادہ کہاں کے تئیں
 جس دن سنا کہ ان نے دیاد لڑتال کے تئیں
 تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
 ہم بھی تم سے تو پیار رکھتے ہیں
 رہ عشق میں بھر خطر کچھ نہیں
 غرض اس سے باریکت کچھ نہیں
 وے اگر ہو دیں گے اس دیمان میں تو ہم نہیں
 یعنی کو وہ نام رکھتے ہیں
 دیکھ ہیں بہت وہ لوگ جن کو یا کہتے ہیں
 پھر آپ ہی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں
 ایسے ہنگامے تو یہاں روڈ ہوا کرتے ہیں
 کہا کہ ایسے تو میں مفت مار لایا ہوں
 رگ ابر تھا تا رتا رگر یہاں
 دو چار دل کی باتیں اب نہ پرائیاں ہیں
 اب تک بھی نیم جاں ہو گر قصدا امتحاں ہو
 کہتے ہیں لوگ اکثر اس وقت تم کہاں ہو
 کہو بیدار نہ لہینچا کہو کہ دل سے پیکان کو
 پھر مر بھی جائیے تو کسی کو خبر نہ ہو

بے طاقتی دل نے سائل ہی کیا ہم کو
پر تیر فقیروں کی بھان کون مہمانے

آہ میری زباں پر آئی
پھر بلا آسماں پر آئی

ہم بھی حاضر ہیں کھینچے شمشیر
طبع گراستخان پر آئی

جب تیرے آستان پر آئی
جب تیرے آستان پر آئی

پھر نہ اپنے مکان پر آئی
پھر نہ اپنے مکان پر آئی

جس سے عالم کی جان پر آئی
جس سے عالم کی جان پر آئی

سایہ دلوار ہوا چاہیے
سایہ دلوار ہوا چاہیے

رفتہ رفتہ دل بھول کے کل میں ملے
رفتہ رفتہ دل بھول کے کل میں ملے

ہر طرف تو ہیں گلی کوچوں میں تالے
ہر طرف تو ہیں گلی کوچوں میں تالے

نکلنے پر طرف ہے ہر جگہ ماری کو کیا جانے
نکلنے پر طرف ہے ہر جگہ ماری کو کیا جانے

یہ نہیں تھکتا ہر جگہ پر تو جاکاڑی کو کیا جانے
یہ نہیں تھکتا ہر جگہ پر تو جاکاڑی کو کیا جانے

عجزوں کو موت کیسی شتابانی سے آگئی
عجزوں کو موت کیسی شتابانی سے آگئی

دیکھ کر منہ کو ترس گئی کے قبل کان ہوئے
دیکھ کر منہ کو ترس گئی کے قبل کان ہوئے

مر جائے دے اس کو یہ آواز نہ ہوئے
مر جائے دے اس کو یہ آواز نہ ہوئے

یہ سیر سر کو جو بازار نہ ہوئے
یہ سیر سر کو جو بازار نہ ہوئے

دھن ہر نامے کو کسی محل میں یاد کرنے کی
دھن ہر نامے کو کسی محل میں یاد کرنے کی

جھکتی زہرہ کھلی مغر آج ماراں ہو
جھکتی زہرہ کھلی مغر آج ماراں ہو

تماشا رفت ہو خوب لبید راجہ اغاں ہو
تماشا رفت ہو خوب لبید راجہ اغاں ہو

اس چاندون کی زیست میں بیزار ہو گئے
اس چاندون کی زیست میں بیزار ہو گئے

خند سے جیسے بان جاتا ہو
خند سے جیسے بان جاتا ہو

ہاتھ سے یہ مکان جاتا ہو
ہاتھ سے یہ مکان جاتا ہو

آہ آسمان جاتا ہو

دل بچ جانے ہو لیکن مفت

کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شام ہجر
 کتنی خلافت وحدہ ہوا ہو گا کہ یہاں
 برقع کو اٹھا ہرے سے رہتا اگر آئی
 ہم آپ سے جلتے ہی رہے ذوقِ خبر میں
 ممکن نہیں کہ ام لے بے تابی جگر کی
 بیٹھنے کون دے ہو پھر اس کو
 خوابی کچھ نہ ہو جو ملک دل کی تم عدت کی
 گرچہ جہم عشق غیروں پر بھی ثابت تھا نے
 اک ربا خر کاں کی معن پر ایک کے کڑے ہو
 نہ جمی ہا، ی بانی نہ اب جگر رہا ہو
 اما، ی کس کو ظالم اس بے سیفگی سے
 پہناتا خنق کہیں پہنچے تک جو بولے دشمن
 ادھر سے ہر اٹھ کر جو گیا ہو
 سر بانے تیر کے کوئی نہ بولو
 گئے ہی سے چھوٹے ہاں کی جفا سے
 وہ اپنی ہی خوبی پر رہتا ہو نازاں
 عشق میں بے خوف و خطر چاہیے
 قابلِ آغوشِ ستم دیدگاں
 خطرِ تسلیم، ہو ہر اک امر میں
 خونِ قہامت کا یہی ہو کہ میر
 اب ظلم ہو اس خاطر تا غیر بھلا نے
 سوزِ نفس ہی بنائے اُسمات ہو گئی
 فویدی دامید مساوات ہو گئی
 اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے
 اب جان برب آدمہ رہ تا خبر آوے
 جب تک نہ ہلکے پر کوئی تخت جگر آوے
 جو ترے آستان سے اٹھتا ہے
 جنوں نے آج کل نیویہ بادی بھی عدلت کی
 قل کر ناخاسین ہم بھی گنہگاروں میں تھے
 دل بکراے تیر دونوں اپنے غم خواہوں میں تھے
 اک دل ستم رسیدہ یہاں دھوم کر رہا ہو
 دامنِ تمام تیرا لو ہو سے بھر رہا ہو
 کیا مارتے ہو اس کو یہ آج ہی مر رہا ہو
 ہماری خاک پر بھی رو گیا ہو
 ابھی وہ روتے روتے سو گیا ہو
 یہی بات ہم کہا پتے تھے خدا سے
 مرویا جو کوئی اس کی بلا سے
 جان کے دینے کو جسگر چاہیے
 اٹک سا پاکیزہ گہر چاہیے
 عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے
 ہم کو جیسا بار دگر چاہیے
 پس ہم نہ جرمائیں تو کون جرمائے

تلوار آپ کھینچی حاضر ہو یہاں بھی سر
 دل کو نہیں ہو چین نہ ہو خواب شب مجھے
 نے تیغ دسپر کو تو جدھر ہو
 خب خواب کا لباس ہو عریاں تنی میں یہ
 کیا کروں شرح خستہ جانی کی
 حال بد گفتنی نہیں میرا
 آہ ان خوش قاصدوں کی کونکے بر میں لائے
 ایک بوسہ پیش کی ہو صلح پہلے زود درخ
 مر گیا کہ کن اسی غم میں
 زلف سیاہی کی ہستی ہو چت چڑھی
 کس رشک گل کی باغ میں زلف سیاہی کھلی
 عمر بھر ہم رہے شرابی سے
 جی ڈبا جا ہو آج صبح سے آہ
 کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہو
 وہ دن گئے جو آٹھ پہاڑ کے پاس تھے
 ساتی گھر جاؤں اور آیا ہو
 غریب دہا کرے ہو خال سیاہ
 آج تیری گلی سے ظالم مستر
 کلی کہتی ہو اس کا سادہ بن ہو
 دکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہو
 بڑتی ہو اس کی جہنم سب جہاں
 بس عاشقی کی ہم نے جو مرنے سے ڈر گئے
 مرنا پڑا ضرور ترے غم میں اب مجھے
 خورشید کا سنہ ادھر نہ ہوٹے
 جب سوئے تو چادر مہتاب تانیے
 میں نے مرم کے زندگانی کی
 تم نے بوجھا تو مہربانی کی
 جن کے ہاتھوں سے قیامت پر بھی عرصہ تنگ ہو
 تجھ کو مجھ سے اتنی اتنی بات پر بھی جنگ ہو
 آنکھ او جھل پہاڑ او جھل ہو
 یہ تازہ میرے جی کو کہاں سے بلا لگی
 موج ہوا میں آج نہٹ بیچ دتاب ہو
 دل پرخوں کی اک گلابی سے
 مات گزے گی کس خرابی سے
 اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
 اب آگئے تو دور سے کچھ غم سنا گئے
 دے بھی نے ابر زور آیا ہو
 بے طرح گھر میں چور آیا ہو
 لوہو میں شور بوز آیا ہو
 سنا کر لیے کہ یہ بھی اک سخن ہو
 یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہو
 ایک آخو بے باں سے اٹھتا ہو

اس سخن باشنو گو کیا کہے
 غیر کی بات مان جیسا ہے
 ایک مزہ لے دم آخر مجھے فرصت دیجے
 چشم بیمار کے دیکھ آنے کی رخصت دیجے
 نہ تنہا داغ تو سینے پہ میرے یک چمن نکلے
 ہر اک تخت جگر کے ساتھ سوز خم کمن نکلے
 حرم میں تیر جناب پرستی بہر تو مائل
 خدائی ہو تو اتنا دیر میں کوئی برہمن نکلے
 ادا کھینچ سکتا ہو ہزار اس کی
 وہ تصویر کھینچے گا یہ ہم نے مانی
 یہ رات ہجر کی بیاں مک تو دکھ دکھاتی ہے
 کہ صبح شکل مری سب کو بھول جاتی ہے
 ہمارا تیر سے روشن کہ کل جیسی ہے شمع
 سر رکھوں اُس کے پاؤں پر لیسکن
 آج جس وقت سر اٹھاتی ہے
 لے شب ہجر است کہہ نجمہ کو
 چشم بدود ورجہم تر لے میر
 کر بے خبر اک نگہ سے ساتی
 تمام اس کے قدمیں سناں کی طرح ہے
 عرش پر بر جیاں چلاتی ہے
 بڑا کمن سن کے احوال میرا
 بات کوئی صبح کی بھی آتی ہے
 امید حرم ان سے سخت نافہمی ہے عاشق کو
 چشم بدود ورجہم تر لے میر
 انکھیں طوفان کو دکھاتی ہے
 صید اقلوں سے ملنے کی تدبیر کریں گے
 لیکن کسی کو خبر نہ ہووے
 غصے میں تو ہووے گی توجہ تری ایدھر
 نیکی نپٹ اُس جواں کی طرح ہے
 لیٹا ہوا دل ہوزاں کو اپنے تیر نے خط میں
 بھلا تو ہی کہہ یہ کہاں کی طرح ہے
 فراق سے نہ ادمہ دیکھے نہ تو تر پھنا
 یہ برت سنگین دلی لاپنی نہ جھڑیں گہ خدا آفے
 ہم ساری ساری رات رہے گریہ ناک ایک
 اس دل کے تپش پیش کش تیر کریں گے
 ہم ساری ساری رات رہے گریہ ناک ایک
 ہر کام میں ہم اب ترے تقصیر کریں گے
 آتش کے شعلہ پر سے ہمارے گزر گئے
 آہی نامہ ہو کہ اس کے لے جانے کا آفے
 کس آرزو پہ تیرا کوئی ٹھکا رہوے
 مانند شمع داغ جگر کو نہ دھو سکے
 بس لے تب فراق کہ گری سے مر گئے

کہ تئیں داغ دکھائے گی اسیری بچہ کو
 اپنے گھر سستی بچھو تو سنبھالے دامن
 تازہ چمن وہی ہو بلبل سے گو خزاں ہو
 تالے ہوا آج سننے ہیں ایسے جگر خراش
 وصل کی جیسے گئی ہو چھوٹا دلاری مجھے
 مرگے بلا چمن میں میرے سائے ہم صغیر
 میں گریباں پھلا تاجوں وہ سلا دنیا بچہ تیر
 ذہب میں تیرے سے بلخ میں گل کے
 چاہے روغن دیا کرے ہر عشق
 سیر کر تیرا اس چمن کی شتاب
 الم سے بچاں تئیں میں عشق ناتوانی کی
 چمن کا نام سنا ہو نہیں کہیں دیکھا
 زلف ہی دم ہم نہیں ہم بھی رہا ہوں
 جوں کہتے دیکھا ہے ہر نسبت دور کی
 رہتے رہتے منظر آنکھوں میں نکالیا جی نڈان
 ہے جھگڑا نجم طرف اس سر سے اشارہ
 جاتے ہیں چلے متصل آنسو جو جاتے
 گل کھائے ہیں فراق میں مشت میں اس کے
 گرہ سے میرے ہر کاہنگا مر سدا ہو
 خون ہوتا نظر آتا ہو کسی کا مجھ کو
 کو چہلید سے زجاویں گے

۲۱۶
 مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی
 یادگار مرزا تیرے ہیں بجاں خار کئی
 شہنی جوند بھی ہو سوشاخ زعفران ہو
 کہا جلیے قفس میں گرفتار کون ہو
 ہجر کی کئی کئی پڑی ہو تازہ ہمداری مجھے
 اب تئیں آدا نہیں کرتی گرفتاری مجھے
 خوش نہیں کئی نصیحت گری غم غوری مجھے
 بو گئی ہو داغ میں گل کے
 خون بلبل چارخ میں گل کے
 ہو خزاں بھی سراغ میں گل کے
 کہ میری جان نے تن پہنے گمراہی کی
 جہاں میں ہے قفس ہی میں زندگانی کی
 یہاں تک ہوتا ہے عالم دہاں عالم اور ہو
 ابر بھی دہاں اور کچھ ہو دیوانہ اور ہو
 دم غمیت جان اب ہمت کوئی دما اندر
 دیکھو تو مری خاکہ کہاں جا کے لڑی ہو
 ہر تارنگہ آنکھوں میں سوئی کی لڑی ہو
 اب ہاتھ مراد دیکھو تو بھول لک چڑی ہو
 آنسو آگری ہیں تو دیا بھی گرد ہو
 ہر گھگھ ساتھ تری مصلحت ابرو ہو
 کیسے ہی ہوں گم گم گئے گزریں

دل کس قدر نکستہ ہوا تھا کہ رات میر
 خیر بیدار کو کہا دیکھتے ہو دم بدم
 یہ چشم آئینہ دار رو تھی کہ سوسر کی
 سحر تاجہ گل بے خودی ہم کو لے گئی
 نہ ٹھہری ایک اک جان بر لب رسیدہ
 برنگ بوے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے
 خاک لے کاش ہم کو خاک ہی کھٹاک اس میں ہم
 کیس جو کچھ ملاست گر بجا ہو تیر کیا جانیں
 شمع صفت گر کیس مر جائیں گے
 شند نہ ہو ہم جو سوے پھرتے ہیں
 راہ دم تیغ پہ ہو کیوں نہ میر سے
 اس کی شمشیر تیز سے ہدم
 یہاں ہوے تیر ہم برابر خاک
 جب نام ترا لیجیے تب چشم بھر آئے
 چاک و چمک ہوا جو سلا یا ہم نے
 اس کو غم کچھ نہیں مئے کا ہارے فاسوس
 مندی سے کفن پاکی تھے لاک لگی ہو
 کیا جا عدم میں لیس گے ہم نام زندگی
 مئے رنگ نکستہ پر نہیں ہیں مڑاں سار
 غزل تار ہو تیری زلف سے لہو دل ہمتا ہو
 گرم ہیں شہر سے تیرہ صحن کے بازار کئی

آئی جوبات لب پہ سو فریاد ہو گئی
 چشم سے انھان کی سینے ہارے دیکھے
 نظر اس طرف بھی کبھو تھی کیسو کی
 کہ اس تندہ سرکش میں ہو تھی کیسو کی
 مگر تیر کو آرزو تھی کیسو کی
 کہ ہمراہ صبا تک سیر کرتے ادھ ملا ہوتے
 غبار راہ ہوتے یا کسی کے نفس پا ہوتے
 انھیں معلوم تب ہوتا جو ایسے سے جدا ہوتے
 ساتھ کئی داغ جسگر جائیں گے
 کیا تری ان باتوں سے ڈھ جائیں گے
 جی پہ رکھیں گے تو گز جائیں گے
 مر رہیں گے جو زندگانی ہے
 دھواں وہی ناز و سرگرازی ہے
 اس طرح کے رونے کو کس کے مگر آئے
 اس گریبان ہی سے ہاتھ اٹھایا ہم نے
 ایسے بے مد سے کیوں مل کو لگا یا ہم نے
 میں کیا کون تلووں کے مئے آگ لگی ہو
 دیکھا نہیں ہو خواب میں آرام زندگی
 ہوا ہوں نہ غفران کا کھیت تھے عشق میں پہلے
 شب تاریک ہو اندھو تھے ہیں دم بدم تار
 رنگ سے جلتے ہیں پوست کے خریدار کئی

ساکنانِ دہلی دے رکشت دسزے کردارش برانید۔ این اشعار یاد بھلا دوست۔

مگر چہ انصاف کے قابل یہ دل زاد نہ تھا
اس تند چور و جفا کا بھی سزا دہ نہ تھا
نہیں کچھ غم کہ کیوں بننا نہیں بیانِ گس میرا
میں رونا ہوں گلِ دل کی بے کسی بد ہاے دل میرا
گئی آخر جلا کر گُل کے ہاتھوں آشاں اپنا
نہ چھوڑا ہاے بل نے جن میں کچھ نشان اپنا
یہ بلبل نے اجازت باغبان کے گل سے ملتی ہے
مجھے معلوم ہوتا ہے کجی دے گی نداں اپنا
یہ حسرت لگئی کیا کیا منہ سے زندگی کرتے
اگر ہوتا جن اپنا گل اپنا باغبان اپنا
مرا جلتا ہے جی اس بلبل بے کسی کی غریب پر
گل کے گل کے آسروں پر جن نے چھوڑا آشاں اپنا
کوئی آزر دہ کرتا ہے سخن ایسے کو بھی ظالم
یہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جانِ جاں اپنا
ہم نے کی ہے توبہ و ردھو میں جاتی ہے بہار
ہاے کچھ چلتا نہیں ادبغت جاتی ہے بہار
لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور
کیا قیامت ہے سو دل کوں بھی بتاتی ہے بہار
زر گس و گل کی کھلی جاتی ہیں کلیاں دیکھو ب
پھیرانِ خواہیدہ فتوں کو جگاتی ہے بہار
زخمی تری نگہ کا اک پل جیا تو پھر کیا
صیاد کی بغل میں لاک دم لیا تو پھر کیا
مرتا ہوں میر زانی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چوری دیکھا سب کے ہاتھ
الہی مت کو سکے بٹیں رنجِ انتظار آئے
ہمارا دیکھیے کیا حال ہو جب تک مسکد بار آئے
یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے
کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہے
نہیں آتا اسے تکیے اُپر خواب
یہ سر با نوؤں پر ترے ہل رہا ہے
خدا کے واسطے اس کو نہ ڈو کو
اگر تیرے کھن پانہ اس خوشی سے سہلاتی
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے
میر حیات علی مجتوں صلش دہلی و بالفعل از مدتے مقیم مرشد آباد و شاگرد شاہ
یہ آنکھیں کھول لو دتیل نہوں کی نیند کیوں جاتی
قدرت اللہ امدت و ساقی نامہ حکمِ نواب مبارک اللہ ابنِ نواب میر محمد جعفر خاں مرحوم
سکہ بالفعل ناظم بنگالہ است در سلک نظم کشیدہ میر سطور در فنون سخن بردازی

دیکھتا ہوں تو کام میرا تیر
اول عشق ہی میں آخسر ہو
سوز دل بھی کبھی نہیں سستا
یہی تو ہم کو آگ گنتی ہو
ہم یہ باز رنجوں مندی ہو دیوانوں کی
یہاں وہاں ہیں کئی چاک گرد باؤں کی
کیونکہ کیسے کہ اگر گریہ مجھوں میں نہ تھا
گردنم تاک ہو اب تک بھی بیا باؤں کی
بات حکموں کی ہم نے سگاہ نہ کی
بلکہ دی جان اور آہ نہ کی
مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا
میخانے میں جو شاں بادہ نوشاں دیکھا
اک گوشہ عافیت جہاں میں ہم نے
دیکھا تو محلہ خوشاں دیکھا

پھر عشق میں تیر پاؤں دھرتا ہو گلا
اور زیست منقض اپنی کرتا ہو گلا
سب مل کے چلو بلا سے سمجھا آویں
افسوس کہ یہ جوان مرتا ہو گلا

فرقت کا تم تو مجھ سے بہنا معلوم
جو گولے ہو جی پہ تجھ سے کتنا معلوم
والہ ہو تجھ سے زندگانی اپنی
گر تو ہی چلا تو جی بھی رہنا معلوم

کیا ظلم ہو مل کے پھر چھوٹی کیجیے
دل پیسے لے کے بے وفائی کیجیے
اے جان نہا ہنا نہیں گر منظر
کامے کو سوسے آشنائی کیجیے
منظر دہلوی آتش مرزا جان جال ماز نادرہ گویان عصر خود بودہ - صلش اکبر آباد
دو مل دلدلی اختیار کرد - در علم فقہ دستکام خوب داشت و شعر فارسی برونی و طہرند
نیکوئی گفت اکثرے از نختہ گویان شاگرد ادیند - تعصب مذہب ملت جماعت
بدین جد جائے گاہ دلدش نموده بود کہ مردم را منع از تعزیۃ سید الشہداء علیہ السلام
می کرد - صد سال عمر افتادہ و در بین خلالت بسر برد - قبل ازین مسوع شد کہ یکے از

نا اچھا آنکھوں پہ لکڑی لکڑی کے روتے دے مجھے
 خشک سرتا ہوں کبھی بھولتا ہوں بھولتا ہوں
 جب سے آیا ہوں وہ کھڑا نظر آئیے کو
 بھول کر منہ کے تیش اپنے کبھی دیکھا تھا
 چور دیکھوں میں جہاں بادہ کٹاں شیشے کو
 مجھ دو آنے کی بہت تدبیر کی
 لٹاکس کا سلسلہ مجھ سے نہیں
 ڈرنا ہی مناسب تھا دلدار کی آنکھوں سے
 یہ موج اشک چشم خان دل کیا لے ڈوبی
 دل میں سو بول اس کے دہرہ جاتا مجھے
 آج اگر اس سے ملاقات نہیں ہونے کی
 کل کی شبہم پہ عجب گندی ہی پکار کھن
 دھنکرتا ہوں بھی میں تازہ مار آستیں
 روز و شب ہوتا ہوں کھڑا ہمارے آستیں
 تب سنا اپنی بھی نہیں ہر خبر آئیے کو
 بے خدی ہو یا ہراس کو اوھر آئیے کو
 یاد کرتا ہوں ہر سوسل کے وہاں فیض کو
 تھکے آغیاؤں میں زنجیر کی
 میں نے ایسی کبوتری قصہ کی
 لہانہ مجھے آخر کس پہلو کی آنکھوں سے
 ہمارا گھر کا گھر یہ چشم دریا بارے ڈوبی
 اس میں ہوائی کسے یا کوئی دہرانا مجھے
 زندگی قبلہ حاجات نہیں ہونے کی
 ایسی بھی کوئی کٹھن رات نہیں ہونے کی

ہر سحر ہوا ہر شب نالہ جاگتا ہوں
 دیکھو لے پیک خراگاہوں جو موت سدا ہوں
 بے قراری سے ہماری آہ کون آگاہ ہوں
 قافہ خفت جگر کا اشک سے ہمراہ ہوں

دل کو زلفوں سے تری جب کہ موسیٰ ہوں
 کچھو دختر د آج سنبھل کر مستی
 اُس کی آزادی سے اپنے تئیں ہوسا ہوں
 محسب کل سے تمہے درپے جا سوسا ہوں

گلشن میں شراب ارغوانی پیجے
 اپنا تو یہ قول ہو کہ سب ہویں بسا
 یا آنکھ بجائے کے پانی پیجے
 گر باتھ سے ترے یار جانی پیجے

خیلے دانادو ہوشیار است - از دست

وہ پھر ہم سے آنکھیں اڑانے لگا
آج کچھ آواز رونے کی نہیں آتی مجھے
کہتا تھا سبھوں سے کل بے طرح سے کھجور لگا
اور نہیں فصل میاں کا مگر
بجوں وہ نظروں میں ہی آئے گا ٹھو
اب تو پاؤں پگڑا تیرے بھلا کچے مہا
ر کا سبھوں سے وہ بیٹھا ہوا اس گھر ہی مجھوں
کبھی ہرگز نہ کرتے اٹھ کے یہ فریاد و شہلاہم
کبھی دھنوں کی بھی رنج پہ نظر کرتے ہیں
تیرے دیکھے سے یاد جیتے ہیں
اس کی شمشیر خونچکاں جانے
ہو یہ وہ شوخ مرا من کے بازار کی جان
کرتا ہوا شتا ایک زمین آسمان رہوں
بلبل مٹھ آہ خسرو بار کروں یا نہ کروں
سب جسے ناکہ خراک سے حذر کرتے ہیں
رحم کہتے ہیں کہ نہیں کرتے کا وہ قاتل کبھی
نہ بے قرار ہوئے دل سنبل کہیں نہ کہیں
اوسل جان کے جی کے نہیں گنوا بیٹھا
سدا بہر ہو اسی اشتیاق میں مجھوں
جنم پر نہ منت رہے ہو ہمکنار آستیں

دل اب کے مقرر ٹھکانے لگا
جل بسا شاید جو پہلو میں دل رہ کر رہتا
کوچے میں جو پھر میرے مجنوں نظر آئے گا
اپنی ہی جھک جھک کے کر دیکھنا
پھر نہ اُدھر بلکہ دگر دیکھنا
پھر کبھی مجھ سے کام نہیں ہونے کا
کہیں تو جا کے دوائے سلام کرنا
نہ رکھتے اپنے دل سا گر نعل میں آہ و شن ہم
یو نہیں ہم شام و سحر اپنی بسر کرتے ہیں
وہ نہ کوئی بے قرار جیتے ہیں
جس طرح مل گیا جیتے ہیں
دیکھے جس کو کھل جانے خریدار کی جان
مانند ایک شیخہ مساحت جہاں رہوں
سوز دل یوں بھی نکلا اکر کوس یا نہ کروں
ایک ہم ہی نہیں کہ سینے کو سپر کرتے ہیں
ملک تو اپنی بھی بھلا ہم کشش دل دیکھیں
لے گا یہ لہجہ دوسو بیس لکھ کہیں نہ کہیں
کرے گا دل کا یہ کوننا خل کہیں نہ کہیں
کہہ کیے ہیں جو ایک پل کہیں نہ کہیں
جیتے ہی چھوڑے ہو کب کا رخسار آستیں

راے اندر رام نکلے دیکھ غلاب قرآن میں خاں مکتوم الدولہ وزیر محمد شاہ
دعویٰ آونے کی گس کے گلزار میں پڑی ہو ہاتھ ارگے کا پیالہ زنگس لیے کھڑی ہو

موزوں ول عظیم آبادی ہوسم بہ راجہ رام زائن صوبہ دار عظیم آباد
ابر تو ہو گا خجالت سستی پانی پانی ست مقابل ہوئے دیدہ خونبار کے ساتھ
منعم برادر محمد قایم قایم دہ غوری طبعش سالم اور است

بھولی نہیں ہو کجہ کو بتوں کی ادا ہنوز دل کے نگیں بے نقش ہو نام خدا ہنوز
میسر مد اللہ میر ہنرہ علی انداز نکتہ سنجایہ زمان محمد شاہ
ایسا نہیں وہ شوخ جسے ہکوئی ڈالے پر مجھ سانہ بوئے نئے ڈھونڈ نکالے
اکٹک نکتہ سے مل ہاتھ سے جی تن سچلائے لے والے صیبت کوئی کس کو سنبھالے
کرتے یو ہیں گھر ہیں یہ بتاں کعبہ دل میں سب خوابیاں ہیں ایک خدا کام نہ ڈالے

محرم ول اسمس مولوی سید محمد حسین ادراسادات موسوی

آب ہو جائے گا پتھر سا اگر دل ہو گا آئنے تجھ سستی کیا خاک مقابل ہو گا
میں تو سر پھوڑ کے مر جاؤں گا مانند جاباب ایک پردہ بھی اگر یار میں حایل ہو گا
راہ مجھ کو نہ حرم میں نہ صنم خانے میں میں تو اس لغت خواباں میں کہیں کا نہ ہوا
صنم اگر چہ ہیں فکرت سیاہ رکھتا ہوں بہ ہر طرح تری زلفوں سے راہ رکھتا ہوں
تسے فراق میں بھرتا ہوں در بہ در پیالے بغل میں اپنی دل داد خواہ رکھتا ہوں
رونے کو اثر ہوئے کہنے کی یہ یہ باتیں اک دل بھی نہ یاد آ رہے ہی نہیں راتیں

محسن اکبر آبادی

محسن نہ روؤں میں تو بھلا کہہ لو کیا کروں تھا ایک لہلہا میں سو اس کو کھ چکا
حرف تیرے عقیق کا لے شوخ زندہ کرتا ہو نام عیسیٰ کا
جاں بلب ہوں میں نکل جائے نہ بجا کہیں دل میں حسرت سی رہی جاتی ہو آمان کہیں

مخلص مرشد آبادی آتش میر محمد باقر

ہمارے قتل کرنے سے تجھے آرام کیا ہوگا ماں اس ظلم کا تہی سمجھ انجام کیا ہوگا
 ہاتھ ملتا ہوں کہ میرے خون دل کا ٹوٹے کیوں کہن باہیں تھے رنگِ خناسے آشنا
 ترکِ لہفت پہ بتوں کی مجھے مقدور نہ تھا در نہ کہہ مے بہ غلے سے کچھ دور نہ تھا
 آخر یہ دل ہمارا کوئی داد کو نہ پہنچا جز نالہ کوئی اس کی فریاد کو نہ پہنچا
 حیران ہو رہا ہی مانند چشمِ نقویہ آئینہ دیکھ تیرے رخسار کا تاشا
 مٹا فریاد تیرے عشق میں درہ نہ روئی تو تجھے صدافریں شیریں مروت اس کو کہتے ہیں
 شیخ شرف الدین مخلص بہ مضمونِ موطش جاج سوا ز قصبات اکبر آباد شیخ شرف الدین مخلص بہ مضمونِ موطش جاج سوا ز قصبات اکبر آباد
 ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں لہجہ بکبا صبر لوب کیا اگر یہ یعقوب کیا
 خواب کو جانتا تھا گرمی کریں گے مجھ سے دل سرد ہو گیا ہی جب سے پڑا ہی بالہ
 کیا اس گل بدن نے بسکہ بے تاب مجھے نخل اُپر آتا ہر دم خواب
 اگر پاؤں تو مضمون کو رکھوں بند کروں کیا جو نہیں لگتا مے ہات
 کرے ہی دار ہی کامل کو سرتاج ہوا مضمون سے نکتہ یہ حل آج
 محقق دکھنی از قدماست و طرز بطور متاخرین افتاء ہے راست۔
 تم ہر کسی سے وعدہ دیدار مست کرو اپنی زباں سے جھوٹا کا اقرار مست کرو
 منزلِ آتش محمد منزلِ حاضر شاہ نجم الدین آبر و بودہ دے راست منزلِ آتش محمد منزلِ حاضر شاہ نجم الدین آبر و بودہ دے راست
 رازِ دل آنکھوں نے رنگ ہر کیا ہمارے کبسا رو دیا رونا نہ تھا
 موزوں آتش خواجہ علی خان موعودہ ایست و رغبت دار دے راست ؟ موزوں آتش خواجہ علی خان موعودہ ایست و رغبت دار دے راست ؟
 موزوں نے راہِ عشق میں پیر اب قدم رکھا ہی پھلت سے وعدہ نجا نے کیے گا کیا
 خواجہ محمد میر مخلص بہ میر از ابالی شاہ جہان آباد است و راست خواجہ محمد میر مخلص بہ میر از ابالی شاہ جہان آباد است و راست
 شہو حسن سے از بسکہ وہ محبوب ہوا اپنے چہرے سے جھگڑا ہی کیوں خوب ہوا

محشر کشمیری متوطن لکھنؤ

دریا میں لے کے لاش کو میری ہسا دیا
قاتل نے میرے قتل کا یہ خون ہسا دیا
جیوں لگا کنے میں درد دل تو بولا وہ سخن
بات اک پوچھی تھی میں نے تو جی کھانے لگا
ان دونوں ہم آپس میں آنے لگے
یعنی اُس کو بچے میں بھر جانے لگے
ہاے کیا گستاخ غیروں کو کیا
کیوں نہ بوسیلوں منہ پانے لگے
عشر آخر ہم ہوئے رسولے خلق
خوب جی عاشق تو کھلانے لگے
مخلص آتش بدیع الزماں خاں

لے جا تو دل کو یوں تو ترا اعتبار ہو
پر شرط اس زبان میں قول و قرار ہو
ہم دیکھتے ہی اس کو گرفتار ہو گئے
دل لے کے اس کے ہاتھ میں لہجہ ہو گئے
میں چاہتا تھا یہ کہ خفا ہو رقیب پر
میرے ہی حق میں تم تو ستم گار ہو گئے
مخلص کے گھر کا آنا کیا ترک تم نے کیوں
کیا ایک بوجھ لیتے ہی بیزار ہو گئے
مضمون آتش سید ام الدین
گر برقی تجلی وہ تک اک جلو مگر آوے
تب بھر کے نظر دیکھنا سب کا نظر آوے
تم سب سستی ہوتے ہو نفل گیر پیارے
معلوم نہیں میری کب امید بڑاؤے
مصحفی از شرفاء اہر وہ است درد ملی

پیری میں اور بھی ہوئے غافل ہزار حیف
بے اختیار لے گئی ہم کو یہ خواب صبح
ہوئی ہو بسکہ یہ فضل بہار دامن گیر
چلیں جن سے تو ہوتا ہو غلام دامن گیر
آچکا خط پہ سر مونہ گیا ناز ہنوز
ہو اسی دھیب پہ نگاہ غلط انداز ہنوز
ایک دن رہ کے نکالی تھی وہاں گفت دل
اب تک دامن صحرا ہو غبار آلودہ
محبت آتش شیخ ولی اللہ از تلذذہ مرزا رفیع سودا و باران مہربان خاں رند

است در فرخ آباد ہسری بردہ دے دست

۲۲۴
 کیا جانے نہ شروع کہ مر نہیں
 مجھ کو تو تنہا کی بھی اپنے خبر نہیں
 مستمند اشق یار علی خاں

بھلے لینے خبر صہلہ آیا
 موعے جب ہم سے تب یاد آیا
 جس کے لیے اس تھک دل تھے سودا ہوا
 کلاش وہ آوے کہیں صہلہ تو رسوا ہوا
 دل کو بچا یا بہت سنگ جفا سے پر حیف
 ٹھیس کے گئے ہی چور ہاے یہ بیشیا ہوا
 زلفِ غم گرنے وہ سر پہ چھایا ہی غل
 سلسلہ زنجیر کا اس لیے برہا ہوا
 عشق کے اٹھوں یہ صفت جان لگا مستند
 تیری جہل میں رقیب کیسا یہ پیدا ہوا
 مایل دہلوی اشق محمدی نہیں خوش آئین است۔ دے راست

تو مجھ پر ہو کے غصہ ایک دم سوتا رہا
 طبع کے مانند ساری رات میں درد تار رہا
 کیا کیا کوں میں تجھ سے دل زار کی ہوئی
 مشورہ ہو جان میں بیمار کی ہوس
 جب تری بندگی میں آتے ہیں
 سب خدائی کو بھول جاتے ہیں
 دکھ سنگ سے اہل تو اپنے سینے کو
 مبادا اپنے ضرر دل کے آگینے کو
 آتا ہر دم بدم ہی رہنا میں نے مجھے
 پھینکا ٹھک نے ہلے کہاں سے کہاں مجھے
 کوئی کافر کوئی اہل دیں ہو مایل
 کوئی عاشق کوئی ناز نہیں ہو مایل
 بہ اپنی یہ لڑت دل نقیص ہو مایل
 سب کچھ ہو مہر ہی جو کچھ نہیں ہو مایل
 مسکین عظیم آبادی نامش خواجہ بخش اللہ

ہوے زمیں پر جن نے یاد حق میں ہے
 وہ آدمی نہیں ہیں مٹی کی مودتیں ہیں

مستقل اللہ آبادی نامش اللہ بخش علی

مری خاک و تنہا اڑی گئے ہو
 اکہی کدھر دامن یار ہو گیا
 جب سامنے پکوں کے جگر ہوئے گا یارب
 حیرت میں ہوں کس کس کا سپر ہوئے گا یارب
 خب جو ہم منتظر وعدہ دیدار ہوئے
 پتھری صورت کے لیے صورت دیدار ہوئے

جس گھڑی گل رو مرا تو جلوہ فرمانے لگا
 یہ بڑھا دیوان پن اپنا کہ نامح دل ہوا
 غنچہ تصویر بھی نجلت سے رجبانے لگا
 عاشقوں میں مجھے کھاتا تو نے
 آج چہرہ مرا بحال ہوا
 دل دیں گے رونمائی دستہ ہر ہمارا
 کیا کیجیے یہی کچھ مقدمہ در ہر ہمارا
 جاتے ہیں جلد پھینکے تو سن کو عمر کے ہم
 کیا کیجیے غمت گھر دور ہر ہمارا
 غیر کو یاد تو زہار نہ رکھ اسے پیارے
 بھول جائے کبھی لیکن یہ مری بات نہ بھول
 دید زانہ کرتے ہیں ہم چشم خانہ میں
 آواز مالے (۹) مرغ نگہ آشیانے میں
 مرزا انخلص معروف بہ لواب مرزا لقب بہ محمد حسن خاں برادر خرد لواب بہادر
 رستم علی خان است و خواہر زادہ فضائل علی خاں مفید (۹) در بلدہ بنارس رفیق لواب
 سعادت علی خاں اند- از سخن ہاے ایشانست

کس آگ سے دل دکنے لگا - جسے اشک بھی اب بجھاتا نہیں
 مریے پہ زباں سے نہ گلے کیجیے اس سے یوں جی میں ہر باں تک نوؤں کا کیجیے اس سے
 مجنوں انخلص مشہور شاہ مجنوں ازاد لادراے بشن ناتھ کہ بخد مت دیوانی تن

محمد شاہ غفور ممتاز بود۔ از دست

معتقد کیا تو مرا اب بھی نہیں ہونے کا
 پھر اب یہ چو چلا ہر کل یہ قرار ٹھیرا
 ہنس دیا تو نے اثر بس ہر ہی رونے کا
 کہتا ہر مجھ سے چل بے تو کس کا یا ٹھیرا
 داغ سینے کے مئے تازہ ہوسے ہیں یک دست
 بھول ڈالے ہیں گویا میر سگریبان کے بیج
 بوئے چاہ زخمیوں کی جسے چاٹ لگے
 دیکھئے محرابت میں وہ کس گھاٹ لگے
 چڑھا کر ساغر لبریز جس دم تو نکلتا ہر
 ترا انداز ہنسنے کا گلوں کے ہونٹھ ملتا ہر
 معین بدلاؤنی اش شیع معین الدین شاگرد مرزا رفیع سودا در پختہ گوئی

صاحب مقدمہ۔ از دست

۲۲۶
 عارض اس کے تھے عرق سے یوں سر بھیگے ہوئے جس طرح شبنم سے دو گلبرگ تر بھیگے ہوئے
 منشی نانش غلام محمد از شاگردان مرزا مظہر است و اصل قصہ بدواری ہر مہینہ کا

سرکار نازول

چرا لیتا ہر نقد حسن کو آئینہ آنکھوں میں خدا کے واسطے وہک کر حیا کو پاسبان پتلاں
 نہ پہنچی مجھ کو آفت ہرگز اس گردوں کی گردش سے زین خاکساری کو کیا میں آسمان پناہاں
 مجروح نانش منشی کشن چند آبائش در کشمیر وطن داشتند و خود در ہندوستان
 تولد یافتہ از تربیت بائنگکان مرزا مظہر و در لکھنؤ۔ خوبی می گذرانند۔ اور است

نہ سیر باغ نہ گلشن لالہ زار کروں یہ آرزو ہے تماشاے رفے یار کروں
 محبت ادبوی موسوم بہ مرزا حسن علی بیگ ابن مرزا سلطان علی بیگ در لکھنؤ
 دہلی استقامت داشت۔ وے راست

ہو آنکھوں میں نیند تو اک کام کیجیے یہ بھی تو گھر ہو آپ کا آرام کیجیے
 ہو قیوبوں سے ملاقات اس بت گمراہ کی اہل تہمت ہم رہیں قدرت ہو یہ اللہ کی
 مروت سبھی خلف شیخ محمد کبیر طیب از منسلکان ذاب فیض اللہ خاں و

شاگردان حرات و ساکنان رام پور است۔ گاہے زخمی می گوید۔ از دست
 مہندی سیاہ کی نہیں تو نے لگا لگا کس دل جلے کا خون تر ہے ہاتھ جا لگا
 محبت مشہور بہ محبت خاں خلف حافظ رحمت رو میلہ۔ از بدو شباب راغب
 بطرن شاعری بودہ و اشعار خود را بلا حظہ مرزا جعفر علی حسرت می رساند۔ فصیح بہان
 است۔ در لکھنؤ استقامت دارد۔

نکدہ جو محفل میں ہوا دوش کسی کا سنتے ہی ٹھکانے نہ رہا ہوش کسی کا
 قید ہوتے ہی ہوا دونوں جہاں سے آزاد میں تو بندہ ہوں محبت کی گرفتاری کا
 دشمن کی آنکھ میں بھی پہنچے لے صبا یہ میرا غبار کیجیو برباد اس طرح کا

لے زلیخا ڈروں ہوں بوسمت کو لے نہ ڈوبے یہ تیری جاہ کہیں
تجھ سے جو ہوں جدا تو خدا جانے کیا بنے کیا جانے اک آن میں کیسی بھر آبنے
منت ساقی نہ لیا چاہیے خونِ دل اپنا ہی پیا چاہیے
زلخوں کو گرہ دینے سے کیا فائدہ لے یار احق تو مری عمر کو کو تارہ کرے ہر
مرد ہوش آتش میری جان نسیر خواجہ محمد باسط و شاگرد میر سوز است۔ فیہ است
لیا جس ناز سے تو نے مراد دل خدا جانے ہر کس کو یا ترادل
مصیبت الہ آبادی نامش شاہ غلام قطب الدین مرد ستودہ اطوار است۔ از دست
کون گلشن میں کبہ مشک کی بولا تی ہر کتنے ہیں زلف کے کوچے میں صبا جاتی ہر
مشتاقِ ندولوی ہمیش حافظ افضل علی از توفائے مرزار فیض سدا در اقران خود تمنا

داشتہ۔ اور است

جفاے یار نے کس طرح کر دیا پا مال اور اپنی خاطر امیدوار میں کیا تھا
ہلے رونے میں دل سے بخارا ٹھٹھا ہر کہ جسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہر
ہر ان دونوں دل نالاں فزک کا گھڑیاں رہے کبھی اپنی بکار اٹھتا ہر
یاد اس شوخ کی اس دل میں بھری رہتی ہر لوگ کہتے ہیں کہ شیشے میں پری رہتی ہر
مشتاقِ ندولوی نامش میر حسن در بلدہ کھنڈ و فیض آباد بغرب و انکیا و سہری پڑے

اور است

مشتاق کو کیا غم ہو خدا جانے یا رو جب دکھا اے ہم نے تو بیلہ ہی دکھا
ہم غریبوں کی اگر تو نے نہ کی غم خوارگی جو رضا تیری پیارے بندگی بے چارگی
اپنی ہم بندگی پہ بھولے تھے بھر جو دکھا تو وال خدا ہی ہر
ہمارے دل کو مت آزار دے لے باغبانِ احق جلالت آتش گل سے ہمارا آشتیاں نا حق
مشتاقِ عظیم آبادی ہمیش محمد قلی خاں خلع ہاشم علی خاں و نسیر و نور احمد بیگ خاں

نقشِ پاکی طرح اے راحت جانِ عاشق تیرے قدموں سے جہاں لو کے ملے خاک میں ہم
 بے تاب ہو پتنگ جو فناؤں میں ہو شمع یارب کوئی اسیرِ ربِ خاکِ گلی نہ ہو
 مددِ عادی ہوی آتش میرِ عرضِ علی درِ طبابت و انشا پر دازیِ قصہ و داستا
 باحافظِ رحمتِ خاںِ بعزت می گزرا ند۔ از دست

اپنی مجلس میں عبت کیوں بجے بلواتے ہو آؤں گا ہرے رونے کے لیے جا کر نا
 ابر کے منہ سے بن رہا ہوں نجل لے آ نکھو ورنہ عہدہ تھا مرا دشت کو دریا کر نا
 مجھے پتنگ کے جلنے پہ حیف آتا ہی تمام ہو گیا پہلی ہی رونائی کا
 دیکھ کر حال مرے دل کا سبھا بولا ہی بری طرح کا آزار خدا خیر کرے
 طیب ہووے فلاطون اگر تو فائدہ کیا کہیں بھی عشق کا مارا کوئی جیا بھی ہی
 ملال از غنا کاںِ عصرِ خود است۔ وے راست

کئے کی بہت باتیں ہیں بہ کہ نہیں سکتا بن دیکھے دلا رام کے دل رہ نہیں سکتا
 مجذوبِ آتشِ غلامِ حیدرِ فرزندِ خواندہ و شاگردِ مرزا محمد رفیع سودا است۔
 در کھنڈو استقامتِ دلہو۔

منظور ہی جو پیارے دل کا علاج کر نا موقوفِ کلی پہ مت رکھ جو ہو سو آج کر نا
 ہر صبح و شام ہم سے بولو گے جھوٹ کب تک کچھ وعدوں کی بھی اپنے لے دو علاج کر نا
 دل کے ساتھ اپنے داغ لیتا جا تیرہ رہ ہی چراغ لیتا جا
 چشمِ بُدِ نہیماں سے مجذوب تو سمجھ کر ایاغ لیتا جا
 ہی سخت بے مروت وہ بت دفا کرے کیا پر اب تو گھ گیا دل دیکھیں خدا کرے کیا
 میں تو اٹھ جاؤں تھے کوچہ سے پر فکر ہی یہ کیا کروں گا جو دل اس وقت نجلِ حافض گھا
 دل کو تو میں نے کاٹا ہی رو رو کے تجھ بغیر کیا جانے کئے گی مری مات کس طرح
 مت سمجھو ظالم کہ یہ گرِ دل پہ شفق ہی مارا ہی مرے خوں نے جا جوشِ فلک پر

آتش عشق است۔ از سخناے لال انگہ از دست

یا اسی کو لایاں تک آہ و داری کھینچ کر
کیونکہ سیاہ ضعیف اس سنگدل کو کھینچ لائے
باجھے لے چلے ہاں لے بے قرار کی کھینچ کر
ناؤاں کیا لاسکے ہر چیز بھاری کھینچ کر
کب ہیں زندگی گوارا ہو
جب ترا غیر سے اشارا ہو

بظاہر ہیاں کو تو آتا نہیں ہے
تصور ترا دل سے جاتا نہیں ہے
جھوم کر بادل ڈراتا ہے مجھے جیوں نیل مست
دل کا بچنا مارا قیاس وقت تیرے ہاتھ ہے
چین کیوں کر ہو بھلا اس دل شیدا کی کو
نہ تو یہ صبر کو سمجھے نہ شکیبائی کو
مرزا معزز موسوی از سخنوان با فطرت و نکتہ سخنان صاحب قدرت است۔

اشعار فارسی از زبان زدا نام۔ این شعر رنکھتہ نام او مردم استہارہ لہا ہند۔ بنا بر آن تحریر نمود۔

از زلف سیاہ تو بدل دھوم رہی ہے
در خانہ آئینہ کھٹا جھوم رہی ہے
مرزا علی رضا تخلص بہ مرزا از قرا تیان ذواب حسین الدین خاں باب جاب

نگر است

ہمدی دیکھ حالت ٹٹھ گئے سب خوش ہنگنے
نہ بیٹھا کوئی جز بچکان دل انگار کے پہلو

مبتلا تخلص اس راقم آئم کہ مسمی بہ مردان علی خان است۔ از دست

دیکھ کر تیری گلی میں تجھ کو حیران ہو گیا
صورتِ دیوار کی مانند بے جاں ہو گیا
اب تو آنکھوں سے لگے بننے مرثک خون چکا
ہاسینا سو زخمِ دل نسیاں ہو گیا
بے طرح جوش میں ہے دیدہ گریاں میرا
نوح کو آنکھ دکھاتا ہے یہ طوفان میرا
اپنے سب داغوں سے ہیں چٹائے پھلے
آج کی رات تو آدیکھ چہرا غاں میرا
حاکم عشق سے رکھتا ہوں جنوں کی میں ہند
قیس سے جا کے کہو بھڑے بیاباں میرا
داہن دشت کو حثت نے مری گھیر لیا
مبتلا ہاتھ جنوں کے ہے گریساں میرا
بیگانہ سب سے ہے وہ نہیں آشنا کسی کا
جس کے دوست ہیں گئے دشمن ہوں کے جی کا

میسر میں کب ہوا وصل یا رہا
 شمع کی طرح نہیں کرتے ہیں ہم زاری رات
 اُسے دیکھا اور کپ کو گم کیا
 مجھ میں بے مری ساقی سے مدام
 دل بھی بدلتے ہی ہیں گزرتے ہی اور ساری رات
 ہر ایک داغ جگر آفتاب میرا ہو
 وہ ادھر ہی ہوا اپنے خط و خال کو دیکھ
 جام کی طرح سے میں چشم کو غم رکھتا ہوں
 جو میرے روبرو وہ ماہتاب میرا ہو
 یہ دھڑکنے کو حیرت ہوئی تنہا کو دیکھ
 ہر گالیاں تم نے دیں دعا کرتے
 ہر مثل ہو برا بھلا کرتے

منت دہلوی انش میر قمر الدین سلسلہ نسب اواز جانب اجلا دادری ہسید

جہاں بخاری - از کلام دوست

خٹک لے ہو گئے بننے سے دریا تھم رہا
 گل نکلتے ہیں ز میں سیتی بزم شعلہ
 چشم میں اپنی ہی ساری عمر سے کچھ غم رہا
 کون دل سوختہ جلتا ہے یہ خاک ہنہ ز
 کچھ گھول کے پی نہ جائیں گے ہم
 کیا لے تھیں منہ دکھائیں گے ہم
 کچھ عاشقی نہیں ہے ہم جی پہ کھیلے ہیں
 ہم بے نصیب اب تک با پڑ ہی بیٹے ہیں
 اے مری جان کیا کیا تو نے
 ادھر تک پہنچا دھما ادھر تم منہ بنائیٹھے
 گرہ زریب نفٹ آرزو ہے
 کہا چل بے یہاں سے یہ کیا گفتگو ہے
 جب تک کسی مانگو تو تو آج نہیں بند کھائے
 کوئی اس بد مزاجی پر تھا ہے پاس کیا بیٹھے
 کہں ہم کو عرض غم دل کا رو ہے
 سنایا تھا میں حال دل اس کو منت
 آہو ہی تری چشم کی کب چوڑیں ہیں تشنہ ہے
 مغموم سنے براہ جس ساکن لکھنؤ از منہ لکان مستر جانین و جگر سو سنگین

دل کی تو ترے داغوں سے اب لگ گئی ہے جی کیونکے بچے چاروں طرف آگ لگی ہے
 شیشہ دل شک دیا تو نے سنگ دل ہائے کیا کیا تو نے
 سر کو تیغ اس کی سے جیوں فرما دیں گے جی میں ہر تلخی جاں کندن کو شیریں کیجیے
 مبتلا م لینے کی فرصت مجھے ہرگز نہ دی ایسے قاتل کو کہو کیونکر نہ تمہیں کیجیے

حرف النون

نا آجی دہلوی نامش محمد شاکر، مردے ظریف و خوش طبع معاصر نجم الدین
 آبرو بود۔ و شعر ہم بطرز آدمی گفت۔ دیوانش یک ہزار پانصد بیت دیدہ شد۔ اکثر
 سخنانش در کمال صفائی و معنی بندیت۔ اور راست

دل اپنے قبضے کر، ابرو کے گوشت گیروں کا وہاں مت لے سخن زلفت کے اسیروں کا
 تری نگاہ کی کثرت سے اے کمال ابرو ہائے سینے پر تو وہ ہوا ہر تیروں کا
 نہ پڑ چھو خود بہ خود ہی عارض خورشید کی خوبی لیا ہر ذرہ حسن سرویاں سے کرچند ا
 نظریں ہیں تھائے دانو لگات لے مہربان نکلا دروں سے جا جا کھیلنا اور ہم سے رقم کرنا
 مجھ کو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا لے گیا وہ دل کے تیں منہ دیکھتا میں رہ گیا
 کیوں نہ ہو بے حرامہ کان کا در ہر پریشاں وہ زلفت کا مارا
 مجھ سستی کجروی کرے ہر فلک دیکھو سر ہی پھر اکیسے کا
 بو علی سے نہ پوچھ میرا درد جانتا نہیں وہ زخم سینے کا
 ترے خصل کے پتوں سے لے خوش پری خانہ ہوا گھر ارساں کا
 مست کر آزاد دام زلف سے دل بال باندھا غلام ہی تیرا
 صنم کی زلف مرے دل کے ہر بل ہر شب رہے ہی خون سے اس مار کے نخل ہر شب
 جو بند خمی تجھ نگاہ مست کی تلوار سین ان کے زخموں سے بکائے خون ٹپکے ہی شراب

جا بیسے ہونا مجھے باد صبا کا آشنا
 تودہ کافر ہی کہ نہیں ہرگز خدا کا آشنا
 کہاں سے گرد اٹھی اور کہاں خدا تک لگا
 جن میں جو دواں ہو دل ذرا بہلائیے صاحب
 میں بے غماں نہ دل گداز مجھے نہ جائیے صاحب
 خدا کے واسطے اس کو تو تک سمجھائیے صاحب
 ہوں اگر میں بھی ربک روح صبا کی صورت
 کو چہ یار میں پھرتا ہر گداز کی صورت
 پہلے انی اپنے محل کے پائوں میں نہ پھیر کھینچ
 ہزار بلبال کا جی نہ ہے برباد
 جان لے اتھ میں تو کھینچ لے اٹھ اٹھ

جس میں ہوتیری ضابطہ کج کو اسی کام سے کام
 تم کرو سیر گل ولالہ مجھے دام سے کام
 میں پر جلا بنگ بہ پائے چراغ ہوں
 نہیں ٹھہرتا ہر کچھ آفتاب آنکھوں میں
 یہی رہے ہر سوال و جواب آنکھوں میں
 ہمیشہ رہتا ہر مردم کے خواب آنکھوں میں
 کہ اُس دریا بے بایاں میں ہر دم نہاتے ہیں
 قیامت کے کانوں میں یہ موتی جھلکاتے ہیں
 تڑپنے کا مدعا بسمل سے پوچھا چاہیے
 شمع کی دل بوزیاں مغل سے پوچھا چاہیے

ہو گیا ہوں خاک لیکن تجھے کوچے سے ہوں دور
 تیری بے مہری کا شکوہ ہر بحث لے مارو
 چھٹی جگر میں نگہ اور لبوں سے نکلی آہ
 کیا مردم سے خالی نہ چشم آئیے صاحب
 لیا مجھ سے بزور اور چاہتے ہو غفلت میں کھونا
 ہوا ہوں جاں بلب تجھ غزوہ ظالم کے ہاتھوں
 کھول لیں اُس زلف گرہ گیر کے عقد سے دل سے
 مبتلا واسطے دیدار کے در یزہ کسٹاں
 مت دوانا ہو کس زلف یار کی تصویر کھینچ
 نہ کہ جن کے اُپر اس قدر صبا بیدار
 کر علم تیغ کو آیا ہر وہ قاتل باہر
 نہ خوشی سے غرض اور نہ غم ایام سے کام
 ہم صغیر و مرے صیاد نے باندھے پردہ بال
 حرم ہوں وصال سے فرقت سے داغ ہوا
 کبھی ہر جب سستی اُس مہر کی تاب آنکھوں میں
 کہیں ہیں مشوہ ہی قس کامے شب و روز
 کبھی پھر آئے نظر خواب میں خیال اس کا
 ہم اپنے مردان چشم سے ابھرتے دھونڈھے
 مے دل کے مہر بجلی سی ہر دم ہر کرک جاتی
 ماجرا دیانگی کا دل سے پوچھا چاہیے
 گرچہ پردے کا جل جانا ہر روشن آہ پر

لازم نہیں کہ سر پہ ہر اک کے جدا ہو تیغ
 یہ فانی اک نگاہ تری بس ہر کل کے تیں
 ہم تو بے تاب دیکھ کل کے ہیں
 آج کھڑے کے اور جھٹکے ہیں
 دیکھ خورشید رو کو کھس جاویں
 دل نہیں بھول یہ کنول کے ہیں
 عاشق کے اٹک دیکھ چڑھامت بھول کے تیں
 برساتیں ماتا رکھیں ہیں کہاں کے تیں
 سیر جن کا عزم نہ کر آئیں لے ہاتھ
 کیوں بھولتا ہے یاد رکھ اس بول کے تیں
 عشاق پر جو کچھ ہر جفا مر خاں سے ہے
 بد نام کر رکھا ہے بھٹ آسمان کے تیں
 ناہنجی کا حال دیکھ جلی ہے تو اے صبا
 آوے شباب کہہ ڈاؤں آرام جاں کے تیں
 جلا ہوں عشق کا میں کیوں ہیں بیزار باغوں سے
 جن سا کھل رہا ہے دل مرا گھر دیکھ انہوں سے
 خوباں میں ہم انھیں کو محبوب جانتے ہیں
 جو دل کے کھینچے کا اسلوب جانتے ہیں
 کیا زلفوں سے اک عالم پریشاں
 کوئی کہتا نہیں کچھ اس کے روسیں
 تیرا پتھر ہر دل اس کے خطا کی سن بات
 لکھا شاید ہے بسمل کے لہو سیں
 عجب نازک قبا ہے دوستی کی
 کہ چاک اس کا نہیں ستارہ نو سیں
 شل غنچے کے جو کوئی چاہے ملاے اس کو
 نقد دل گل کی طرح پتہ دکھالے اس کو
 ہو ادیراں جدائی سے مرے دل کا نگر
 گل سارخ اپنا دکھا آ کے ہمالے اس کو
 دل کو سر مار رہا میں کہ نہ لے اس کا وبال
 زلف کے تیغ سے اب کون نکالے اس کو
 دل نے سو اتو کیا مجھ کو سزا ہے جو ابھی
 شریخ بے رحم کے کردوں میں چلے اس کو
 ماہر و غیرہ کئے جانے نہ پاوے ناہنجی
 دیکھ ابھو کو مبادا وہ ہلاے اس کو
 جرم عاشق کا اب معاف کرو
 دم لو ایک تیغ کو غلاف کرو
 نہ شرح سوز دل کا کھا ہوں پتنگ پر
 شاید نہ لوٹے میں لگے شمع رو کے ہاتھ
 شہر گھٹا ہے بد کا تجھ رخ کی تاب دیکھ
 بدلی میں جا چھپا ہے تجھے آفتاب دیکھ
 دل کس کا مانگے ہو لے کس سے تھے سبھن
 پہچانتے نہیں مگر آئے ہو خواب دیکھ

دیکھ ہم محبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
 ایک باری تو بکھا دل حبس کر
 چشم زخم آدے سب دا نا جی
 دہنشی دل کو مرے بریں دم آ ہو ، ہ
 ہ لگن تیری سے مجھ سینے میں داغ لے شمع رو
 اسے دل جو کوئی ہوا ہے لب لعل کا شہید
 جو تیرے سے دل میں لے کر دو
 چھڑے گل جن میں غیرت سے
 ہوا ہے دل کا جن تازہ پنی کا نامہ دیکھ
 ماہ رو بن کیوں لگے یاروں میں دل
 شمع رو جب سے گھا غیر دل کے پاس
 ذکر تجھ لب کا ہوا نا جی کا قوت
 ہر چند مثل طور کے حل گئے ہیں عشق میں
 خبر لعل لے بھلا گرا اپنے شہیدوں کی
 مہربانی سے یا ہو غصے سے
 چھوڑے کب ہیں نقد دل کو صنم
 نہ سیر باغ نہ ملتا نہ ٹھہری باتیں ، ہیں
 ہیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا
 جس میں دیکھ جو غنچوں کو کھن کھلا کے ہنسا
 تجھ لب نے کان لعل کیا جام مل کے تئیں
 لے شیخ رسم زہر کی مینا سے سیکھ لے

۳۴۷
 لب حدوت کے تر نہیں ہر چند ہر گاہ میں اب
 پھر پھر اُس کو تو جلا تا ہے عیش
 کو چہ میں اس کے تو جلا تا ہے عیش
 شہر میں بگ (؟) یہ صیاد ہیں سب گھا کے بیج
 جانیم اس شوخ سے کیوں زبانی اس طرح
 اس کا یہ ہے نشان کہ پونگ مزار سرخ
 داغ ہیں زار کی سو گند
 تیرے رخ کی بہار کی سو گند
 گر ہے عشق کے گلشن کا باغباں کا غد
 اب ہے اُس کی زلف کے تاروں میں دل
 لٹتا ہے تب سے انگاروں میں دل
 بسکہ اُس کا ہے شکر پاروں میں دل
 سرمہ ہو جائے ہیں سخن کے نین میں ہم
 بہت ہیں نیم بسمل اور بہت مجھ سے سکتے ہیں
 پیاری لگتی ہیں یار کی باتیں
 جب وہ کرتے ہیں پیاری باتیں
 یہ دن بہار کے لے جان پونہیں جاتیں ہیں
 جنہوں سے وعدہ کیا ہے انہیں چاتیں ہیں
 تو اپنے دل میں وہ بھولے نہیں ساتیں ہیں
 شکر کیا جھکے تھے رخ کی گل کے تئیں
 ہر سجدے میں کرے ہوا چار قل کے تئیں

مندی ہو جا لگا ہر دل میں گل بلی کے ہاتھ
 غم نہیں اگر دلبری سے دل کو لے جاتا ہو وہ
 تجھ کو لے بارو سے عاشق کے لگا تیر نگاہ
 بات کی تکلیف یار و غنچہ لب کے تیں نہ دو
 پھرے ہو شتر علی طلعت وہ بن بن مثل غنوں کے
 تیغ ابرو سے دل کیے غارت
 کو نین پر چکا ہو اس کے لب لکڑی
 لے گیا دل کناریں آ کر
 نشان اُس کا مجھ پاس اور کیا ہو
 مجھے زخمی تو پیارے کر چکے تم
 اُس کے زخار دیکھ جیتا ہوں
 چرب ہو شمع پر جمال اُس کا
 وہ بہک دل میں جب اٹھتی ہو
 غم سے سیلی کے روح غنوں کی
 تبسم پر رقیبوں سے خلل ہو
 مراد دل زلف نے لے گا نہ باندھا
 کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے
 نگا یا عاقبت نگر و نے خنجر
 تعظیم ہو ہو جو ہر ذاتی نجیب میں
 حاجی دہن کو دیکھ سخن مختصر کیا
 پہنچی ہر خوب طرح چاک کی سخن کے ہاتھ
 پس میرے تب تو آتا ہو جو دل پاتا ہو وہ
 چشم زخم اس کے تیں پہنچا ہو چلا تا ہو وہ
 دلتے میں مجھ سوا اوروں سے شرتا ہو وہ
 جسے عالم میں تیری زلف کی سیلی کا سودا ہو
 چشم بد دور کیا سیاہی ہو
 کیا لعل بے بہا کی قیمت ہوئی ہو سستی
 میں نہ جانا بغل میں دشمن ہو
 یہ آنسو سرخ نہیں رنگ خانا ہو
 اگر سر چاہتے ہو یہ جدا ہو
 عارضی میری زندگی گانی ہو
 شمع کی روشنی زبانی ہو
 خار ہو چشم میں کھسکتی ہو
 اب تک منت میں بھسکتی ہو
 تمہے بھاویں بھسی میری اجل ہو
 وہ سرکش ہو کر وہ کا جس کو بل ہو
 قیامت کا جو دن سننے تلے کل ہو
 یہی اس بھول کے دیکھ کا بھل ہو
 دے سے کیا ضرور اگر تیغ اکیل ہو
 گر چہ سخن کی زلف کا قصہ طویل ہو

سیر وارث علی نالوں از بازک خیال ان عظیم آداست خلف میر از راتی بہار کی

ہمارے سامنے عالم کو ان نے قتل کیا
 آنکھیں کسی طرف ہیں تو ہی دل کسی طرف
 دل تیرے دم کے ساتھ ہی جب مجھے عشق
 جدا نہ ہووے گا شادی سے غم قیامت تک
 ٹھہر چکی ہے یہ دل پر کہ نقش پا کی طرح
 لے زلف سے کہ خنجر مزمخاں کہ حوالے
 ہو بوسہ طلب تجھ سے جفا کار سے ظالم
 جانا تھا وصل یار سے ہونے کا غم تمام
 ہیں جمع آج ناوک مژگاں کے شوق میں
 آتش عشق اگر دل کو جلا دیں گے ہم
 درد دل کیسے تو سمجھے گا وہ شکوہ اپنا
 جس وقت تو پسند کرے یہ مکان چشم
 منہ پہ لانے ہی نہ پایا میں ترا نام تمام
 پیتے ہیں اگر شراب تجھ بن
 ہو خانہ دل تہم تاریک
 آدو تالہ کے سوا اور تجھے کام نہیں
 صگا دکھا اس کے یہی جی میں جو آجاتے ہیں
 گرفتار زلف تباں میں ازل سے
 یہاں تک ہوں پامال کئے بتل میں
 کام لیلی سے نہ ہم کو نہ غرض شیریں
 یرافرت نے دن یہ دکھلائے

ادھر غیب سے بھی دیکھا نہ ایک بار اخسوس
 نالآں ہوا تو ان دلوں میں کسی طرف
 تو ہی اگر نہیں تو کہاں آرزوے عشق
 غرض رہیں گے یہ دو نو ہم قیامت تک
 نہ جوڑنے کا تمہارے قدم قیامت تک
 صید دل عشاق نہیں دام کے قابل
 یہ عاشق جانا ساز ہو انعام کے قابل
 ایسی نگاہ کی کہ ہوسے ہائے ہم تمام
 تیری شکار گاہ میں صید حیرم تمام
 داغ جوں شمع کسی کو نہ دکھادیں گے ہم
 جی کے مرجا دیں گے کچھ منہ پہ نہ لادیں گے ہم
 دو ہیں نکل کھڑے ہوں مرے مردان چشم
 آہ ظالم طیش دل نے کیا کام تمام
 ہوتا ہو جسگر کباب تجھ بن
 رشک مر و آفتاب تجھ بن
 دل ترے ہاتھ سے دم بھر مجھ آرام نہیں
 وہ جو کالی ہو نصیبوں کی سوکھا جاتے ہیں
 جو عقد ہیں شکل سوہم جانتے ہیں
 مجھے لوگ نقش قدم جانتے ہیں
 ہم ہیں عاشق تے دونوں پہ سخن رکھتے ہیں
 میرے روئے پہ لوگ ہنستے ہیں

تلوار سے اُس کی جو مرا کام نہ ہوتا
 آغاز محبت میں اگر جان نہ دیتے
 تجھ کو مدام قتل کا سامان ہی رہا
 جس کی نظر بڑی ترے عارض پہ ایک بار
 شکر خدا کہ دستِ جنوں کے لٹیل میں
 اس کے ہنس بولنے پہ پھول گیا
 ایک بہ یک شام کو وہ یار جو گھر سے نکلا
 سنتے ہیں بڑا کاٹ ہو تلوار کا تیری
 دامان مرتے مرتے بھی آنسو سے نم ہوا
 ہو بدگمان سخت وہ دھڑکے ہی دل مرا
 شب کو شلِ شمع تو روتا ہو کیا
 داغِ دل تو ہو کسی کا یادگار
 دل مرا خون ہوا حسرتِ بالوسی میں
 ہو گئے دیکھتے ہی اہودے خمدارِ شمشید
 کہتے ہیں آئینہ محل اس دل کو کہ خسریہ
 اہلِ نعلِ مانجھوں سے ہلا ہیں یہ خوب رو
 اس کی بیاض چشم کی خوبی میں کیا کہوں
 ایک اس چشم کو سفید نہ کر
 بڑا بشتِ بام پر مت آ
 مزار پر بھی نہ آیا وہ گھوڑا رافسوس
 چلا ہوتا تھمرے گور میں دلِ سوزاں

تو زیر میں بھی مجھے آرام نہ ہوتا
 یہ کام کسی طرح سے انجام نہ ہوتا
 میں جب تک جیا مجھے ارمان ہی رہا
 مانند آئنے کے وہ حیران ہی رہا
 دامان ہی رہا نہ گریبان ہی رہا
 دل مجھے اس کا جو بھول گیا
 لوگ حیراں ہو یہ چاند کہ ہر سے نکلا
 اک ہاتھ مے سر پہ بھی مار نہ دیکھا
 جیوں شمع عمر بھر مرا روتا نہ کم ہوا
 بھولے سے بڑ گئی نظر اُس پر ستم ہوا
 صبح تک تو دیکھ لے ہوتا ہو کیا
 آنسوؤں سے تو اُسے ہوتا ہو کیا
 گو کہ سر سبز بولن ظاہر میں حنا کی صورت
 آگئی دل کو ہلکے تویہ تلوار پسند
 رہنے کو تیرے خوب ہو ظالم یہ گھر خرید
 تو آپ اپنے واسطے آفت نہ کر خرید
 موتی کسی نے بھر دیے ہیں کوٹ کوٹ کر
 دیدے اُس کی نا امید نہ کر
 آپ کو شلِ باہمید نہ کر
 نصیب میں ہی نہ تھی اپنے یہ بھلا فوس
 جا بکھارتی مجلس میں شمع وار فوس

گھر سے آنے کے مانند سداے نالائے
 رب ہم اس کے اب کو چے میں جاو جبر کا جی چاہے
 مجھے کیا اپنی تیغ لکشاں گردوں دکھاتا رہے
 کشتہ تیغ نگہ تھے زلف کے ماروں میں تھے
 اک طرف ہم تھے چہیں میں دل گرفتہ غنچہ سراں
 کچھ رفاقت نہ کی جوانی نے
 چہیں سے بیٹھے کہیں نہ دیا
 رات اس سنگ حل کو بھی نالائے
 نالائے خیال دے صنم جس کے دل میں ہو
 تیرے ہی آستانے پہ ہر پھر کے آ رہے
 معلوم تیرے بد برد نالائے کا بولسا
 کل بات شمع دیکھ کے تجھ کو گھسل گئی
 محفل میں تو جو آیا تو وہ نہیں تری نگاہ
 گرا ایک وہ مول داغ تو مرہم لگا ئیے
 آنکھیں پر آب خاک بسر جیب چاک ہو
 رحم نہ جی چاہے ستم کیجیے
 بولوں جو محفل میں تو میری زباں
 برگ خاک کا رنگ سے دل خون ہو گیا
 بتوں کے صوبے پہ کب تک کوئی نگاہ رکھے
 کسی طرح ہی کرتے قتل وہ مجھے نالائے
 گل سے ہر ایک نے اس باغ میں داماں بھرے

میں تو بیدار رہا کون سی شب کچھ لگی
 بزرگ نقش پا بیٹھے اٹھا ہے جس کا جی چاہے
 کمر نہ پیں باندھی ہوئے جس کا جی چاہے
 الغرض جوتے سو تھوٹے تو گنہگار دل میں تھے
 اک طرف جوں گل شگفتہ آپ بختیاروں میں تھے
 آلیا ضعف ہونا تو اتنی نے
 مجھ کو تیری ہی بدگمانی نے
 کیا ڈالیا تری کہا نی نے
 رکھ رکھنے میں اپنی وہ قرآن کیا کرے
 دیکھا ہو جس نے تجھ کو سون دیکھے کیا رہے
 تو قتل بھی کرے تو وہ منہ دیکھتا رہے
 اے یار کیا کول کمری جان جہل گئی
 تلوار سی ہر ایک پر اے یار چہل گئی
 چھاتی تمام داغِ تنہا سے پھل گئی
 نالائے یہ کیا ہوا تری صورت بدل گئی
 ہم سے ملاقات نہ کم کیجیے
 ختم کے مانند قلم کیجیے
 میرے لوسے ہا جب ان کے ڈولے
 وہ ایک جھوٹے میں کا فر خدا ہناہ رکھے
 میں اس میں راضی ہوں میری سرگناہ کے
 ایک کم نخت مگر ہم چلے ارمان بھرے

تیری زلفوں کی کچھ نہیں تقصیر
جائے کس کس کے کئے ہر عیادت نالائے
کالیاں کیا تھیں کو آتی ہیں
تیری اس چشم کے بیمار تو کم جیتے ہیں
ہنسی غم نے تو کب کا ہی جلا یا ہوتا
مری جاویں گے شب بھر ہی دروز وصال
میں انکب چشم سے جو کروں تجھ کو ترزیں
مزا ہوں گو کہ آندوئے وصل یار میں
کون سا تیرا زیا نہیں
کس کے سینہ میں شعلہ دیول کا
تو ہی بسے ہر دل میں نظر میں دھیلن میں
خاک کر ڈالے اگر گردش دوراں مجھ کو
گل مری چشم میں پڑ مردہ نظر آتے ہیں
انکب آتے ہیں چلے کھٹ جگر ساتھ لیے
لے چشم را عشق کو افشا نہ کجیو
پیر آئینہ شباب دہاں سے لے نا نہ
گر مری حسن بتاں لے کیا دل کا یہ رنگ
عشق نے چاہا کہ ہو خون مرا اُس کے ہاتھ
یوں ہی نہیں بدامری اُس دھوکہ خور سے
ماندا آئے کے جو بیٹھوں اٹھوں نہ میں
سگئے طالع بد اور ہاں ہے یلب

آپ سے آپ لوگ بچتے ہیں
کون اُس چشم سیہ مست کا بیمار نہیں
میں بھی منہ میں زبان رکھا ہوں
کیا سبب ہے لے مری جان کہ ہم جیتے ہیں
تیرا باعث ہے حواس دیدہ خم جیتے ہیں
درمیل تیرا جیت کہ قدم جیتے ہیں
پیدا بیکلے دانہ ہو تھ میں گہر ز میں
لیکن ٹپے ہی روز مرا انتظار میں
جو کبھی کے دار پار نہیں
ایک دو دماغ یاد گار نہیں
دیکھا نہ دوسرا کوئی تجھ سا جہان میں
ہو میسر نہ ترا گوشہ داماں مجھ کو
جب سے آنا نظر اس کا لب بخداں مجھ کو
تنگ آوے ہی نظر و صحبت داماں مجھ کو
ناحق کسی غریب کو دوسوانہ کجیو
مرا دل انتظار میں ایسا نہ کجیو
جس طرح بانی کریں شیشے گراں شیشے کو
حسن نے کھینچ کے وہی تیغ جفا اُس کے ہاتھ
درگزر لے ہم نہ عجز سے نہ وہ غرور سے
تو جب تلک اٹھانے لے اپنے حضور سے
یہ بالیں یہ جب یا مری تباہ لگی

۲۴۳
چاہے ہر جی تو یوں تجھے ہر آن دیکھے پرکب خدا دکھائے ہے لے جان دیکھے
تہا تمھارے عشق میں نالائیں نہیں خراب آئینہ لے کے زلف پریشان دیکھے
دوستی تجھ سے کی کہاں کہ تجھے دشمنی ہو گئی زمانے سے
تجھ کو نہ کروں جدا نظر سے ڈرنا بولوں میں اپنی چشم تر سے

ہیں ہیں قابلِ شہسیر کیا زمانے میں تمھارا چاہنے والا تو ایک عالم ہے
نظامِ امش شہاب الدین خاں و مخاطب بہ اعتماد الملک بن غازی الدین
خال فیروز جنگِ شیر، آصف جاہ نظام الملک است، بعد احمد شاہ بوساطتِ ذاب و وزیر
صفدر جنگِ مخدوم امیر الامرا شد۔ و بزمانِ عالم گیر ثنائی خاں خود رکشتہ خدمتِ وزارت
یافت۔ آخو باعثِ بکرمِ نیلا سلطنتِ ہند گردید۔ در تہودِ یو مہارتِ بعضے فنون
متناظرانِ خطراتِ خوب می نویسد و زبانش با محاوراتِ آشنا ست۔ در نیو لاسموس
شد کہ بہ زشتی اعمالِ خود بہ طرفِ سند بہ پریشانیِ بسری بردار است

دل گرمی بنگاہ سے بے تاب ہو گیا جب تک اُسے میں تھا مولِ جگر آب ہو گیا
زلف کا کھولنا بہا نا تھا دعا ہم سے منہ چھپانا تھا

نعمتِ دہلوی، امش نعیم شاہ با محمد حاتم ہم عصر وہم فکر بود۔ وے راست
اس وقت تک کہ یاد گوشتار نہ کیجے گا اس فتنہ عالم کو سیدار نہ کیجے گا
احوالِ مراحم کے کہنے لگا وہ ظالم اب چاہیے بس زیادہ تکرار نہ کیجے گا
خیال کر کے تری موکر کو روتا ہوں وہ کیوں نہ روئے بٹھے جس کے بالِ اکھوں میں
دیکھ آئے خلتے ہیں گر تجھ کو نہیں باور تجھ سے تو جہاں میں بھی دلدار بہت ہوں گے
میر غلام نبی بگرا می خواہر زادہ میر عبد الجلیل در علم سنسکرت بے مثل وقت خود
بود۔ دو ہزار پانصد و ہرہ و کبت تصنیف کرو در سین تخلص داشت۔ با مولف را بطہ

دوستی بدجہاتم بود و ہر روز در دلی اتفاقِ قاتات می شد۔ در جنگِ احمد خان افغان

ہر ہی خون کے جی کو یہی دھرو کا ہو
 یوسف کی طرح دل کو مرے اُن نے لے لیا
 ہمراہ ترک بہ نہ گئے یہ دل و جگر
 عاشق ہوے جفا کے سزاوار ہو چکے
 رہے گی تابہ لب گو گفتگو تیری
 جودہ رکھے نہ تجھے رو بروئے آئینہ
 کاوش ہر تری چشم کوئے یار بھی سے
 شانے نے کسی کو مدد کھا زلف میں تیری
 اب تو ایدھر ہی تری تیری رہتی ہو نگاہ
 بسان شمع لے نالوں یہ داستان تیری
 خون جگر کے شاکی ہیں دامن دامنیں
 چلنے کو تو یہ آہ چلے تیرے آگے
 ہر چہ اسے باز میں کہتا ہوں لیکن
 زنجیر میں ہوئے تو کسے توڑ کے نکالے
 میں آپ جل رہا ہوں لہذا خدا کوست
 اُس پہ تہا دل نالوں ہی نہ دیوانہ ہو
 دل میں اپنے نہ کسی طرح کا ارباں رکھو
 غیر کے مرنے کی شادی ہو مجھے کیا نالوں
 وہ مہر و خشاں جو مرا بام پر آوے
 نہ دیکھو نہ اہاں ہو نہ دل ہی نہ جگر ہو
 چکے رہ جائے کچھ سن کے تو رسوائی ہو
 کہ مہلا کوئی غماز ترے کان بھرے
 آپس میں ماتھے ملتے غریب ار رہ گئے
 میری نفل میں دینے کو آزار رہ گئے
 سر قتل مشوق سے کہ گنہگار ہو چکے
 ہمارے جی سے نہ جاوے گی آرزو تیرا
 رہے نہ بزم جہاں میں بہ آبرو تیری
 الجھے ہر تری زلف بھی ہر بار مجھی سے
 گر رہ بھی گئے ہوں گے تو دو چار مجھی سے
 راستی یہ ہو کہ ہم کشتہ احسان ہوے
 کسی کچھ بزم میں کٹوائے گی زبان تیری
 جب سے خدنگ یار مرا میہمان ہو
 بے سخت پشیمان ہو زائیر کے آگے
 ہو جاف ہو ذیل دم شمشیر کٹ گئے
 باجہ ہو دل زلف گرہ گیر کے آگے
 لے شمع دو در جل مری لوح مزار سے
 جس نے اُس شمع کو دکھا ہو سو پروا نہ ہو
 بے تکلف مجھے فرماؤ جو فسر ماٹا ہو
 ایک دن مجھ کو بھی اس بزم سے ساٹھ جانا ہو
 خورشید کی آنکھوں پہا بھی اٹک بھرا آف
 کیا نذر کروں میں جو کبھی وہ ادھر آوے
 بول اٹھے تو وہ کتا ہو کہ سودا لی ہے

نظارے سے دجگت کو نہ ہو وہ آنکھوں کو
 دیکھے ہو جو کوئی پیارے کی بار تری صورت
 یا بار و دشمن ہو یک جا قاصد اب میر پیام
 اس طرح کیو کہ دھال آگاہ یہ بھوہ نہ ہو
 کہاں مجال کہ تم سے کہیں کہ یہاں رہے
 مزاج خوش ہو جہاں ملک کا دہاں رہے
 عیش و عشرت چھوڑ گئے ہم مررتب تو رہا
 لے غم ساز پیارے ہاں تری کیا بات ہو
 حسرت دل کے سوا یہاں سے نہ لجاوین
 ایک دن دست تھی ہم بھی چلے جاوین گے
 نے شبہ دل اپنی امانت اے مہرواں
 لگ جا کہیں نہ ٹھیس پھروں میں کہاں لیے
 نجات دہلوی امش شیخ حسن رضا بعد دیرانی شاہ جہاں آباد وار عظیم آباد
 گشت و مدنتے با حاجی احمد علی قیامت تخلص بسرو۔ از چند سال الحال در دہ ہے
 از دہات سرکار سارن سکنی اختیار نمود۔ مرثیہ سید الشہداء علیہ السلام بنیتر می گوید۔

از دست

کوئی عنوان نہ دیکھ کفر و اہل میں جدائی کا
 ہر کہبت میں نظر آیا ہیں جلوہ خدائی کا
 کیا ابر ہو خوب کیا ہوا خاطر خواہ
 کیا بزم ہو کیا سانی مخمور نگاہ
 اس وقت میں سامنے سے شیخ آتا
 لا حول ولا قوت الا باللہ

نزار امش خواجہ محمد اکرام از شاگردان تقی میر است۔ از دست

کیا کیسے غرض صبر کا مقدر نہیں ہو
 اک نہ خم نہیں دل پہ کہ ناسور نہیں ہو
 ہر طرح کی باتیں ہیں تری بزم میں پرایک
 افسانہ مرے حال کا مذکور نہیں ہو
 آتا ہو تو آجا مری بالیں پہ وگر نہ
 کوئی دم کو سنے گا کہ یہ بچو نہیں ہو
 نیا ز امش میر افضل علی از موطان شہر عظیم آباد است بسبب کنت شعر نمی

تواند خواند کلامش با وصف شکستن زبان درستی و قوت دارد۔ از اشعار دست

جھانے دھر سے دل ہو ہزار تنگ اپنا
 بزمِ غنچہ مہبل نہ ہو دے رنگ اپنا
 نیاز رنگ رخ مہوشاں لگے اُرنے
 دکھا دے جلوہ اگر وہ بتِ فرنگ اپنا

برفاقت والا منفور بہ دلادری کشنہ شد تخلص اونچی و این رباعی رنختہ از دست

از بسکہ حیا دوست ہر وہ مایہ ناز اس طرز سے ہو اُس کے سخن کا انداز

خانے کی زباں سے جیوں نکلتے ہیں حرون برکان ملک نہیں پہنچتی آواز

نشار اکبر آبادی اشش میر عبدالرسول اجلادش منصب داد فرخ سیر بودند و او

ستیدہ خصال و در مدار تقی تیر و دو از صحبت ایشان طبعش موزون گشت۔ وے راست

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کے نکل جاویں گئے ہم یہ گریباں دامن صحر کو دکھلا دیں گئے ہم

تمکد یکم لے جن میں کبہا ہر ڈھنگ تجھ بن منھ سے اڑا ہر گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن

ہر سمت حدت تازہ پیچے ہر خاک و خوں میں ہر صحن خامیر میدان جنگ تجھ بن

انتہا شوق کی پاؤں تو کھوں لے قاصد کیو کچھ حال زبانی جو تجھ یاد آوے

نشار تخلص دہلوی ناش سرد شکھ طبعش موزون است۔ از دست

کیا سنگار رجانے کو کس کے تو نے چشم سکہ بالی بال میں دھڑلک کے پڑے ہیں

مہدیم دہلوی ناش شیخ علی قلی استلا اشرف علی خاں فغان اکثر در شہ و سلام

حضرت سید الشہداء بربلن رنختہ می گفت۔ و درین فن خود را از شاگردان میر عبداللہ مسکین

می شمرد۔ راقم مدہلی ایشان ملا اکثر دیدہ بود۔ بعد نواب میر محمد جعفر خاں از مدہلی بر شہ آباد

آمد و ہم در آن عہد از جہان گزشت بگاہے رنختہ ہم می گفت۔ ادا است

بے قرار عشق کو ہر زندگی نقص کمال مرچکے سیما تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہر

مادر دہلوی ساکن کوٹلیہ فیروز شاہ کم سخن و پاکیزہ گو بود، و بعد محمد شاہ مرحوم

در مدہلی بسر می برد۔ وے راست

لبشی ہی جاہم چہرے پہ خورشید و کندن اتنی بڑی ہوئی ہر پہ ذرہ شعور نہیں

زلزلہ کو کنا پریشان عقل کی دوری ہر یہ ہر گروہ میں دل بھی اُس کی کانٹھ کی پوری ہر یہ

میر احمد علی نالال شاگرد مرزا نفع سودا در مرشد آباد بسر می برد۔ از دست

حرف الواو

وکی دکنی آتش شاہ ولی اللہؒ خراسی دکن مشہور و ممتاز۔ اولیٰ کسے است کہ
دیوان داد و دکن آشتیاریافت و رواج ز تختہ داد۔ در فصاحت و دیوانی کا مشہور
است۔ دیوان بلاغت جہانیش سہ ہزار بیت در نظر است۔ از منتخبات ابیات شسترہ
وصاف اوست

خدا نے کلمہ پرتے باب حسن باز کیا	قد بلند کو حیرے تمام ناز کیا
بہر میری خبر لینے کو صیاد نہ کیا	شاید کہ مرا حال اسے یاد نہ آیا
مرسدل کی جھلی کیوں رہے پوشیدہ مجلس میں	ضعیفی سوں ہوا پریدہ فانوس تن میرا
دہ صنم جبے بہادیدہ حیران میں آ	آتش عشق لڑی عقل کے مسلمان میں آ
نازد تیا نہیں مگر رخصت گلگشت جمن	لے جن زار حیا دل کے گلستاں میں آ
حسن تھا پردہ تجرید میں سب سے آزاد	طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ
لے شوخ تجھ میں ہوں کبھا نگاہ کر کے	عاشق کے مارے کا انداز ہو سراپا
طاقت نہیں کہ حشر میں ہو وہ داد خواہ	جس بے گنہ پہ تیری نگہ سوں ستم ہوا
جن نے دیکھی ہو تجھ نگہ کی تیغ	پھر کے جینا اسے حال ہوا
ہوا ہو دل مرا مشتاق تجھ جنم شرابی کا	خوابانی اُپر آیا ہر شاید دل خسرابی کا
تجھ مہر کا ہوا ہو دل و جاں سے ششتری	جب سوں تھے جمال پہ مہنے نظر کیا
معین گلشن میں جب خروام کیا	سرو آزاد کوں غلام کیا
غزہ شوخ نے بہ نیم نگاہ	کام عشاق کا تم کیا
وہ بھول ہم سے کیوں نہ ہو باکی	اے نو نے جسے سلام کیا
کشور دل کو ترے ناز نے تسخیر کیا	فوج غنوں کو تری زلف نے زکیر کیا

خاکساروں کو نہیں درکار کچھ بستر سفید
 آہل جوہر بھر زمیعا ہو ویں کب محتاج غیر
 اُن کو دکھلائے کفن کی ہم سفید دل کے بہار
 خاک میں کیوں ملا دیا مجھ کو
 تیرے دل میں اگر غبار نہ تھا
 یہی خوف رہتا ہے بسل کے دل میں
 تر تم نہ آٹا ہے قاتل کے دل میں
 کو اُس سے منکر ستم کا نہ ہوئے
 سلامت ہی نکالیں بی بی کے دل میں
 سو لو خال سے تیرے، نہ لگ زنگ لگے
 ننگ کو رو کو ترے کھوپڑی زنگ لگے
 بزرگ گل نہ مٹے شست و شو سے لے قاتل
 مے لہو کا جو دامن میں تیرے زنگ لگے
 یہاں تک فلک اپنا ہوا ہے دشمنِ منش
 چھاپا تلخ جنگ میں شیشہ تو وہاں بھی لگے
 میں اس تقدیر ہوں کد رک اپنی صورت کے
 مقابل آئے، امیر ہو تو زنگ لگے
 میں انتظار میں مر جاؤں گا نیاز اُس کے
 خدا خواستہ قاصد کو وہیں درنگ لگے
 سراپا آبلہ ہر دم چلا ننگ جفا دل پر
 کوئی توڑے ہے ظالم خوشہ انگوڑے سے
 یہ ہو نہیں سکتا کہ نہ دول اُس کو دل
 دیتا ہوں تو ہوتی ہے خرابی حاصل
 کیا کیجیے کس طرح کنارہ کیجیے
 یوں بھی مشکل ہے اور ووں بھی مشکل

نحیف معلوم نہ شد کہ از کجاست۔ وے راست

مسجد سے نکل دیر میں زاہد تو آ
 ممکن دیکھ تو ہے بتوں میں جلوہ کیا کیا
 وہ آن میں دیتے ہیں دکھا اند کو
 کہتے ہیں کہ دیکھ اس کو کہتے ہیں غلا
 دلاور خال زیر نگ شاگرد مصطفیٰ خال یک رنگ چند سے زیر نگ تخلص می رود

وے راست

فراد کو عننت کی تلخی نہ کھو ہوتی
 شیریں کا جو اک بوسہ شاگرد آلود

سو قلم بے ہاتھ میں مانی ہنوز

بجھتا نہیں ہر باد صبا سوں چراغ نگل
استاد ملبسوں کے ہیں ہر یک جن میں ہم
جلتے ہیں تب سوں شمع نطاس لگن میں ہم
کا جل ہو جا بے ہیں سخن کے نین میں ہم
چھتے کی کمر پر قلم موسے لکھا ہوں
برجا ہو ناز میں کو عاشق پہ ناز کرناں
اس واسطے بجا ہو مطرب سوں سا کرناں
بے تکلف صفحہ کا غنچہ بیٹھا کروں
کس طرح اس غنچہ بند قبا کو ڈاکروں
خود بخود رسوا ہو اس کو پھر کیا رسوا کروں
سرو قد کو دیکھ سیر عالم بالا کروں
اُس کا کفن ہو رشتہ شمع نگاہ سوں
اس بے حیا کی چوب زبانی کو دیکھ توں
تیرے نین کا عکس پڑے گر شراب میں
مخل نے اس صفا کو نہ دیکھا ہو خواب میں
موتی ہوا ہو غرق تجھے دیکھ آب میں
بٹھا ہو آفتاب مکمل بہتاب میں
حاجت نہیں چراغ کی میرے بوق میں
آر سی شمرہ عالم ہو پرسی خوانی میں
زلزلت دلمارے ہر سر ہو پریشانی میں

تجھ کمر کو دیکھ حیراں ہو رہا
معشوق کو ضرر نہیں عاشق کی آہ میں
ہیں داستان عشق ہمیں یاد کئی ہزار
اُس شوخ شعلہ زنگ سے جبک لگن لگی
ہر چند جبک کے نخت سیاہوں میں ہیں لے
لے مئے میاں وصف تے مئے میاں کا
دل لے گیا ہو میرا پھر مانگتا ہو جی کو
شاید غزل وکی کی لے جاؤ اسے سناؤ
خوبی اعجاز حسن یار اگر انشا کروں
جیوں سیم اب تک سبکو دجی مجھے مال نہیں
کیا کہوں تجھ قد کی خوبی سرو عریاں کے حضو
آرزو دل میں بھی ہو وقت مرنے کے وکی
بر روانہ دار عشق میں تیرے بوجی دیا
خوبی میں شمع آگے ترے دم زنی میں ہو
اک جام میں دو جبک کو کرے ست و بے خبر
رخسار دلربا کا صفا کیا بیاں کروں
تجھ حسن آبرار کی تعریف کیا کہوں
لے دل ثناب چل کہ تماشا کی رات ہو
رکھتا ہوں شمع آہ سخن کے فراق میں
دل نے تسخیر کیا شوخ کو حیرانی میں
دل بیتاب کہ اک آن نہیں اس کو قرار

بیچ سوں نقد دل عاشق بے تاب کو لے
 عیاں ہر ہر طرف و عالم میں حسن بے حجاب رکھ
 موج زخار نے تجھ قد کی صنم
 گر یہ و گردِ طامت سے وکی
 نہیں کوئی سنے احوال میری دل فکری کا
 عجیب نہیں اٹھ کے بنیابی سو سرائے کنار پر
 اُس کی تعظیم ہوئی اہل جنم بد لازم
 یاد کرنا ہر گھڑی اُس یار کا
 نجات سے گریبان میں ہر غنچہ رکھے سر
 اُس ناز میں کی جب سستی دکھا ہوں چھت
 جانا ہو دن تمام اُسی کھ کی یاد میں
 بچے کا کب تک لٹھایا دل درِ حشرت سیا
 سینے میں ہر تجھ ابرو سے پوست کی نشست
 کیونکر بکھوں میں دل کو کوئی اپنے کھینچ کر
 بزرگ صافی دل کیوں نہ ہو صفا سے قدح
 کیا ہو دفع مرے درد سر کوڑنے نے
 نہ کر سوال مرے درد کی حکایت کا
 لے سو خراں تو نہ جا باغ میں جل کر
 لے جان دلی لطف سوں آبر میں مے آج
 آرسی دیکھ کر نہ ہو مغسور
 شرم سے تجھ کلمہ کے اے دیا حسن

زلف سوں اپنی پری رونے گرہ گیر کیا
 بغیر از دیدہ حیراں نہیں جگ میں نقاب رکھا
 سرو آزاد کو زنجیر کیا
 خانہ عشق کو قیصر کیا
 کہوں کس سگریاں جا کدو دکھ بے قراری کا
 سگر با جوار یا ہمارے اشک جاری کا
 بلبل باغ نے جب مصحف گل یاد کیا
 ہو وظیفہ مجھ دل بیمار کا
 گر باغ میں مذکور ہو اُس تنگ دہن کا
 دل میں مے خیال ہو تب سوں عجب عجب
 ہوتا ہو فکر زلف میں احوال شب عجب
 نگہ کا دام لے آتا ہو وہ صیاد ہر ساعت
 جیوں تیر دل میں ہو نگہ مست کی نشست
 نہیں دست اختیار میں تیر عثمان آج
 کہ دست آئندہ رہی دام جاے قدح
 ہوا ہو حق میں مے خون دیدہ صندل سُرخ
 کہ مجھ زباں پہ ہو حاضر جواب کے مانند
 مت قمری و شمشاد کے سوئے میں غل کر
 مجھ عاشق بے کل سستی مت وعدہ کل کر
 خود سنائی نہ کر خدا سوں ڈر
 چہرہ گو ہر پہ ہو پانی ہنوز

بھواں تیغ و پگبک خنجر نگہ تیر
 یہ کس کے قتل کا سال ہو اہو
 مراد دل مجھ سے کر کے بے وفائی
 پسند خاطر خواہاں ہو اہو
 مست تیرے جام لکبا باغ میں ملا رہے
 بے خوی کا ہاتھ میں اس کے سہا پلا رہے
 ہر جا و شاق کی خاطر اگر ناشاد ہو
 غمزدہ خو نخواستہ لم بر سر مہمیداد ہو
 ایک دم تجھ بھجریں لے دلربا تنہا نہیں
 ہونس و دمناسز میرا آہ ہر فسر یاد ہو
 سرو کی وارستگی او پر نظر کرے دلی
 باوجود خود سنائی کس قدر آزاد ہو
 ہر صنم تسخیر دل کیونکہ کریں
 دلربائی کو ادا درکار ہو
 کیا کہے حیراں تری تعریف لے آئینہ رو
 موبہ موتیرا سراپا ناز سخی تصویر ہو
 سراپا ناز ہو تو ہی پری رو
 مجھے تیرے سراپا کی قسم ہو
 بنوم کو رونق دیا ہو جب سہوہ عالی مقام
 رشتہ آوہ دل بیتاب تار سار ہو
 عشق میں شمع رو کے جلتا ہوں
 خل غیر اسبھوں پہ روشن ہو
 باغ ارم سول ہو بن خوشتر بڑی گلی ہو
 ساکن تری گلی کا ہر آن میں دلی ہو
 قد میں تیرے وہ خوش خرامی ہو
 جس میں تجھ ناز کی تمامی ہو
 موبہ میں تجھ غم سے ضعف و ناتوانی ہو
 نمک کرم کرو پیارے وقت میری بانی ہو
 لے عزیزاں مجھے نہیں برداشت
 فیض ہوں تجھ فراق کے پیارے
 کیا نہ ہو حاصل دم آج مجھے
 سنگدہل کا فراق بھلا دی ہو
 بسکہ ہوں تیری جدائی سے ضعیف
 کیونکہ بیٹھوں گوشہ آرام میں
 چشم نگہاں کا کام جباری ہو
 من گلی آنکھوں نے کیا جادو مجھے
 مٹ تصور کرو مجھ دل کو کہ ہر جانی ہو
 آرمی دیتی نہیں ہو رو مجھے
 چمن حسن پری رو کا تماشا نئی ہو
 کھینچتا ہو وہ کہاں ابرو مجھے
 گلہ گر ہیں سے جائزہ دارانی ہو
 گلہ خال کیوں نہ کہیں تجھ کو سکندر طالع

ایسے نصیب میرے کہاں ہیں وہی کہ آج
 یہ پھر کے دیکھنا ترا مجھ دل پہ گھات ہو
 جو پی کے پیارے نام پہ جی سے خدا نہیں
 اسے جان و نور دیدہ ترے انتظار میں
 یک نگہ میں غلام کرتے ہیں
 شرمی و ناز سے عشاق کو حیراں نہ کرو
 صحبت غیر میں حسیا نہ کرو
 دل کو ہوتی ہو سخن بیتابی
 نہ دو آرام میرے دل کو لے آرام جاں سمجھو
 تمہارے نین نے زخمیں کیا تیرنا فل سے
 تجھ کہہ بہ جو اس خط کا اندازہ ہوتا تازہ
 عجب کچھ لطف رکھتا ہو شب خلوت میں گلو
 گریاں ہو ابر چشم مری اشکبار دیکھ
 مراد مل پڑو اے کے تمہا شوق چلے کا
 جی جل جل ہوا ہو سخن تیری جال دیکھ
 تیرے نین کا دیکھ کے میخا نہ آئسہ
 دیکھا ہوں جسے وہ مبتلا ہو
 گر تجھ کو ہو عزم سیر گلشن
 قفا فل نے ترے زخمی کیا دل
 نہ ہے اس کے قد کو دیکھ بکھا
 مو ہو اُس کو ہو پریشانی
 اُس گلاب دن کو اپنے گلے مار کر رکھوں
 تیری نگہ کے رمز کو اُھل کیا ہوں میں
 راضی کسی طرح سستی اُس سے خدا نہیں
 مدت ہوئی پلک سول پلک آشنا نہیں
 خوب رو خوب کام کرتے ہیں
 گردش چشم کو غارت گریاں نہ کرو
 درمندوں کو کر دھا یا نہ کرو
 زلف کو ہاتھ لگایا نہ کرو
 یہ خوبی کچھ سدا رستی نہیں لے سہریاں سمجھو
 کرو گے کب تک یہ ظلم لے ابو کہاں سمجھو
 اب حسن کے دیاں کا شیرازہ ہوتا تازہ
 خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ
 ہو برق بے قرار مجھے بے قرار دیکھ
 لگی اس شمع سے آخر لگن آہستہ آہستہ
 دل جا بڑا خل میں ترے کہہ بہ خال دیکھ
 ہو تجھ نگاہ مست کا دلیا نہ آئسہ
 خواں کی نگہ نہیں بلا ہو
 دروازہ آرسی کھلا ہو
 تری بہ کہ بکھا ہی نہ بچا ہو
 سر و جبین پیلے بر جا ہو
 زلف مشکیں کا جس کو سودا ہو

رباعی مستزاد

ہم رے بغرب ہوئے ساجد کس کو کمال اللہ
ہندو نے بشرق کیا سجدہ اس کو، در وقت بیکاد
اس ضد سے مقابل ہو گئے مسجد میں درین دوئی
اب کیکھ لو یہاں سجدہ کس کا کس کو اللہ اللہ
وارث الہ آبادی مسمی بہ محمد وارث بہ خوش بیانی موصوف و صفات نیکو

معروف بلند۔ از سخن ہائے اوست

یاد میں اس کی پلک سیتی نہیں لگتی پلک
جاگتے گھر چور سا آ کر کے پھر جاتا ہے خواب
روتے روتے بوند لو ہو کی مے تن میں نہیں
جو لے رگ گل قابل نشتر نہیں نصا د ہم
بتا تو ہاں میرے ظالم بزرگ نفس قدم
تری گلی میں کون گھر کے پھر، ٹھا بھی ہو
ولی دہلوی لائش مرزا محمد ولی برادر زادہ شاہ اسرار اللہ در بلوہ مرشد آباد

اقامت دارد۔ اشعار متاز اوست

نشے سے سراپڑ مردہ دل گلشن ہوا
یہ چراغ مودہ فیض آب سے روشن ہوا
دل تجھے منظور ہو اس کا اگر دیکھنا
جان سے دھو ہاتھ کتب تو ادھر دیکھنا
زلف کو ہر کھولتا اپنے وہ منہ پر دلی
ملے ہیں آپس میں اب شام و سحر دیکھنا
آہ کا اس کو کچھ اثر نہ ہوا
میرے اس نخل میں ثمر نہ ہوا
بے کسی پر مری کبھی کوئی
تجھ بن اے نالہ نوحہ گر نہ ہوا
کیا تمنا اس شکر لب سے تو رکھتا ہو دلی
بو گیا فریاد کا شیریں سے آحکام سیج
تھی آشرانہ تیغ سے اُس کی کمر ہنوز
میر کا زبان ترس نہ ہوتا زہر کام خشک
ہم تب سے ہاتھ پر لیے چھریں ہر ہنوز
کب سبز آب تیغ سے ہوئے نیلہ خشک
کبھی جو زلف اٹھاے تو منہ نظر آئے
اسی امید میں گزرتے ہو صبح و شام ہمیں
عیاں گر کروں دل کے سوز نہاں گو
گلے آگ جوں شمع میری زباں کو
ہر سے زیادہ رشتہ الفت ہو مخضر
ایسا نہ ہو کہ اس میں پڑے اب خدا گرہ

دل بیتاب ہو تجھ زلف لٹکائی ہو

کوچہ زلف ہو یا گوشہ اتھنائی ہو

ہو خیال چشمِ خواہاں بادۂ محکموں مجھے

ہرگز کسی نے ناز کی صورت نہیں کبھی

کماں آغوشِ جیو نہ کر کھولتی ہو تیرے آگے

مگھزار میں غنچوں کے دہن پر سخن آوے

آواز میری آہ کی پھر ناگن گئی

جس کی طرف صنم کی نگاہ میں گئی

جیوں شمعِ انتظار میں ساری رین گئی

کرتی ہو نظر تجھ قیدِ نازک پہ گرا نی

بیارے تری باتِ پیاری لگے

رقیبوں کے دل میں کٹاری لگے

اُس کو خوش وقتی ہو صبحِ عید کی

موج ہو چشمِ خورشید کی

عالم کو قتلِ عام کیا اک نظرِ سستی

تا شا دیکھنے اس کا ہر اک سینے میں مچلے

گردشِ چشمِ عینِ طوفاں ہو

ولایتِ تخلص میر ملایت اللہ خاں ابن میر باقی خوشی از فرزندانِ خواجہ

جعفر و برادرِ مہین میر عثم علی خاں شہرت و سید عالمی مقدارِ بودہ در سنِ پیری لہر دہ

دہلتِ نواب شجاع الدولہ مغفور رحلت کرد - از دست

یہ سہی کی ماری دکانِ سچا ہوں

یاد کر تا ہو سدا مصرع زنجیرِ جنوں

اے دلی بہنے کو دنیا میں قائم عاشق

کشتہِ منت نہیں مہتابِ سرکش کا کبھی

تنبویر تیرے قدم کی مصور نہ کلمہ کے

کھلا یوں دل مرا تیری نگاہِ تیر کی خاطر

جس وقت تبسم میں وہ رنگیں دہن آئے

نہ دد و غم کی بات میری آج بن گئی

تا حشر اس کو بدوش میں آنا حال ہو

اب تک دلی پیانے دکھا یا نہیں درس

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہو تجھ کو

ہر اک وقت مجھ عاشقِ پاک کو

دلی سوں کے تو اگر اک سخن

جس کو لذت ہو سخنِ کسود کی

زلف نہیں تجھ کبھ پہلے دریا حن

آبادہ شوخِ باندہ کے خنجرِ کرسی

اگر دلہارا ہر گھروں اپنے یک قدم بچلے

رخِ ترا بجو حسنِ دلفاں موج

فقط دل نہیں بلکہ جان بچتا ہوں

یہ سہی کی ماری دکانِ سچا ہوں

پندید کہ شعرا است دوست راست

خیال دید ترا بسکہ شب نظر میں رہا
یہ دل ہر آنکہ منزحان سے اس کی بے طرح چکا
کروں میں شکوہ اگر تیری بے وفائی کا
اچھا لہٹ اسے کہتے ہیں کہ شوخی سے وہ سنو
وہ دکھائی دے کے چلتا ہی رہا
گنگ چلی ایسی کھن پاسے خنا
دل کو بے وجہ پرا زلف سیہ نام سے کام
میں تو گیا تھا سو نیک دل کو وفا کے ہاتھ
شعلہ آہ نے دی آگ جسگر جلتا ہی
جا کے پہنچا ہی کہاں قاصد جانبا ز مرا
تیرا یہ حسن ہی وہ شعلہ کہ یہاں جس کے حضور
تجھ زلف پر عرق سے سوتی ٹپک رہے ہیں
اپنی قسمت کے ملے ہی آہ کیا کیا مہرباں
بے سبب بے جرم بے تعمیر صدافوس ہی
ہم سے گو تو اداس پھرتا ہی
گر جیتے پنجاب کے اٹھا عشق کے حلقے
سرکش نہ ہواے سرو تو رننائی پر اپنی
لے دست جنوں کی بچو کچاک سمجھ کر
انکے آتش دل ہم تو بجھاتے ہی رہے
دور سے دیکھ تجھے آپ سے ہم نسل حباب

تمام رات مرا جی صید لے در میں رہا
مجھے جفا کا درد تھا سو پہلوں سے کھٹکا
جہاں میں نام نہ لے کوئی آشنائی کا
میری آنکھوں کے تصور میں سمایا نہ کیسا
آہ میں بھیماں ہاتھ ملتا ہی رہا
جگ میں جو فتنہ تھا برا ہی کیا
نہ پڑے آہ کسی صید کو اس دام سے کام
لے آہ چڑھ گیا یہ کہاں سے جفا کے ہاتھ
انکس جلدی سے خبر لہو کہ گھر جلتا ہی
جس جگہ جاتے فرشتے کا بھی پر جلتا ہی
چشم نور رشید کا بھی نور نظر جلتا ہی
یا رات ہی اندھیری تارے چٹک رہے ہیں
مہرباں دو چار دن دو چار دن نا مہرباں
ہوئے یل آزدہ خاطر آہ تسا مہرباں
جی ترے آس پاس پھرتا ہی
پھر دل جو کہیں دیں تو بیاں ہم سے قسم لے
دکھلائی وہ قد تو ابھی تو ہی قدم لے
وابستہ مری حبیب سے ہیں ٹکڑے جگر کے
آہ پرنا لے تو اہ نہ گنگھکاتے ہی رہے
اک نظر کرنے نہ پائے تھے کہ جانے ہی ہے

ہجر کی مار ہی ڈالے ہر شب تار مجھے ^{۵۴} گل دکھائے گا خدا صبحِ نوحِ یار مجھے
 بند تباہی میں جو وہ یار واکرے لے برگ گل کو ہاتھ میں پکھا مبارکے
 لالہ نول رائے وفاقا نخلص برادر کلان راجہ گلاب رائے دیوانِ نجیب الدولہ
 نجیب خان ہنغلی پھیل فضل و ہنر اکثر می شود۔ طبع موزونے داشت۔ دے راست
 رفیق ہر وہ گوہر دشمن جان بلار ہنر کوہر نالہ جرس کا
 کہنے نگاہ بن کے مرانہ و فلال یارب جیا کرے گا یہ بہا کب تلک
 وحشت و طوی آتش میرا احسن نبیرہ تیر انداز خال و شاگرد مرزا رفیع سہتا

است۔ دے راست

کیس یہ جھوٹا کیا ہے تجھے جب میں بلاتا ہوں صرختا تو چلا جاتا ہے اور کہتا ہے آتا ہوں
 میرا ہادی وحشت از منسلکان نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ مرحوم بود۔

دے راست۔

شبِ روز وصل کو روئے کہ عجیب لیل و نہار تھا کبھی ہم سے یار کو لطف تھا کبھی نار تھا کبھی بیا
 مرادل بوا ترک نہک گیا، جگر آہ و نالہ سے پگیا تو نظر سے جوں ہی سر گیا ہل چل سے نہ ہنوز چار تھا
 واقف شاہ دہلوی آتش میاں عاشقوری از صغیرن بامادر خود از منسلکان
 خسرو پور این مولف بدیع الزماں خاں وہم مکتب انشان بود و در ہمان خانہ پرورش
 یافت بحسن تربیت میرسن دوسرا آبادی کہ معلّم خان مذکور بود بہرہ از علوم رسمہ
 برداشت۔ و در فیض آباد و خستہ پیدا کرد و ترک لباس نمود۔ لیکن شب و روز نزد بدیع الزما
 خان می بود۔ تا آنکہ بہرمت خواندن دعوت نواب شجاع الدولہ بہادر اور اور پسرہ
 انداخت۔ در آن حالت غم لے گداز کہ مطلعش انیمت

دور یہ آیا کہ ہیں شاہ و گدا پہرے میں بے خطا پہرے میں اور اہل خطا پہرے میں
 بالا خراز قید رہائی یافت۔ اکھنہ در لکھنؤ اقامت دارد و طرز گفتگویش بآئین شایستہ

پہلو میں رہا نہ تجھ بن اک دم
بہلا رہے ہم ہزار دل کو
گر تو ہی نہ ہو مے بریں ظالم
آوے کیونکر قرار دل کو
جس نے کل قتل کیا تھا غرض اک عالم کو
آج بچہ کھینچے ہی تھو اور خدا خیر کرے
اُس سنگت ل کے دل میں نہ ذرہ اثر کرے
وہ آہ جو کہ چرخ کو زبرد زبر کرے
تپ فراق مری جان کو جلاتی ہے
اے میری جان شراب آنکھ جان جاتی ہے
دل کو تو مدت سے کیا سکنتی ہے
جانب بھی حاضر ہے اگر چاہیے
تیری محفل میں زہیں کثرت مے نوشی ہے
جام دنیا میں اسی واسطے سرگوشی ہے
و اصل نامش محی الدین محمد از پنجاب بگرام اسعد دیوانش قریب

ہزار شعر کلامش خالی از مرز نیست
ہزار شعر کلامش خالی از مرز نیست
جو کچھ کہ آیا جی میں ترے سو تو کہہ گیا
میں ہی تھا جان جو تری باتیں یہ سہ گیا
رکھنے سے تجھ کو پاؤں کے کیوں تنگ گیا
قابل ترے قدم کے میاں کیا یہ سر نہ تھا
جل کے خاکستر ابھی ہو جائے دلِ فلاک کا
دو دو اگر پہنچے ہماری آہ آتشاک کا
دعویٰ ہے بے قرار ہی کا سیما کو اگر
دامن کپڑے کے تو مرے اضطراب کا
و اصل سراغ یار میں جاتا ہی جانے دے
بیکھانے کر تو اس دلِ خانہ خراب کا
اک جھلک کھلا کے دیوانہ کیا
ہم سے پھر اس دل کو بیگانہ کیا
پیرکان تھے یکس کے زہر آلود
کٹ کٹ کے گرا جب گہرا ہوا
خدا جان گیا اثر طے گا اس توجہ کا
نئے پاس اپنے بھلا تارہ سرد رواں یار
حال جس نے مرا سنا ہوگا
سنتے ہی اُس نے رو دیا ہوگا
بے سبب تو نہیں دل آزر دہ
کچھ کسو نے تو کہہ دیا ہوگا
در میں نہ ڈھونڈو واصل کو
مست میخانے میں بڑا ہوگا
توبہ کرنے کا نہیں ت سے مخاں کی سوگند
نہیں بے گناہ کی سوگند

نقش قالی کی طرح سوکے نہ چو گئے ہم آہ
 تم تو شب و دن پر اپنے گھر چل کر رہ گئے
 جب تک وہ مقابل بت مفرور نہ ہوئے
 صبح پر وصل بابر کی ٹھہری
 بیتابی دل کوئی طرح دور نہ ہووے
 آہ پھر انتظار کی ٹھہری
 در و جوئے اختیار ہم سے ہم آغوش ہو
 عشق میں کیا وصل ہنر چاہیے
 آہ میں تھوڑا سا اثر چاہیے
 ہمارا ہی کوئی سینہ سپر چاہیے
 وار سنبھالے جو تری تیغ کے

والہ دہلوی آتش میر مبارک علی خلف شاہ قدرت اللہ قدرت از فیض
 صحبت والہ اجد خویش انشاے زخمی می نماید و در مرشد آباد لیسری برد - مرد صاحب
 صداست - متفرق استعارش دیدہ شد - از کلام اوست

بجز ترابکہ نظر میں رہا
 جی ہی جاتا - با محبت میں
 اسی حسرت میں مر گیا والہ
 ہوئی ہوشتمل میر دل بیاب میں آتش
 ان دنوں تھم رہے ہیں ہر سرشک
 روز و شب آنکھوں میں ہی رہتے ہیں
 درد پر ترے بیٹھ رو گئے ہم
 یک بلہ بھی گھر سے تو نہ نکلا
 دیکھی نہ سحر ہم نے رہی شام جہاں میں
 جس گھڑی موج پہ یہ دیدہ غم آتے ہیں
 خواب غفلت سنی ملک چو نمک تو اب لے والہ
 آنکھ سدا دیدہ تر میں رہا
 دل کا دینا تو درکنار رہا
 تو نے اُس کو نہ یک نظر دیکھا
 ندیکھی تھی کسی نے اب تک سیما بیک نقش
 لخت دل تو ہی آجائے سرشک
 دیکھو اب مرداں و فائے سرشک
 تمھے دیدہ تر سو کھو گئے ہم
 سوار تو دبہ ہو گئے ہم
 جب سے جو تری زلف سیہ نام جہاں میں
 آنکھ و رخت دل اُس وقت ہم آتے ہیں
 آج بالیں پہ تری اس کے قدم آتے ہیں

وہم آتش میر محمد علی خلف میر محمد تقی خیال کہ صاحب بُتانِ خیال است۔
 در لکھنؤ گیگز راند و در سرکارِ نواب آصف الدولہ منسلک۔ وے راست
 جا کے اس سے اتنا اب کوئی ہر تے غم سے جہاں طلب کوئی

حرف الہا

ہدایت نامہ شیخ ہدایت اللہ از معتقدان و شاگردان خواجہ میر درد است۔
 دیوان مختصرے دارد و بیرونی استاد می نماید۔ و در کمال خوبی و معنی گستری ریختہ را سر انجام
 می دهد این ابیات از کلام آن زبدۃ الامثال والاقران است

جوں غنچہ ترے دھن میں ہوں سرگبریا
 جب لول ہوں ترا نام ٹپک پڑتا ہی آنسو
 تمام صبر و دل و دیں تو یار لوٹ گیا
 ملا ہی جا کے یہ آخر کو سادہ رویاں سے
 آتش سے داغ دل کی سراپا میں جل گیا
 دل پر ہزار حرف نکایت سے تھا ہجوم
 آیا ہوں تنگ کشمکش دام زلف میں
 عالم کو تیری چشم نے بے ہوش کر دیا
 مجلس میں اُس کی رات ہدایت نے سوز دل
 کوئی پھر نہ ملک عدم سے تو اب تک
 دیکھا جو تیری چشم و دہن کو تو شرم سے
 دیکھ اُس کی چشم مست کو دل تو بہک گیا
 دیکھا نہیں مجھ نے ہدایت کو ان دنوں

ہی منہ میں زباں پر نہیں مقدور سخن کا
 جس طرح کہ سحر کا ڈھلک جاتا ہی منکا
 نہ خلف وعدہ گیا ہر ترانہ جھوٹ گیا
 اگر چہ آئینہ تھا دل پہ ہم سے پھوٹ گیا
 گلزار بھولی کیا کہ بدن سارا بھل گیا
 کھڑے کے دیکھتے ہی یہ جی کچھ گھل گیا
 یارو میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا
 جس کی طرف نگاہ کی مدہوش کر دیا
 یہاں تک کہا کہ شمع کو خاموش کر دیا
 پایا جہاں کس نے کچھ آرام رہ گیا
 منہ اپنا لے کے بستہ و با دام رہ گیا
 بس میری جان دو ہی بیا لول ہی جھک گیا
 شاید کسی جگہ پہ دل اُس کا ٹپک نہیں

کم نہیں کرنے کا کہنے سے ترے والد آہ
 نہ کہوں گا تری بیداد کو اے یار کہ بس
 عشق کا شعلہ نہ ہو جس دل میں وہ بے نور ہو
 کب تک لے یار جا جائی کب تک
 سر تک راہ وفا میں ہو نثار
 کبھو کھلتا نہیں تجھ بھر دل گل کی قسم
 نہیں گلزار سے جو رہوں گا ہی تجھے ظالم
 یہ کون ذیت ہو گزری تمام بھر میں عمر
 ایک دن ہاے ندی تم نے بتو داد ہیں
 نہ مجھ کو وصل میں آرام نہ جدائی میں
 ہاں بتاے تو فلک ہو فے اگر یاد کہیں
 تجھ غمزدگی کی یہ باتیں میں سمجھوں کہ تو سمجھے
 وصل سے تو نہیں باتیں اورں سے ملاقاتیں
 اٹھائیے گا سر و چشم بر جفا تیری
 کس کی آنکھوں کے تصور میں ہو وصل یہ مجھ
 وصل نامش مرزا اسحاق ولد حاجی ابراہیم صفحہ فی شاگرد شاہ ملول ،

اندھ تے در لکھنؤ می گزارند و اکثر مرثیہ سید الشہدہ تصنیف می نماید - این ابیات
 رنختہ از دوست

عطر ل غیر کے گھر آپ مہکتے جاویں
 جب سے بیٹھے ہیں تے کو بچے میں گھراؤ نہیں
 جیوں دیکھتا ہر دور سے مجھ کو تو غریب کو
 اور سچ دکھیں تو کن آنکھوں سے نکلتے جاویں
 مست اٹھا تھاں سے کہاں آہ بھٹکتے جاویں
 دشنام دے کے اپنی جاتا ہر خو مجھے

دن گزرتا ہو مجھے روز قیامت سے دراز رات گزری تو شب مرگ سے بدتر گزری

صدقے ترے گلزارِ جی سے اک جی سے میں کیا ہزار جی سے

کھٹکے ہر تری فرہ ہر اک وقت کھلا نہ کجہو یہ خار جی سے

عشق نے تیرے مجھے یہاں تک کیا ہر نا تو اہلِ نافرمانی کا مجھ کو صد فرنگ ہر

نابت کوئی اپنے جسم و جان سے نہ پھرا یک شخص ہزار کشتکال سے نہ پھرا

کوچہ تو ترا راہِ عدم سے نہیں کم جو کوئی گیا تو پھر دہاں سے نہ پھرا

دلِ عہدِ شباب ہو چکا ہر باقی تیرے سوا اس میں کیا رہا ہر باقی

ہوتا ہر کوئی دم میں یہ دورِ اب آخر شب گزری ہر روزہ گیا ہر باقی

ہادی دہوی مردِ ب ستعدادے بد۔ دے راست

نقد دل لٹ کے میں نیا بوسہ یہ تو سودا دیسے لیے ہی ہو

میر محمد اعظم ہو پیدا تخلص برادر میر محمد مصوم دہلوی است۔ اکثر مرثیہ امام بہام

علیہ السلام می گوید۔ وگاہے بہ انشا و رنختہ می پردازد۔ دے راست

اس کے ہاتھوں سے ہم اب بیاختانتے ہیں لے کے خون جگر ہائے یہ کیا سنتے ہیں

سو احمادِ زانو پہ سر رکھ کے اسیر آئی جو نظر زلف اٹھا دو دل گیر

کنے لگا یہ خواب میں اب کس سے کہوں تعبیر نہیں اس کی سوائے زنجیر

ہدایت علی ہدایت تخلص بمعصر شیخ فرحت اللہ فرحت۔ از دست

ڈھلے ہی پڑتے ہیں باہر ہر ایک طفلِ شرک رکھوں میں کب تک نشوونہاں آنکھوں میں

ہمدمِ عظیم آبادی خلف میر محمد صایب حسرت اشعار خود را از نظر شاد

قصت اللہ قدرت می گزاردند۔ در مرشد آباد ساکن و اکثر ہم قدم رہدوانِ جادہ

مخن است و دے راست

ہائے دم لینے کی طاقت اب نہیں باقی ہیں کیا کہل مارا ہوا ہوں نالہ جانکاہ کا

یا۔ ہر ہم میں ہدایت جلوہ گر
 عشق میں نوبیاں کے ہر دم ستمگاری بہت
 مار ڈال ہند کے کافر اداؤں نے ہیں
 تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات
 دل تو بچھائے سمجھتا ہے کبھی
 کتنی ہی نہیں یہ ہجر کی شب
 تو نے گر قتل کیا ہم کو صدمہ خوب کیا
 قیس دوس مر گیا فریاد کی وہ شکل ہوئی
 چوٹی مسکتی ہی ہے اور آنکھیں ہیں رکسی
 کرتا نہیں ہے جانے کو دل کوے یار سے
 کیا خاک کو مری کہیں گلشن میں جانہ تھی
 تجھ بنے خوشخوار حیاں ہر دم دمِ شمشیر ہے
 برا ز در ہے وہ اُس کی کیا بات ہے
 گلشن کو دوستی کے میں دیکھا بہ حسنِ چمن
 دل مرا کیونکر ہو غافل گور سے
 آنکھ سے آنسو کبھی تھمتا نہیں
 غرض یہی ہے مجھے ایشک کے بہانے سے
 میں چھوڑتا ہوں کوئی اس کو شل حلقہ در
 زلف کچھ سمجھ اُپر جو چھوڑی ہے
 چشمہ زوں ہے دامنِ دریا
 کیا کہوں تجھ سے ہدایت کہ مری شام و سحر
 جس طرح ہے گوہر کیتا میں آب
 آہ دل لانی یہاں کم اور دل آزادی بہت
 حسن میں اُن کے نکم ہے اور طرح لاری بہت
 روتے روتے گزاری ساری رات
 پر ہدایت چشم تر کا کیا علاج
 یارب کیا آج سو گئی صبح
 ہاں میاں سچ ہے کہ ایسے ہی گنہگار تھے ہم
 آہ اس کوہِ دبیا ہاں میں کئی یار بھی تھے
 سچ کہو ہم سے رات پیالے کہاں رہے
 گوس میں جی رہے نہ رہے ہم تو یہاں رہے
 پر چشمہ تجھ سے ہمارے مجھے یہ صبا نہ تھی
 سانس جب پٹے ہے گو یا باز گشتی تیر ہے
 نہیں مانگتا راتوں بھری رات ہے
 جز بوعینِ دل کیس بوعینِ وفا نہیں
 گھر نظر آتا ہے اپنا دور سے
 چشم بھی کیسا کم ہے یہ ناسور سے
 کہ مہرباں ہو وہ یارب کسی بہانے سے
 یہ سرگاہ ہے مرا اُس کے آستانے سے
 کیا یہ سیدھی نگاہ تھوڑی ہے
 آتیں کس نے یہاں چھوڑی ہے
 یاد میں زلفِ درخ یار کی کیونکر گزری

جب سے بکھڑا مجھ سے وہ مگر دمرا
 ہنس کے دل سے زلف تیری بند
 فرقت میں یاد تیری ایسا میں لٹ گیا ہوں
 ہمارے دل کو پیارے ہاتھ میں
 مجھے مت یاد جھ پیاے اپنا دشمن
 اگر آدے مرے گھر وہ پیارا
 عرق آلود ہر تری ابرو
 سچ کہے جو کوئی سوار اچلے
 مجھ کو معلوم ہیں ہوا اگلے سے
 دیکھ زہار نہ رکھ اُن سے توقع لے دل
 کئی یقوت روتے ہیں تری فرقت میں
 پھر گیا ہم سے ہاے وہ کل نہ
 کیوں ہوئے تو تم کو دشمن ہمارے اس قدر
 تری آنکھوں سے دل کیونکر جدا ہو
 مرے دل کو نہیں ہے جین تجھ بن
 سر کے بھل جاتے ہیں راہ عشق میں
 نہ ہوتا اگر کسو پرست لاد دل
 بچاؤں کس پری رو کی نظر ہوئی
 مجھے بکرت خوں کیوں نہ چاہیں
 تجھ زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال
 طفیل خاکسار ہمارے عزیزاں
 خار ہے مجھ تن اُپر ہر مو مر آ
 بار ہوتا ہے مبتلا من کا
 کاکل تری سے مجھ کو دعا ہے ہمسری کا
 اگر مشتاق ہے تو آرسی کا
 کوئی دشمن ہوا ہے اپنے جی کا
 کر دل اس ماہ کو پتلی کا تارا
 خنجر آباد کی صورت
 راستی ہے نگہ دار کی صورت
 بھول جاتے ہیں ذرے دولت مند
 کچھ مروت نہیں ان جہنم سیاہیوں کے بیچ
 کئی یقوت پڑے ہیں تری چاہوں کے بیچ
 سر دھری سستی ہوا کی طرح
 دوست کا دشمن کوئی ہوتا ہے پیاس قد
 نگہاں چاہیے سرشار کے پاس
 تو اور دل کو ہوا آرام جاں حیف
 سب جہنم سے ہے جدا رنستار عشق
 تو کیا آرام سے رہتا مراد دل
 ابھی تو تھا بھلا جگہ مراد دل
 کہ میرا آرسی سا ہے صفا دل
 بکرت کے سخن میں خلافت ایک مٹو نہیں
 مری جاگہ ہے دشمن کے نین میں

یوں ہی دیرال رہا یہ خانہ دل تیرے نالوک کا اس میں گھر نہ ہوا
 میاں زخم دکھا رہا ان دلوں میں یہ دل نو گرفتار ہے ان دلوں میں
 روتی ہیں ترے ہجر سے اب متصل آنکھیں کس دکھ میں گرفتار ہوئیں تجھ سے مل آنکھیں
 بے آتے ہیں سیل اشک پر لخت جگر میرے نجاؤں کیا ہو پانی کریں گے چشم تر میرے
 بردار کی طاقت کا بیاں پوچھ نہ ہدم صیاد نے کب ہم میں پرو بال رکھا ہے
 تجھ کو اب یہ نہی چاہیے ہدم جس طرح ہو نباہیے ہدم
 آد کی بھی نہیں رہی طاقت آہ کیوں کر کراہیئے ہدم
 اب کئے گر چھوٹے دام الفت سے پھر کسی کو نہ چاہیے ہدم
 میر ہینگاد ہلوی گویند دیزانہ و سودا کی معشوق دہرے بد۔ رقیاناش بر شک
 و صدقت یافتہ و سدا بقتل رسانیدند۔ این رباعی کہ مضمونش دلخراش و جگر سوز است
 یاد گلدار آن کشتہ تیغ نخب و قتل خجرافت و ہم حسب حال دوست
 میری ایذا سے منہ نہ موڑا دل نے شیشہ مری زندگی کا توڑا دل نے
 کام اُس بت سنگدل سے ڈالا بچہ کو مارا آخر غرض نہ چھوڑا دل نے
 ہاتھ مرزا محمد باقر و شاہ جہاں آباد فقیرانہ بسر می برد۔ اور است
 مست پوچھ ہم نشین کہ جہاں میں کہاں رہے دل جس جگہ کہ لگ گیا اپنا دہاں رہے

حرف الیا

یکرنگ دہلوی امش مصطفیٰ اقلی خاں نبیرہ خان جہاں لودھی و معاصر نیر الدین
 آبرو بود۔ و منصب داران محمد شاہ بسر می برد۔ ہر چند شیعہ کلامش بطرز شریعت الدین
 مضمون است اما فصاحت بیان و تازی مضامین زیادہ از و دارد۔ دیوانش ہزار
 بیت دیدہ شد۔ و۔ راست

دل مرزا منظر بود۔ راقم دے لادروہی بار ہا دید۔ استعداد سخن سنجی چندان نہ داشت۔ مرزا
منظر از فرط الفت اشعار خود را بنام او کردہ اشتہار داد۔ گویند او آخر عمر احمد شاہ پر
یقین دے راجت امرے ناشایستہ کہ درین زبان خط حجت دارد سرمد (؟) کشت۔
و بعضی گویند مانع پد شد کہ افعال شیعہ علی نیار دلہذا از دست پد بقتل رسبد الہمد
علی المرادی بہر تقدیر سن اساء فعلیہا۔ دیوانش کہ از پانصد بیت قدرے زیادہ باشد
ہمہ مرغوب طبع است۔ این ابیات خلاصہ آنست

بیں زخم مے کا دی اس سینے سے کیا ہوگا اب مرزا ہی بہتر ہی اس جینے سے کیا ہوگا
کہتے ہیں کہ تغیریں آئینے کو آتی ہیں دل سے نہ ہوا یہ کام آئینے سے ہوگا
اگر دیجئے اُس کو بھی تو کچھ عیب نہیں آئینے سے بھی گیا کیا دل یہ سنا نہ را
غم کے باتوں نہ با کچھ بھی رفو کے قابل بسکہ سو بار ہوا چاکلہ ریر بیا میرا
گریباں بھاڑ ڈالیں رشک یہ گلبدن اپنا نکالوں خاک سے جیوں لالہ پُر خوں سن اپنا
لگے گا ہاتھ چہر اس طرح کی سعی ناحق سے پرلے دلبروں پر سرنہ چہرے کو کہن اپنا
یقین اس کے دُردندان کی باتیں جو کہا جائے صدف کی طرح دھوئے آئینہ سے بن اپنا
اتنا کبھی جہاں میں کوئی بے وفا نہ تھا ملے ہی تجھ سے میرا یہ دل آشنا نہ تھا
جو کچھ کہے ہو خلق یقین ہو سزا تری بندہ جو تو بتاں کا ہوا کیا نہ سدا نہ تھا
مرا جو کام وفا تھا سو ہو سکا نہ یقین دگر نہ اُس کی جفا میں تو کچھ قصور نہ تھا
اگر مرنے میں اُس شوخ کی خاطر نشان کرتا خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا ماں کرتا
نہ ہوتا اس کی بدخواہی کا ڈمبھہ کو توجی بھر گلی میں یار کی راتوں کو فدا و نذر کرتا
گرا میں آنکھ سے تیری جہاں کے ہاتھ لگایا مجھے چمکا میں پر آسمان سے اتار دیا
نہ کہتی راز دل تو اتنی رسوائی بےلا ہستی نصیحت کر کے مجھ کو اس زبان سے ہاتھ لیا آیا
مے ان آنسوؤں نے کھو دیا نوبہر سیرا یہ دوسٹ نہ کر اس کا رواں کے ہاتھ کیا آیا

تاکھے تیرے لگوں لے یار میں روٹھتا ہوں اس سبب ہر بار میں
 ہم سے نہیں بول یار گل کی طرح پھر یہ دو دن کے تئیں بار نہیں
 جان من تم جو کہو کہ تو چاہے ہو مجھے زندگی کس کو جہاں میں کہو درکار نہیں
 کیوں کھینچتے ہو تیغ سخن ہم میں دم نہیں پنہاں نظر تمہاری بھی گپتی سے کم نہیں
 کہتے ہیں ہم پکار سخن کاں دھر سونو گر غیر سے لوگے تو دیکھو گے ہم نہیں
 گرچہ شیریں سخن رقیب کے تو بھی اس سے سخن نہ بات کرو
 اس پری پیکر کو مت انسان بوجہ شک میں کیوں پڑا ہوں لے لجان بوجہ
 پاؤں لگی رہی ہو تمہارے سخن سدا دل خون ہوا ہلے مرا اُس خا کے ہاتھ
 جدائی سے تری لے منڈلی رنگ مجھے یہ زندگی در کسر ہو
 چھوڑتی نہیں ہو سخن زلف تری اپنی مڑوڑ باوجودیکہ کمال اس کو پریشانی ہو
 کیا جانے وصال ترا ہو کسے نصیب ہم تو ترے فراق میں اے یار مر چلے
 رونقِ سلام تیرے رو سے ہو کفر کی رشتہ ترے گیسو سے ہو
 بے تسرا دل کے تئیں آرام دل اے مے پیارے ترے پہلو سے ہو
 اب تو سخن ہمن سے نہا ہے تمھیں بنے ہم سب طرف سے ہار تمھارے گلے پڑے
 یکرنگ پاس اور نہیں کچھ سخن بباط رکھتا ہو دو پہن کو تو نظر کرے
 لگے ہو خوب کاؤں میں بتاں کے سخن بکرنگ کا گویا گسر ہو

در مرثیہ سید الشہداء علیہ السلام گفتہ

زخمی بزرنگ گل ہیں شہیدان کر بلا گلزار کی منطہ ہو بیابان کر بلا
 کھانے چلا ہو تیغ ستم شامیوں کے ہاتھ دھوا ہوا تھا زندگی سستی مہمان کر بلا
 اندھیر ہو جہاں میں کلاب شامیوں کے ہاتھ ہو کسر بریدہ شمع شبستان کر بلا

یقین دہوی نامش انعام اللہ خاں خلف اظہار الدین خاں منظور نظر و محبوب

کہ میں تو دست تھا اُس کو بھی کیا شمع نہ تھا
 حوصلے کا شہر غارت خاۓ تمکین خراب
 نگہ کی گروہنوں سے دور پہانے کو کیا نسبت
 کہاں اس دام سے یسید جاسکتا ہے کیا قدرت
 کہ ہوتا ہے جنوں کے شور کو سیر چین باعث
 مے اس چپکے رہنے کا ہے وہ شیریں سخن باعث
 کیونکہ ہوز خمیر بن ایسے دولے کا علاج
 پھٹ گیا جی اس کا اب نگہیں ملا دو کس طرح
 بلبل بے بال و پر گلشن میں جاوے کس طرح
 کس سے سیکھی تھی یہ شیریں کا فرمان کی طرح
 وہ قسم کھا کر اسی ساعت مگر جانے کی طرح
 رکھ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کعبہ بابے طرح
 قتل میں بلبل کے کب تصویر کرتی ہے بہار
 اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پھرتے ہیں چور
 پھر نہ دی ہم کو کس نے اس دوانے کی خبر
 جواب تلخمت دے مجھ کو اے شیریں یونہی بس کہ
 کھلا بند گریباں کو نہ رکھ لے گلشن بس کہ
 کہو اپنے تئیں ضایع نہ کرتا کوہ کن کیونکر
 گرد پھرتے ہیں مری خاک کے افلاک ہنوز
 کیا بُری طرح سے مرتا ہے یہ بہار کہ بس
 کیا خریدار نے پایا ہے خریدار کہ بس

خفیف مجھ سے الجھ کر عبث ہوا دامن
 صبر کچھ کب تک صبح کر دیتا ہے عشق
 تری آنکھوں کی کیفیت سے بھانڈ کو کیا نسبت
 بتاں کی مجھ سے خاطر جمع ہو یہاں تک کہتے ہیں
 ہوا دیوانگی میری کا وہ گل پیر بن باعث
 تصور کر کے لیتا ہوں مزا میں اُس کی باتوں کا
 حق کو کب پہنچے بندے جب تک اُن نغفوں میں مل
 . مجھ کر دل سامنے خواباں کے آوے کس طرح
 باغباں بے ہم اور در بند دیواریں بلند
 چھوڑ ڈالا کوہ کن سے لعل کو تھیرے ہاے
 جی نکل جاتا ہے میرا جب کبھی آتی ہے باد
 خار سے مزگاں کے جی ڈرتا ہے میرا بطرح
 شاخ گل کو سرخ جوں شمشیر کرتی ہے بہار
 خال گورے منہ کا لیتا ہے ہرے دل کو چسپرا
 دل ہیں کہہ کر گیا تھا اپنے جانے کی خبر
 توقع دیکھ مت کہ ناامیدی کے سخن بس کہ
 تڑپ کر فغان بھیجا ہے گا بلبل کی طرح میرا
 کرے محنت کوئی لذت اٹھاے یار سے کوئی
 بعد مرنے کے بھی ہوں گور میں غناک ہنوز
 نزع میں دیکھ مجھے یار حبیبک کر بولا
 آپ کو بیچ کے یوسف نے زلیخا کو لیا

نہ مرتا میں اگر صدقے مرتے جانے کے کام آتا
 ایلادی لے ہو اکین مشیت خاک میکشاں تو نے
 ہر نرے داغ سے پُرسیدہ سوزاں میرا
 اگر تجھ کو زلیخا دیکھتی سب کچھ بسر جاتی
 یقین سوز و گدازِ دل اگر اظہار تو کرتا
 مجھے گر حق تعالیٰ کا فرما ہے جہاں کرتا
 خدا دیتا مجھے گر میرسا مانی خدائی کی
 سرِ سلطنت سے آستانِ یارِ بہتر تھا
 نہ ہوئے سر سے میرے دو زل عافیتِ غم کا
 شکوہ حسن سے آنسو ہائے سوکھ جاتے ہیں
 نہیں اُمور سکتی کسی افسوس سے گالے کی لہر
 یہ دل ایسا خراب کو چہ و باز اکیوں ہوتا
 تیری الفت سے مرنا خوش نہیں آتا مجھے ورنہ
 دلبروں کے نقشِ پا میں ہر صدف کا کیا اثر
 کیا بدن ہو گا جس کے کھولتے جانے کا بند
 آنکھ سے نکلتے پراَنسو کا خدا حافظ یقین
 یہ قمریاں جو سرو کی عاشق ہوئیں مگر
 اس قدر غرقِ لبو میں یہ دل زار نہ تھا
 حسن کا عشق زلیخا سنی کچھ چل نہ سکا
 دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہو ہوں
 کوں میں کیونکہ نہ صبح بہارِ تجھ کو آج

گریسنہ ناز کا تھا کالیاں کھانے کے کام آتا
 غبارِ ان کا اگر رہتا تو پیمانے کے کام آتا
 آب و رنگِ آگ سے رکھتا ہر گلستاں میرا
 تماشا ماہِ کفانی کا اُس کو خواب ہو جاتا
 خدا شاہد ہر آتش کا بھی زہرِ آب ہو جاتا
 بتاں کو میں ہزور ان بکیوں پر مہرباں کرتا
 تو میں ان بلبوں کو گلشنوں کا باغبان کرتا
 یہیں ظلِ ہما سے سایہ دیوارِ بہتر تھا
 نہ پڑ پود داغ پر میرے الہی سایہ مرہم کا
 یقین سورج کے آگے کب ٹدھتا ہر شبنم کا
 کیونکہ نکلتے سر سے اس زلف پریشاں کی ہوا
 اگر ملتا نہ اتنا ٹھنڈوں سے خوار کیوں ہوتا
 یہ ایسا کارِ اسل اس قدر دشوار کیوں ہوتا
 جو مرا آنسو گر اُس میں سو گدھر ہو گیا
 برگِ گل کی طرح ہر ناخنِ معطر ہو گیا
 گھر سے جو باہر گیا رو کا سوا تر ہو گیا
 دنیا میں اور کوئی سچیلہ جواں نہ تھا
 جب حاکمِ ترے پاؤں سے سوکار نہ تھا
 ورنہ وہ پاک گھر قابلِ بازار نہ تھا
 کو چہ یارِ میرا کیسا سایہ دیوار نہ تھا
 جہن میں تو جو نہ تھا گل کے منہ پہ لڑ نہ تھا

یہ طرح کیا خوب اس آئی ہر پرفلے کے تئیں
اُن نے کیا آباد کر رکھا تھا دیرانے کے تئیں
دیا جی بات کے کہنے میں ہمت اس کو کہتے ہیں
ارے فرہاد کے قاتل عدالت اس کو کہتے ہیں
وہ کیا تھا زخم بیٹے کا جراحت اس کو کہتے ہیں
شہادت اس کو کہتے ہیں سہولت اس کو کہتے ہیں
دیکھتا ہوں جب تری زلف پریشاں کے تئیں
پڑی ہیں میری ہر نگشت میں جیوں خانہ زنجیریں
یہ خدا کا ہے غضب دوسری دنا ز نہیں
فرض کیجئے کہ چھٹیں طاقت پرواز نہیں
رگ بسمل کی صدا تار کی آواز نہیں
سرکشی میں تو مسلم ہو، پہ ہلتا ز نہیں
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں
بغیر میکہ زاد کمیس پناہ نہیں
اس آفتاب کا کس قدرے میں ظہور نہیں
بندوں کو اعتراض خدا پر دوا نہیں
ہزار شکر کہ یہ ملک بے چراغ نہیں
عبث سیٹے ہو اس کو کیا رہا ہو اب گریباں میں
ہوے ہیں اس قدر دل جمع اُم زلف پریشاں میں
مرا ہو یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں
ہاتھ مت پکڑو مرا یاد گر بیاں پھر کہاں

ہجر میں جینے سے بہتر ہر ہلاک روز وصل
اتھ گیا کہتے ہیں دیوانہ یقین عالم سے ہاے
کیا فرہاد نے جو کچھ محبت اس کو کہتے ہیں
نکی تو نے نظر اُس کی محبت پر نہ محنت پر
ہوئی جا یا شیریں کوہ کن کے بندہ خسرو کی
یقین مانا گیا جسم محبت پر زہے طالع
صدقے جاتا ہو مرا جی بال بال او پر ترے
کردل میں کیونکے قید زلف سے چھٹنے کی تدبیریں
تخ بن آج بستاں کا کوئی دما ز نہیں
ہم گئے کام سے مرغانِ حسیں سے کیوں
کب ہو خوش بالہ عشاق سے خوب لگا باغ
یار کے قد کو نہ دے سرو سے تشبیہ یقین
کہے بھی ہم گئے نہ گیا ان بتوں کا عشق
بلائے عشق سے اب چھوٹنے کی راہ نہیں
وہ کون دل ہو جہاں جلوہ گردہ نور نہیں
شکوہ جفا سے یار کی کرنا و فانی نہیں
یہ سینہ عشق سے محروم درد و داغ نہیں
کوئی دن اور کرنے دو جنوں مجھ کو بہاراں میں
جن کے بیچ کلیاتی ہو جیسے شاخِ نہیل کی
کرتا ہو کوئی یاد اس وقت میں تدبیریں
عمر آخر ہو جنوں کو بہاراں پھر کہاں

جی میں آتا ہو تیری چھب کو دکھا دیجئے اسے
 کچھ پرو بال میں طاقت نہ رہی تب چھوٹے
 تو نہ تھا حیف یقین ورنہ دوا نا ہوتا
 ترے ستم سے مراد دل نہیں دھڑکتا ہو
 فصل جاتی ہو یقین اور باغباں سے ایک بار
 مت خدا کے واسطے کر دلبروں سے اختلاط
 رشک تیری دلربائی کا زبس کھاتی ہو شمع
 لبوں پر زخم کے جی آہ ہا ہو مت نکل جاوے
 زکرتے لاگی ہو پروانے کے جیسے تن کو آگ
 جلتے بتوں سے نہ مل ان تیلیاں پروں کے ساتھ
 قدر از بسکہ بھٹا ہو لٹک جوں شاخ گل
 ہار مت پہرا کرے پیائے کہ نازک قدر ترا
 آبرو دی ہو دوانے نے جنوں کو کس قدر
 پاؤں سے سترک پہنچے مست ہوتی ہو نگاہ
 جب گئی ہو بارغ میں خو نہیں کفن ہو کر نقیس
 پرانگی دل میں ترے تشریف فرمانے سے دھوم
 تیری آنکھوں میں نشے نے اس تلخ مارا ہو جوش
 زگزار ہوگا رنگیں مجھ سا کوئی باولے پن میں
 جب دیکھتا ہوں تنہا جھکو سجن چمن میں
 مجنوں کی خوش نصیب بھارتی ہو مارغ دل کو
 اس داغ مال کو کھانا دینا ساتھ میرے

باغ میں اتنا اکڑتا ہو یہ شرف دک بس
 ہم ہوے ایسے بُرے وقت میں آزاد کہ میں
 آج اس طرح کا دیکھا ہو پر نیراد کہ بس
 خوشی سے قتل کی یہ کر رہا ہو محزون رقص
 کوئی کرتا نہیں ہا سے باغ میں جانے کی عرض
 کفر ہو حق میں مسلمان کے بتوں سے اختلاط
 دیکھ تیرے حسن کے شعلے کو جل جاتی ہو شمع
 خدا کے واسطے کیونہایت ہی رفونا زک
 گیلوے فانوس ایسی تیرے پیرا ہن کو آگ
 جی دھڑکتا ہو مبادا لگٹھے داس کو آگ
 باد کے ہمدے سے جاتا ہو بہک جوں شاخ گل
 بوجھ سے پھولوں کے کھاتا ہو کچک جوں شاخ گل
 گریئے مجنوں سے دریا ہو گیا صحرایہ تمام
 ہو عروج نشہ گویا وہ قدر بالاتمام
 دیکھ اُس کو مل گیا ہو خاک میں لالاتمام
 باغ میں بچتی ہو گل کی فصل کے آنے سے ہوم
 ڈالتے ہیں جس طرح یہ سبھا بنانے میں ہوم
 گریباں آپڑا ہو پھٹ گل کی طرح دہن میں
 کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں سیر سن میں
 کیا عیش کر گیا ہو ظالم دوان پن میں
 ڈرتا ہوں لگ اٹھے گی آتش مے کفن میں

بہار آئی ہیں کیا حکم ہے اے باغباں سچ کہہ
 اندھیری رات ہے اور شیشہ ہے ساتھ میں تیرے
 ہزاراں آب جو آنسو کے تیرے تھم پھرتے ہیں
 یقین راتوں کو گرفتار دیندیں سب کچھ تار ہے
 خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو بے خوابی کے ساتھ
 غنچہ رنگینی کو اپنی چاہیے تہ کر رکھے
 مفت نہیں ملتی وفا گو شہر خواباں میں یقین
 لے کے دل کرتے ہونہایت دکھ کے مارو کا گناہ
 جو نہ جی سکتے ہوں بربابی سے بچو وہ کیا کریں
 عاشقوں پر جبر کرتے ہیں سینہ ظالم خوب رو
 کیونکہ بھلے بزم خواباں سے کوئی جیتا یقین
 عشق کے بھی کارخانے کی عدالت دیکھ لی
 کہاں تاثیر ہے نالوں میں اے مرغِ قفس چپ
 کوئی آوازی کو چھو کر کیوں راہ پر آئے
 وفا کا کیا قیامت ہے جو کوئی بدلا جفا دیوے
 نہیں پرواز قسمت میں مری میاد پر اتنا
 یقین زنجیر میں ہے تب تو عالم میں نہیں خلیں
 اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
 یہ کون ڈھب ہے سخنِ خاک میں لانے کا
 یقین کا شور جنوں میں کے یار نے پوچھا
 زنجیر میں بالوں کی پھنس جانے کو کیا کیسے

جن میں رہنے پاوے گا ہمارا آشیانہ سچ کہہ
 خدا حافظ ہے تیرا جان جاتا ہے کہاں سچ کہہ
 تو کس گھوڑا کا ہے سر پہ رینا جواں سچ کہہ
 یہ کس بے درد سے کچا ہے تو شور و فغاں سچ کہہ
 جمع آسائش کہاں ہوتی ہے میتابی کے ساتھ
 اس کو کیا نسبت ہے ان لہجے غباری کے ساتھ
 کس قدر بے قدر ہے یہ جنسِ نایابی کے ساتھ
 جانِ ودل دینے میں کیا ہے ان بجا و دل کا گناہ
 جی نکل جانے میں کیا ہے بے قراروں کا گناہ
 کچھ نہیں باندھ ان بے اختیاروں کا گناہ
 بے محابا کھینچ رہی ہے ہر طرف تنگی نگاہ
 بڑا موس جویں مریں ہم اے محبت داہ زاد
 عبت صیلا کو ناخوش بھی کیوں کرتا ہے جس چپ
 عبت تو شہ و شہد و شکر تا ہے اتنا ہے جس چپ
 ترجمہ ان تباہ کھلے بندوں پر خدا دیوے
 صبا سے کہو میری خاک گلشن میں اُلا دیے
 جو کج چھوٹے یہ دیوانہ بھی دھوئیں بجا دیے
 زرا بُرا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے
 کسو کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے
 کوئی قبیلے میں مجنوں کے کیا رہا بھی ہے
 کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کیسے

۲۷ جل چمکے پروانے یہ رنگیں چراغیں پھر کہاں

بلبلو دھویں مچا لویہ گستاں پھر کہاں
جن میں باندھ بھی پاویں گے اک ایشیاں دکھیں
تجربے تری ہم بھی کھانا کھیتاں دکھیں
کیا کیا تری جفائیں ہم نے اٹھائیاں ہیں
کچھ عاشقی نہیں ہو زور آزمائیاں ہیں
جو پہنچوں مرنے کے نزدیک میں تو دور نہیں
کیا کروں مستی سے کچھ ہاتھوں میں گیرائی نہیں
کیا مزا ہے عشق کرنے میں جو رسوائی نہیں
بہارا آوے تو اے صیاد ہم کیمت خبر کچھ
مری اس بے زبانی پر نظرائے نامہ بر کچھ
کھکس قد کی نزاکت پر نظرائے موکر کچھ
چھوڑ مت دل کی زنجیر اسے دیوانے کو مت چھوڑ
زار روشن کر دمت شمع پروانے کو مت چھوڑ
جو یار پرے سے نکلے تو کیا تماشا ہو
خلافت دے گیا ہو خود کشی کی کوہ کن بجھ کو
لعل کو یار کے ہونٹوں سے برابر نہ کرو
میں کدو ہوں مجھے اور کدو نہ کرو
اپنی بیداد کے معنوں کو مکر نہ کرو
بتاں شہید کرو خواہ دستگیر کرو
دل و انصاف تھا اس ملک میں دتو کچھ

یاد جب پہنے جو اہر کرے دل جی نثار
اس طرح صیاد کب آزاد چھوڑے گا ہیں
بہارا آئی ہو ہم کو کیا کسے کھا باغباں دکھیں
اٹھا اس منہ سے لے باوہا گھونگٹ کی انجل کو
گالی بھی کھائیاں ہیں ملیں بھی کھائیاں ہیں
خسوکے منہ پر چڑھنا اور میسٹوں سے لڑنا
ترے سفر کی خبر سن کے جان دھڑکوں سے
شوق کتا ہو کچھ بڑوں دوڑ کر داناں یار
جس محبت میں نہیں ہو سوز وہ ہو بے نمک
اسیرانِ قفس کی نامرادی پر نظر کچھ
نہیں جاتا ہو مجھ سے کچھ کہا جو کہہ سکے کیو
نہ کر شوقی مبادا تاب کھا جائے مکر تیری
گرہ کھولو نہ زلف یا سکی شانے کو مت چھوڑ
ابھی جاتا ہو جل اک دم بھی جینے دہ پچائے کو
کھڑا ہو سر و نیٹ بن بنا کے، رعنا ہو
کوئی مجھ سے نہ بلو مستعد مرنے کا بیٹھا ہوں
خون انصاف سے اتنا بھی زباں پر نہ کرو
اس رخ صاف کے آگے نہ دکھو آئینہ
باندھ کر مجھ پر مکر طعن نہیں غیر کا قتل
خانا کی طرح میں اپنا بھل کیا ہو خون
عشق میں ظلم کی کیا داد ملے ہم کو یقیں

۲۷۳
 نہ بھلا کام کچھ اس صبر سے ب نالہ کرتا ہوں
 یقینِ عقیدے سے مہمت چنگ تھرے آبر ک
 مقابلے میں دفا کو یہ جفا ہوے
 اگر بخیر رہیں یاد کر نہیں سکتا
 دکھ دیتا ہو کر دن تجھ کو بھی حیراں تو سہی
 اب تو ناصح کے قیئیں سینے دو میرا چاک جیب
 اپنے بندوں کو جلا کر خاک کرنے ہیں یقین
 نہٹ سونی ہیں مکیاں خاطر طفلان پریشان کر
 نکل بھاگا ہو کوئی حید کیا اس ملام سے بچ کہہ
 اگر ذخیر میرے پاؤں میں ڈالی تو کیا ہو گا
 میں جو بن غم خوار ہرگز جی نہ سکتا تھا کبھی
 عشق کے فن سے ابھی مجھ کو کہاں ہی طمع
 جو سرا پاؤں پر رکھ دیجے تو خوش ہو میں تل ہم سے
 حیا و شرم سے کیونکر کوئی حذر نہ کرے
 جو یاد غیر کے ساتھ اس طرف سے ہو گزرے
 نہ دی فرصت کہ ان باتوں سے کچھ کام اور بھی
 گونا گونا ہو سرا بننا پشت پاپرتھیل تیرے
 کیا دل ہو اگر جلوہ گہ یار نہ ہووے
 دل جل جو گیا خوب ہوا سوختہ بہتر
 مناسب نہیں ہو غلو جو رکاں نور ہواں سے
 اے حیا داس بیدار بیدار کیا کیجے

مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے
 یہ ممکن ہو کبھی ہر سرچہ فریاد کو پہنچے
 کہ کسی سے کوئی کیونکر آشنا ہوے
 کبھی برہی ہیں کہ ترا بھلا ہوے
 باخباں ماکے اُجاڑے یوں گلستاں تو سہی
 تار تار اس خند سے کہ ڈالوں گریساں تو سہی
 ان بناں کی خند سے ہو جاؤں سلماں تو سہی
 کو مجھوں کو تجھ بن خانہ ذخیر ویراں ہو
 کئی دن ہیں کہ تیری زلف کی خاطر پریشاں ہو
 بہاڑے دو میرا ہاتھ ہو اور یہ گریباں ہو
 ان دنوں کرنی پڑی ہو دل کی غم خواری مجھے
 کچھ نہیں آتا بغیر از نالہ و زاری مجھے
 ویکن لے ہو سکتی ہو ہجرات کہاں ہم سے
 ادب سے تجھ پہ کوئی کب تک نظر نہ کرے
 خدا کے واسطے کوئی مجھے خبر نہ کرے
 ہم آخر ہوں گے دانگیر اس چاک گریباں کے
 گریباں بھاٹیئے اس پر کہ کیا طالع ہیں ماں کے
 ہو طور سے کیا کام جو دیدار نہ ہووے
 وہ جنس کہ کوئی افس کا خریدار نہ ہووے
 یقین کوئی بری بات کو اچھے منہ پہ کیا ہوے
 نکازنا تو ان مجھ سے کہ تیں آزاد کیا کیجے

دل چھوڑ گیا ہم کو دلبر سے توقع کیا
 اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانے کو کیا کہیے
 گئے سب بھول نکلوے دیکھ رے یا کیا کہیے
 زبان حیرت سے میری ہو گئی بے کار کیا کہیے
 اگر اس کی جگہ پہلو میں ہوتا خار بہتر تھا
 بہت دیتا ہر میرا دل مجھے آزار کیا کہیے
 یقیں کے واقعے کی سن خبر وہ بگساں بولا
 یہ دیوانہ کچھ ایسا تو نہ تھا ہمیں ار کیا کہیے
 مجھے ہجر چین ہر موت پر صیاد کیا جانے
 جو گزرتے سر پہ مقتولوں کے سوجھلا دیا جانے
 دانا ہوں میں جی دینے میں مجنوں کے سلیقے کا
 مرنے لے کے مرنے کی طرح فرما دیا جانے
 درختوں سے نہ دے تشبیہ اُس قد کو یقیں ہر گز
 وہ نگہیل سے چلنے کی طرح نشا دیا جانے
 اس بستی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے
 جی میں ہر اس مصرع موزوں کو تھیں کیجیے
 عشق میں راحت نہیں ملتی مگر حیل کوہ کن
 جان شیریں دیجیے تب خواب شیریں کیجیے
 پریشانی خاک سے لگتا ہر سنبل اس سے ظاہر ہر
 کھلے ہیں مے لیلیٰ اب تک اتم میں مجنوں کے
 غبت بانی تھی سینے سے آہ بے اثر ہم نے
 ان پر بزا دوں نے کیا پیسہ بھجیے
 صبح اس کی سوزن خزاں سے کھینچوں کیونکہ ہا
 اہل نہ چھوڑے گی آخر یقیں کو لازم ہر
 یقیں جاتا ہر گز یہ بکھر خوں کے ساتھ جانے دے
 یوں دیا خواب کی خاطر خانماں اپنا بہا
 گریباں چاک کرنے سے گسو کے تجھ کو کیا صبح
 خطا ہر مفت مکر یا رکود تجھے رقیبوں کو
 یا کلب دل کی جراحت پہ نظر کرتا ہر
 اب تو کرنے نگہ لطف کہ ہو تو شہ راہ
 چھپے ہم زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے
 وصیت ہر ہمارا خوں بہا جلا د کو پہنچے

عبدالوہاب مخلص بہ بیکر و شاگرد نجم الدین آبرو گفتگویش بر طرز نہیم و مستمل

برا بہامہست وے راست

مگر دُش کے لعلکن پری رو گزند کے دل پر برے ہی نقش تھا ما کھا ہوا
 گھر زنجی اس کا جا کیا روشن اٹھ گیا فو دیدہ یعقوب
 دل پر ہے ہیں داغ تھے ہجر کے کئی گننے میں جن کے عمری سب گزری
 میر احمد مخلص بہ پیر غلط شاہ اشہر یلدا ز محبوبان میر ضیا و شاگردان تقی میر

بود۔ این شعر از دست

آفریں اے دست گستاخ مجھے آفریں یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ہار تھا
 حسن علی خاں مخلص بہ یاس سلسلہ نبش بہ نواب عقیدت خاں نعمت الہمی
 ہوندد و در کفہ مقیم و اسحاق رخنہ از مرزا جعفر علی حسرت می کند۔ از دست
 جی تکڑے کے خفایہ تو نہ ہوتا ہرگز تو نے کیا جانیے کیوں یاس کو دل گیر کیا
 مجھ کو یقین ہو چکا تیرا وہ دل رہا نہیں اتنا نہ نازک صنم بندے کا کیا خدا نہیں

تَمَامُ شَدِّ

بہار آئی ہے اور ہم گلستاں میں جا نہیں سکتے خدا کے واسطے تو یہی کہ اے صیاد کیا کیجے

جھٹلے کبیراں پر صبر کرنا ہی مناسب ہے یقین دعویٰ وفا کا کر کے اب فریاد کیا کیجے

بہا میں سرود کی اتنا نہ کہ شہد مشرے قمری نہ دے برباد تو اپنی کف عاکستری قمری

رواجا تاہوں مت اتنا بھی کس کر گوندہ بالوں کو ملک ملک ڈھیلی تو کرے جان زنجیریں ڈھانے کی

کرتے ہیں اپنے بال دکھا بتاؤ مجھے اس بیچ سے بتاؤ کسے کالے خدا کیجے

نظر آتا نہیں ثابت گریباں ایک غنیمت کا جن پر یہ قسم کرتا ہے لے برباد صبا کوئی

حق مجھے باطل آشنائے کرے میں بتاؤں سے پھروں خدا نہ کرے

رُومرے کو خدا قیامت تک پشت پاسے تری جدا نہ کرے

دوستی بد بلا ہے اس میں خدایا کسی دشمن کو مبتلا نہ کیے

ہے وہ معتدل کا فسر نعمت اپنے قاتل کو جو دعا نہ کرے

اگر پاوے گلی تیری تو بلبل گلستاں بھولے ترا نقش قدم دیکھے تو اپنا آشاں بھولے

جو کچھ دیکھا ہے اچھی صورتوں سے نقش خاطر ہے وہ نکھیلی سے ہنسلا ڈسے رونانکماں بھولے

اگر دیتے ہو دل کی داد جتنا اس کا جی چاہے تو کرنے دے اسے فریاد جتنا اس کا جی چاہے

دفا کا طوق ہے قمری صفت جزو بدن میرا کرے جو رستم صیاد جتنا اس کا جی چاہے

محبت کے مرنے کو کب ہرک پر دجواں سمجھے جو ابراہیم ہو آتش کدے کو گلستاں سمجھے

نہیں آنکھوں میں تیری حال میرا کچھ چھپا ہرگز جو کوئی بیمار ہو سو قدر جانِ ناتواں سمجھے

بہار آئی ہے کیسا چاک جیب و پیر ہن کرتے جواب ہم چھوٹے لے دست جنوں دیا ہن کرتے

کوئی فریاد جیسے کم سخن کو قتل کرتا ہے یقین ہم وہاں اگر ہوتے تو اک دود و سخن کہتے

حکیم یونس از موز و نان قدیم است این دوست باغ سے باہر نکل گیل رو گیا

میں جب گلشن سے وہ گیل رو گیا بخت میرا جاگ اٹھا تھا سو گیا

سو گیا جس نے بھگایا تھا مجھے

اشاریہ

اشخاص کے نام :- اور نمبر صفحہ

ابراہیم اصفہانی، حاجی -	۲۵۸	ایر خان، نواب، عہدہ الملک،
ابوالخیر مرزا -	۱۱۳	۱۳۸، ۱۳۰، ۵۱
ابوالنہث گوالیاری شیخ -	۱۳۱، ۵۵	باقی، میر - ۲۵۲، ۹۸
احمد خاں، نواب -	۱۴۰، ۱۳۸	بدیع الدین خاں، شاہ - ۱۸۳
احمد خاں (خان) -	۲۲۳	بدیع الزماں خاں - ۲۵۲، ۱۳۱
احمد شاہ -	۱۷۲، ۱۳۷، ۷۹، ۵۵	برہان الدین، شاہ - ۱۲۹
۲۷۵، ۲۲۳، ۲۰۴، ۲۰۲، ۱۷۹		بھگونت مائے - ۸۷
احمد علی قیامت، حاجی -	۲۲۵، ۱۱۸	بیلہ مرزا - ۵۸
انزانی بہاری، میر -	۲۳۷	بہنی بہادر، راجہ - ۷۰
اسد اللہ، شیخ -	۱۸۳	تیر انداز خاں - ۲۵۲
اسرار اللہ، شاہ -	۲۵۳	جالین، مستر - ۲۳۰
اشرف خاں، نواب -	۱۳۷	جاوید خاں، نواب بہادر - ۶۸
اشرف علی خاں، میر -	۱۹۱	چوہنٹ رائے ناگر - ۸۷
آصف الدولہ، نواب -	۲۵۹، ۱۵۴، ۵۱	جعفر خواجہ - ۲۵۲
آصف جلد، نظام الملک -	۲۲۳، ۱۷۷	جلال بخاری، سید - ۲۳۰
انظر الدین خاں -	۲۷۲	جلال، سید، شاہ - ۷۰
انتمار الدولہ، مرزا علی خان -	۱۵۴	جمال الدین حسن، میر - ۱۳۷
اللہ یار، شاہ -	۲۷۵	حبیب اللہ، میر - ۱۳۷
امام ہمام علیہ السلام -	۲۶۱	حسن بیگ - ۱۹۸
امان، حافظ -	۹۴	حسن رضا خاں، مرزا - ۱۱۵

محمد جعفر خاں، میر، نواب۔	۲۰۱	علی قلی خاں۔
۲۳۳، ۲۱۹، ۱۶۷، ۱۶۴		نمازی، الدین خاں، نواب، عہد الملک،
محمد رضا خاں مظفر جنگ، میر۔ ۵۶	۲۳۳، ۱۶۴	فیروز جنگ۔
محمد رفیع خاں، مرزا۔ ۱۳۱	۱۸۷	فخر الدین، مولوی۔
محمد شاہ۔	۲۳۴، ۱۶۶	فرغ سیر۔
۱۹۸، ۱۹۷، ۱۸۱، ۱۵۷، ۱۵۵، ۱۵۱	۱۷۳	فرید نقشبندی، شاہ۔
۱۱۷، ۱۱۱، ۱۳۱، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۶	۲۲۷	فضائل علی خاں
۱۷۱، ۱۷۹، ۱۸۸، ۱۹۷، ۲۰۱	۱۶۶، ۶۴	فضل علی خاں، نواب۔
۲۲۳، ۲۲۷، ۲۳۴، ۲۶۲	۲۲۶	فیض اللہ خاں، نواب۔
محمد صاحب حسرت، میر۔ ۲۶۱	۹۸	قطب الدین خاں۔
محمد علی خاں بہادر، دہلی، ۴۹		قراردین خاں، اعتماد الدولہ، نواب۔
محمد علی خاں روبیلہ۔ ۹۹	۲۲۳	
محمد نادر کھن، مرزا۔ ۶۹	۱۸۹، ۱۱۷	کلیان سنگھ، راجہ۔
محمد قاسم خاں، میر، نواب۔ ۱۵۹	۷۴	کمال، شاہ۔
محمد کبیر، شیخ۔ ۲۲۶	۲۵۴	گلاب رائے، صاحبہ۔
محمد محمود، میر۔ ۲۶۱	۱۸۹، ۱۷۷	گھیشا،
محمد علی خاں، خواجہ۔ ۱۷۷، ۱۷۳	۶۹	لطف اللہ، حافظ۔
مرزا علی خاں، نواب۔ ۱۳۹	۱۳۵	لطف اللہ خاں، صادق، نواب۔
مظفر علی خاں۔ ۶۷	۶۸	لطف علی خاں۔
مظہر قاضی۔ ۱۸۳	۶۴	ماشا، اللہ مقصد، میر۔
مول، شاہ۔ ۲۵۸	۲۱۹، ۱۰۰	ملک الدولہ، نواب۔
منزل، منظوم، میر۔ ۱۱۲	۱۵۵	محمد اکرم خاں، میر۔
موسن بیگ، مرزا۔ ۱۳۸	۱۶۰	محمد باقر حزیں و ظہور، میر۔
مہاجن جنگ، نواب۔	۹۷	محمد برکت، مولوی۔
۱۸۲، ۱۷۷، ۱۵۲، ۶۱	۲۵۹	محمد تقی خاں، میر۔

۹۳ ، ۶۲ ، ۵۰	شاہ عالم -	۲۳۱	حسین الدین خاں ، نواب -
۱۵۷ ، ۱۰۳		۲۵۴	حسین دوست ، میر -
۵۱	شاہنوش گھالیاری -	۱۶۷	حسین علیہ السلام
۱۸۹ ، ۱۸۸ ، ۱۱۷	نشاب رائے ، راجہ -	۱۷۷	حسین علی خاں ، نواب -
	نجاح اللہ ولد ، نواب -	۱۳۹	حفیظ اللہ ، شاہ ، مولوی -
۲۵۲ ، ۲۵۲ ، ۱۲۰ ، ۵۱		۲۶۲	خان جہاں لودی -
۶۴	شرف الدین بہاری ، شاہ -	۲۲۹ - ۱۱۰	خواجہ (محمد) باسط -
۶۴	شمس الدین ہروی ، قاضی -	۸۷	دلیر خاں ، نواب -
۱۳۰ ، ۱۱۷	شہامت جنگ ، نواب -	۶۳	دولت رام ، راجہ -
۹۷	شیرنگن خاں باسلی -	۲۲۷	رائے نشن ناتھ -
۲۴۳	مخدوم جنگ ، نواب ، وزیر -	۲۲۸ ، ۲۲۶	رحمت خاں روہیلہ ، حافظ -
۱۵۶	عالم گیر -	۲۲۷	رستم علی خاں بہادر ، نواب -
۲۴۳	عالم گیر ثانی -	۱۳۷	زعفران -
۱۷۸ ، ۱۳۵ ، ۶۷	عالی جاہ ، نواب -	۱۵۴ ، ۱۱۵ ، ۵۵	سالار جنگ ، نواب -
۲۴۳	عبد الحلیل میر -	۱۵۹ ، ۱۰۰ ، ۷۴	سراج الدولہ -
۲۴۴	عبد اللہ سکین ، میر -	۹۷	سرفراز خاں علاء الدولہ ، نواب -
۱۷۳	عسکر علی خاں -	۲۲۷ ، ۱۳۷	سلطنت علی خاں ، نواب -
۲۷۵	عقیدت خاں نعمت اللہ ، نواب -	۱۷۲	سعد اللہ سورتی ، شاہ -
۱۱۸	علی ، براہیم	۹۹	صید احمد خاں ، مولت جنگ -
۱۳۰	علی ، صفر ، میر -	۲۲۶	سلطان علی بیگ ، مرزا
۶۱	علی اکبر خاں	۲۱۸ ، ۶۰ ، ۵۸	سید الفیہدا -
۱۳۱	علی دوست	۲۵۸ ، ۲۳۵ ، ۲۴۳	
۴۹	علی مرتضیٰ	۱۶۷	سید محمد تادری ، میر -
۱۷۳	علی مردان خاں ، نواب	۱۳۸	سیف اللہ ، میر -
۱۷۶	علی نقی ، مرزا	۹۷	شاہ تیمور -

چاند پور ندیم -	۱۹۸ ، ۱۶۵	سہرام -	۹۷
خاڑ گڑھ -	۷۱	شاہجہان آباد -	۱۹۶ ، ۵۹ ، ۵۱
چک سعد اللہ خاں ، دہلی -	۲۰۳	۱۱۸ ، ۱۳۱ ، ۱۳۶ ، ۱۶۷	
چمین پور -	۹۷	۱۴۳ ، ۲۰۵ ، ۲۲۲ ، ۲۳۵	
حیدر آباد -	۱۵۹	۲۶۲	
دادری -	۲۲۶	شس آباد سٹو -	۱۶۴
دکن -	۱۷۲ ، ۱۵۹ ، ۱۳۰ ، ۹۷	عظیم آباد -	۸۸ ، ۶۵ ، ۵۹ ، ۵۸
۱۷۲ ، ۱۷۷ ، ۱۷۷ ، ۲۴۷		۸۶ ، ۸۷ ، ۹۸ ، ۹۹	
دولت آباد -	۸۰	۱۰۰ ، ۱۱۰ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳	
دہلی -	۷۲ ، ۶۰ ، ۵۷ ، ۵۵	۱۱۶ ، ۱۱۷ ، ۱۱۷ ، ۱۳۲	
۷۸ ، ۷۷ ، ۷۷ ، ۷۷ ، ۷۷		۱۳۵ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ، ۱۶۵	
۹۸ ، ۱۰۳ ، ۱۱۰ ، ۱۱۵		۱۷۹ ، ۱۸۸ ، ۱۷۹ ، ۱۸۹	
۱۱۷ ، ۱۳۰ ، ۱۳۶ ، ۱۳۷		۲۳۷ ، ۲۳۷ ، ۲۳۷ ، ۲۳۷	
۱۳۹ ، ۱۴۰ ، ۱۵۵ ، ۱۵۸		غازی پور -	
۱۷۲ ، ۱۷۳ ، ۱۷۴ ، ۱۷۷		فرخ آباد -	۱۲۰ ، ۱۹۱ ، ۲۲۵
۱۷۸ ، ۱۷۹ ، ۱۸۳ ، ۱۸۸		فیض آباد -	۹۲ ، ۱۳۱ ، ۱۷۹
۱۹۲ ، ۱۹۶ ، ۱۹۸ ، ۲۰۲ ، ۲۱۸		۲۱۹ ، ۲۲۹ ، ۲۳۲ ، ۲۵۳	
۲۱۹ ، ۲۲۵ ، ۲۲۶ ، ۲۴۴		کشمیر -	۲۲۶
۲۶۵ -		کوٹہ فیروز شاہ -	۵۷ ، ۲۴۴
رام پور -	۲۲۶	کلکتہ -	۱۶۷
زمانیہ -	۶۴	کھنڈو -	۵۵ ، ۵۶ ، ۵۸
سارن -	۲۳۵	۶۰ ، ۶۴ ، ۶۵ ، ۶۶	
سنام -	۶۹	۶۹ ، ۷۰ ، ۷۲ ، ۷۶	
سنبھل مراد آباد -	۱۳۱	۱۱۰ ، ۱۱۳ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶	
سینہ -	۲۴۳	۱۳۰ ، ۱۳۷ ، ۱۳۸ ، ۱۳۹	

۲۲۹	نور الدین بیک خاں	۱۳۰	مہارائن، راجہ۔
۱۱۵	نوازش علی خاں	۲۰۳	میر علی۔
۱۶۰	دعید، مٹا	۱۶۶	نادر شاہ۔
۱۵۷	ولایت اللہ شاہ	۱۱۸	ناصر، خواجہ۔
۹۸، ۶۰	ولایت اللہ خاں، میر	۵۵	نجم الدولہ اسفندی خاں۔
۲۲۹	ہاشم علی خاں	۲۵۴	نجیب خاں، نجیب الدولہ۔
۱۱۷	ہوشیار، مرزا	۱۷۹	نوریم، مرزا۔
۱۵۵	بھلی خاں، نذیب	۱۱۰	نصیر، میر
		۱۳۷	نظام الدین، مٹا

مقامات کے نام :-

۱۰۰، ۷۴، ۵۶	بنگالہ۔	۱۸۷	اٹارو
۱۷۲، ۱۵۹، ۱۶۶، ۱۱۷		۲۰۵، ۱۷۶، ۶۸	اکبر آباد
۲۱۹، ۱۸۸		۲۲۲، ۲۱۸	
۱۳۰	بہار	۱۷۷، ۱۳۵، ۹۷	الہ آباد۔
۸۷	پانی پت	۱۸۸	
۱۱۵	پہاڑی، دہلی	۲۲۵، ۱۷۰، ۱۵۷	امروہہ۔
۱۵۸، ۹۸	پھلواری	۱۷۹	اودھ
۵۹	تبریز	۱۵۵، ۹۶	ایران
۲۲۲	چان سو	۶۲	بلدہ
	جلان آباد	۱۷۶	برہان پور
۱۷۷	جلان پور	۲۵۷	بگرام
۲۳۱، ۱۷۷	جھانگیر پور	۲۲۷، ۱۳۸	بنارس

شعرا جن کا ذکر ایک جگہ سے زیادہ آیا ہے :-

۲۰۳، ۱۸۷، ۱۵۵، ۱۳۱، ۱۰۳، ۵۳، ۵۱	کریم
۲۴۵، ۲۴۲، ۲۳۳، ۲۲۲	
۶۰، ۵۹	آئنی
۲۰۵، ۱۷۵، ۱۶۴، ۷۰، ۶۹، ۵۵	آرزو
۱۵۷، ۱۰۳، ۹۹، ۹۸، ۸۱	تابال
۲۲۶، ۱۶۵، ۹۷	جرات
۱۲۶، ۸۷	جوشش
۱۵۸، ۹۸	جوہری
۱۷۰، ۹۴	جمالدار شاہ
۲۲۳، ۱۸۷، ۱۰۳	حاکم
۱۶۰، ۹۹	حزین
۲۷۵، ۲۲۶، ۱۹۸، ۱۳۸، ۹۴، ۸۷، ۱۱۳	حسرت (جعفر علی)
۶۷، ۱۱۰	حیران (میر حید علی)
۱۷۸، ۶۷، ۱۱۵	حسن
۲۵۲، ۱۶۴، ۱۵۹، ۹۸	حسنت
۷۷۷، ۱۷۰، ۱۶۴، ۹۸، ۷۷، ۶۳، ۶۲، ۱۱۸	درد
۲۵۹، ۱۹۸	
۱۱۰، ۷۰، ۱۳۰	دیوانہ
۲۲۵، ۱۳۸	درد (دہریان خاں)
۲۲۳، ۱۳۲	رند (میر ہمزہ علی)
۱۷۷، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۴، ۱۳۷، ۱۱۷، ۹۵، ۶۶، ۳۹	سقا
۱۸۸، ۱۹۸، ۱۹۵، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹	
۲۵۴، ۲۲۴	

۱۳۰، ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۵۹،	مرشد آباد۔	۵۸، ۶۰، ۶۱، ۶۲،
۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۹۱،		۶۳، ۶۴، ۱۷۱، ۱۸۰، ۱۸۳،
۱۹۸، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸،		۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸،
۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۵۸،		۱۸۳، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۱۹،
۲۵۹، ۲۷۵،		۲۵۳، ۲۵۴، ۲۶۱،

۶۴	سویان	۱۸۳	لاہور، النہر۔
۱۵۷	میوات	۲۰۱	محمد آباد بنارس۔
۲۲۶، ۶۷	نارنول	۹۸	مراد آباد

کتابوں کے نام :-

۵۰	تذکرہ گلدستہ معانی
۲۵۹	بستان خیال
۱۷۷	بہارستان جعفری
۹۸	تذکرہ میر محمد تقی
۲۰۲	ترجمہ نصوص المحکم
۲۰۲	رسالہ عروض و قافیہ
۲۰۵، ۵۰	گلشن سخن
۱۳۸	مثنوی ریختہ - از جعفر علی خاں زرگی
۱۹۱	یوسف زلیخا - از فدوی لاہوری

۲۲۹، ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۱۹، ۱۰۹، ۱، ۱۹۹

سند

۱۳۶، ۱۹۹

مصباح الدولہ

۱۱۵، ۱۹۹

ضاحک

۲۵۵، ۲۰۳، ۱۵۳، ۱۱۵، ۹۵، ۹۲، ۱۹۶

ضیا

۸۴، ۸۰، ۷۰، ۱۶۴

عزت

۸۶، ۱۸۹

فرد

۲۹۱، ۱۸۳

فرحت

۲۲۹، ۲۳۶، ۲۰۳، ۱۵۸، ۹۶

فغان

۱۹۱۶، ۹۵، ۱۶۸

فقیر

۲۲۳، ۱۷۰، ۹۹، ۱۹۸

قائم

۲۹۱، ۲۵۹، ۲۱۹، ۲۰۳، ۱۹۲

قدرت

۹۲، ۲۲۹

صیبت

۲۹۲، ۱۷۳، ۱۲۹، ۲۲۲

مضمون (شعرت المذین)

۱۷۱، ۱۷۰، ۱۳۰، ۹۹، ۹۸، ۲۱۸

منظر

- ۲۹۵، ۲۲۹، ۱۹۹

۸۷، ۲۲۳

موزوں (ماجا دام زائن)

۹۶ - ۲۳۰

منت

۱۹۹، ۱۵۷، ۱۳۹، ۱۳۶، ۱۳۱، ۲۰۵

نیر

۲۷۵، ۲۳۵، ۲۲۳، ۱۹۱

۱۵۸، ۲۳۳

ناتجی

۱۷۹، ۲۳۳

نعمت

۲۲۹، ۷۰، ۲۹۲

یک رنگ